کارگہ حیات میں

خواتین کی شرکت

وصفی عاشور ابوزید

مقدمہ

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

استاذ شعبۂ شریعت اسلامی، کلیۃ دار العلوم، جامعۃ القاہرہ

ایفا پبلیکیشنز – نئی دہلی

نام کتاب (عربی):	**مشارکة المرأة فی العمل العام**
نام کتاب (اردو):	کارگہ حیات میں خواتین کی شرکت
مؤلف:	وصفی عاشور ابوزید
مترجم:	الیاس نعمانی ندوی
صفحات:	۲۴۴
قیمت:	
ناشر:	

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

ای میل:ifapublications@gmail.com

فون:011 - 26983728, 26981327

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

انتساب	۸
مقدمہ	۹
پیش لفظ	۱۵
پہلی فصل: تمہید اور تعریفیں	۲۱
"مشاركة" کے معنیٰ	۲۳
"العمل العام" کے معنیٰ	۲۵
"مشاركة المرأة في العمل العام" کا مطلب	۲۶
مسلم خاتون، مقام اور ذمہ داریاں	۲۷
دوسری فصل: خواتین کی شرکت: مشروعیت، ضابطے اور مقاصد	۳۳
شرکت کا حکم	۳۵
شرکت کے شرعی ضابطے	۴۲
ضابطوں کی پرواہ کئے بغیر شرکت کے نقصانات	۴۸
شرکت کے مستثنیات	۵۴
شرکت کے نتائج اور مقاصد	۵۸
تیسری فصل: مختلف زمانوں میں عورت کی شرکت کے چند نمونے	۶۱
عہد نبوی سے ماقبل کے نمونے	۶۳
عہد نبوی کے نمونے	۶۹

عہد نبوی کے بعد کے نمونے ۸۱
چوتھی فصل: چند اعتراضات اور ان کے جوابات ۹۷
پہلا اعتراض: عورت اپنی فطری ساخت کے اعتبار سے سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل نہیں ہے ۹۹
دوسرا اعتراض: حدیث نبوی ''لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة'' کا مفہوم ۹۹
تیسرا اعتراض: حدیث نبوی '' ناقصات عقل ودین'' کا مطلب ۱۰۴
چوتھا اعتراض: حدیث نبوی ''الضلع الأعوج'' کا مفہوم ۱۰۷
پانچواں اعتراض: آیت قرآنی ''وقرن في بيوتكن'' کا مطلب ۱۰۸
چھٹا اعتراض: حدیث نبوی ''المرأة عورة'' کا مفہوم ۱۱۰
ساتواں اعتراض: مرد قوام ہیں تو پھر وہ عورت کے ماتحت کیسے رہ سکتے ہیں ۱۱۲
آٹھواں اعتراض: عورت کے باہر نکلنے سے بے حیائی پھیلتی ہے، اور زنا کے اسباب فراہم ہوتے ہیں ۱۱۳
نواں اعتراض: عورت منحوس ہے اور جہنمیوں کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہوگی ۱۱۵
دسواں اعتراض: میراث میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے ۱۱۶
گیارہواں اعتراض: معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل خواتین کم اور کامیاب کمتر ین ہیں ۱۲۰
بارہواں اعتراض: سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ہے ۱۲۲
تیرہواں اعتراض: عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے ۱۲۳
چودہواں اعتراض: عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے ۱۲۵
پندرہواں اعتراض: خاتون کی آواز کا پردہ شریعت میں ضروری ہے ۱۲۸
پانچویں فصل: معاشی وسماجی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کو درپیش اہم چیلنجز ۱۳۳
عالمی چیلنج اور مغربی مہم ۱۳۵
روایتیں اور معاشرہ میں رائج رسمیں ۱۳۹
شخصی ارتقاء اور حقوق وذمہ داریوں سے آگاہی ۱۴۲
عورت کی مختلف ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم کرنا ۱۴۴
کام کو منظم اور مسلسل کرنا ۱۴۸

چھٹی فصل: سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے میدان	۱۵۱
دعوت اِلی اللہ	۱۵۳
میڈیا	۱۵۹
رفاہی سرگرمیاں	۱۶۲
سیاسی سرگرمیاں	۱۶۵
معاشی سرگرمیاں	۱۷۱
سماجی سرگرمیاں	۱۷۴
ادبی سرگرمیاں	۱۷۸
شرعی علوم	۱۸۱
ساتویں فصل: سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کو فعال بنانے میں ممکنہ معاونین	۱۵۱
متوازن خطاب شرعی	۱۹۲
میڈیا	۲۰۴
تحریک اسلامی	۲۰۶
خاندان اور تعلیمی ادارے	۲۰۹
تربیتی مناہج	۲۱۱
معاشرہ	۲۱۳
شوہر	۲۱۵
خلاصہ	۲۲۱
اختتامیہ	۲۲۴
حواشی	۲۲۵
مصادر	۲۳۷

انتساب

شعبۂ شریعت اسلامی، کلیۃ دار العلوم، جامعۃ القاہرہ میں میرے استاذ

ڈاکٹر ابوساجد محمد احمد حسن

کے نام

جنہوں نے میرے لئے اپنے گھر سے پہلے اپنے دل کے دروازے وا کئے،
اپنے ذخیرۂ کتب سے پہلے مجھے اپنی عقل سے مستفید کیا،
اور اپنے اخلاق واحسانات سے مجھے نہال کر دیا۔

اپنی اس حقیر علمی کاوش کا ان کے نام انتساب
ان کے اخلاق کے تئیں میری محبت اور ان کے احسانات کے اعتراف کا مظہر ہے۔

وصفی

مقدمہ

الحمد لله الذي خلق الأزواج كلها مما تنبت الأرض ومن أنفسهم ومما لا يعلمون ، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خير من حبب إليه النساء ، وحررهن من أغلال الجاهلية وتحلل المدينة ، ومن تبعه بإحسان في صفاء ونقاء ، وتقدير لمكانة المرأة مقاما ومهاما وفق منهج القرآن الكريم والسنة المطهرة ، أمابعد :

ہماری بہنیں مردوں جیسی ہیں،ان کے ہی جیسے عزوشرف سے بہرہ ور ہیں،اور ہماری نگاہ میں ایک بلند مقام رکھتی ہیں، ہمارے نزدیک آج کی اس دنیا میں ہم ان کے بغیر دعوت کا کام نہیں کر سکتے ، جیسے کہ حضرت خدیجہ سب سے پہلے اسلام لائی تھیں،حضرت عمر کی بہن فاطمہ اپنے بھائی سے پہلے مسلمان ہوئی تھیں اورام فضل نے اپنے شوہر حضرت عباس سے پہلے راہ ہدایت اختیار کی تھی۔

اسی لئے ہماری خواہش ہے کہ مسلمان بہن ایمان وعمل کی راہ پر چلے،لیکن مرد کے تابع کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اللہ کی محبت کے جذبہ سے،اورتقلید واتباع کے ہر شائبہ سے محفوظ رہتے ہوئے، مسلمان خاتون کواپنی بابت یہ یقین ہونا چاہئے کہ وہ بھی پیغام وخلافت الٰہی کی حامل انسان ہے، یہ شرف اسے خودذاتی طور پرحاصل ہے،کسی کی بیوی یابیٹی ہونے کی وجہ سے نہیں۔

ہماری تمنا ہے کہ مسلم خاتون رات میں شب بیدار، دن میں روزہ دار، مسجد کی مستقل حاضر باش، گھر کی نگہباں ،علم کے حلقوں میں حاضری دینے والی،خشیت الٰہی سے بہرہ وراوراللہ کی راہ میں انفاق کی عادی ہو،اس کی گفتگو سے اس کی پاکیزگی اخلاق جھلکتی ہو،وہ ذکر خداوندی سے رطب اللسان ہو،اور پاک دل وپاک دامن ہو،اوراللہ سبحانہ وتعالی کے اس قول کا مصداق ہو:{مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَاراً }[تحریم:۵] (ترجمہ: اسلام والی ،ایمان والی،اللہ کے حضور جھکنے والی،توبہ کرنے والی،عبادت گذار،روزہ دارشوہر دیدہ وکنواری خواتین)

ہماری خواہش ہے کہ مسلم خاتون فاطمہ بنت خطاب جیسی داعی ہو، جن کی دعوت کے نتیجے میں ہی ان کے بھائی عمر بن خطاب ایمان لائے، ام شریک اسدیہ جیسی ہو جو مکہ کی خواتین میں خفیہ طور پر دعوت کا کام کرتی تھیں اور نسیبہ بنت کعب جیسی ہو جو مدینہ کی عورتوں کو علی الاعلان دعوت دیتی تھیں، ہم اسے اسماء بنت عمیس جیسا دیکھنا چاہتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے حلقوں اور ذکر کی مجلسوں میں شرکت کا عورتوں کا حق طلب کیا تھا۔

ہماری تمنا ہے کہ وہ ام سلیم جیسی ہو، جن کا مہر اسلام تھا، اور وہ شوہر کی موجودگی وعدم موجودگی میں اس کے حق کو جانتی تھیں، ان کے ایک بیٹے کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ ان کے شوہر ایک سفر سے واپس آنے والے تھے، انہوں نے بیٹے پر کپڑا ڈال دیا، اور اپنے شوہر کے لئے تیار ہوئیں، بیٹے کی موت کے صدمہ کو ان کے لئے ہلکا کیا، حالانکہ اس حادثہ سے خود ان کا دل وجگر چھلنی تھا۔

آج کی مسلم خاتون کو ہم عمل، انفاق اور قربانی میں عائشہ وحفصہ جیسا دیکھنا چاہتے ہیں، جو احد کے زخمیوں کی پیاس بجھاتی اور ان کو پانی پلاتی تھیں۔

ہماری خواہش ہے کہ اس کی تمنائیں ام حرام جیسی ہوں، جن کی تمنا تھی کہ وہ شہید ہوں اور کسی بحری غزوہ میں ہوں بری غزوہ میں نہیں، اس لئے کہ بحری غزوہ کی شہادت کا ثواب زیادہ اور مقام بلند ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ علم کے حلقوں میں اپنی بہنوں سے وہ ایسی مفید گفتگو کرے جو دلوں پر اثر انداز ہو اور عقل مندوں کو حیرت میں ڈال دے، جیسے مسجد عمرو بن عاص میں ام خیر حجازیہ وعظ وارشاد کی مجلسوں میں خطاب کرتی تھیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ وہ دعوت کے رازوں کو دل میں رکھ کر چٹان کی مانند ہو جائے، جیسے دعوت اسلامی کے آغاز میں ام جمیل حضرت ابوبکر کی والدہ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی بابت گفتگو کرنے میں احتیاط برتتی تھیں، اور جیسے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر نے ابوجہل کے ظلم کا نشانہ بننے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کے سفر ہجرت کی بابت ایک جملہ بھی کہہ کے نہیں دیا تھا اور کوئی راز نہیں اگلا تھا۔

ہم اسے ایک ایسی بیوی کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں جو اپنے شوہر کا بہت خیال رکھتی ہو اور اپنے بچوں کی بہترین تربیت کرتی ہو، جس طرح حضرت فاطمہؓ کا رویہ اپنے شوہر حضرت علیؓ اور اپنے دونوں صاحب زادگان حضرات حسنؓ و حسینؓ کے ساتھ تھا، اور جس طرح کا معاملہ حضرت عفراءؓ کا اپنے بچوں کے ساتھ اس وقت تھا جب انہوں نے ان کو بدر کی جنگ میں شرکت کے لئے بھیجا تھا، اپنے بچوں کو انہوں نے اس لئے جنگ میں نہیں بھیجا تھا کہ وہ اپنے جیسے بچوں کو قتل کریں بلکہ اس لئے بھیجا تھا تا کہ وہ کفر کے سرخیل ابوجہل کا کام تمام کریں، ان کے دونوں بچوں نے اس پر وار کر کے اسے زمین پر گرادیا اور پھر حضرت ابن مسعود نے اس کا کام تمام کر دیا۔

ہم اس کے پہلو میں اپنی اس امت کے لئے دردمند دل دیکھنا چاہتے ہیں جو افتراق وانتشار کی شکار ہے، جس پر اس کے دشمنوں نے ظلم کیا ہے اور اس کے اکثر حکمرانوں نے س کے ساتھ دھوکہ دہی کا رویہ اختیار کیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس صورت حال کو دیکھ کر مسلم خاتون بےقرار ہو جائے اور اس کا دل اس وقت تک سکون نہ پائے جب تک حکمرانی شریعت کی نہ ہو جائے، اللہ کا کلمہ بلند نہ ہو جائے، رحمت خداوندی امت کو اپنے احاطہ میں نہ لے لے، امت کی عورتوں کی آبرو محفوظ نہ ہو جائے اور اس کے مقدس مقامات مامون نہ ہو جائیں، وہ خیر کے اسباب فراہم کرے، معروف کی آبیاری کرے، اور دوسری عورتوں پر محبت نچھاور کرتے ہوئے آپس کے تعلقات صحیح کرائے، صنف نازک کو ترقیاں دلائے، مریض پر ترس کھائے، گناہ گار خاتون کے لئے دعا کرے، اور کفر میں مبتلا عورت کو دعوت دے، اور ہمیشہ اس کا حال شاعر کا یہ شعر ہو:

من يفعل الخير لا يعدم جوازيه　　　لا يذهب العرف بين الله والناس

ترجمہ: (خیر کا کام کرنے والے کو بدلہ دینے والے بھی مل جاتے ہیں، نیک کام اللہ اور انسانوں کی نگاہ میں رائیگاں نہیں جاتا ہے)۔

ہم چاہتے ہیں کہ مسلم عورت کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد ہو، اور اس کے باوجود وہ متواضع ہو، حق کہتی ہو اور اللہ کے سلسلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتی ہو، حیا اسے رذائل سے باز رکھتی ہو اور اعتماد و جرأت اسے بلند اہداف دکھاتے ہوں اور وہ زبان حال سے شاعر کے یہ اشعار

پڑھتی رہتی ہو:

أبارک في الناس أهل الطموح　　　ومن يستلذ ركوب الخطر

ومن لا يحب صعود الجبال　　　يعش أبد الدهر بين الحفر

ترجمہ: میں بلند عزائم رکھنے والوں اور ان لوگوں کو مبارک باد دیتا ہوں جو اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے خطرات مول لیتے ہیں، جولوگ پہاڑوں پر چڑھنا (خطرات مول لینا) پسند نہیں کرتے وہ ہمیشہ پستیوں میں رہتے ہیں۔

ہماری خواہش ہے کہ مسلم خاتون اللہ کے راستہ میں رضاء خداوندی کی امید رکھتے ہوئے ثابت قدم رہے، برے حالات آئیں تو صبر جمیل اختیار کرے، پریشانیوں کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرے، خوش دلی کے ساتھ اسباب اختیار کرے، اور دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتی رہے: {وَمَا لَنَا أَلاَّ نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَى مَا آذَيْتُمُونَا وَعَلَى اللّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ} [ابراہیم:]۱۲ (ترجمہ: آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں جب کہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سجھائی ہیں، جوایذائیں تو ہم کو دوگے ہم ان پر ضرور صبر کریں گے، اور توکل کرنے والوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔)

اس سے اس کے اعزہ صبر واستقامت کی روشنی حاصل کریں، یہاں تک کہ لوگ جان جائیں کہ امت مسلمہ کی عورتیں مردوں جیسی ثابت قدم اور نامور بہادروں جیسی پختہ ہیں، وہ ایسی نازک نہیں ہیں کہ ان کے لئے راہیں ہموار کرنی پڑیں اور ہوائیں ان کو اڑادیں، بلکہ ان کی مثال ان پہاڑوں کی ہے جن سے زمین اپنا توازن اور اپنی بقاء کا سامان کرتی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے موت، قبر، حشر، کتاب، میزان اور پل صراط کا تذکرہ ہوتو اس کی آنکھیں نم ہوجائیں، شہادت، قبر کے منور ہونے، حوض کوثر، قیامت کے دن کے سایہ اور جنت الفردوس کا تذکرہ ہوتو اس کا دل باغ باغ ہوجائے، پھر وہ اپنے ہدف کی تعیین کرکے خوف ورجاء کی صفات سے متصف ہو اور انبیاء، صدیقین، شہداء وصالحین کی بہترین رفاقت کی حق دار ٹھہرے۔

ہماری آرزو ہے کہ مسلم خاتون نفسانی شہوات کے لئے پتھر کی سل کی مانند ہو، طاعات کی جویا ہو، گناہوں سے گریزاں ہو، مال کے سلسلہ میں قناعت پیشہ ہو، علم کی رغبت رکھتی ہو، دیگر خواتین اسے قندیل ربانی، چشمہ صافی اور پیکر اخلاق جانیں، اولاد اس کی ذات میں شفقت ومحبت سے لبریز ماں پائے، شوہر کے لئے وہ قلب وجگر کی بہار، مونس وغم خوار، سراپا محبت، سلیقہ مند، روز وشب کی معاون اور عقل وحکمت کا خزینہ ہو۔

اپنی دینی بہنوں کو یہ میری نصیحتیں تھیں، یہ نصیحتیں متعدد امتیازی پہلوؤں کی حامل زیرنظر کتاب سے ہم آہنگ ہیں، اس کتاب کے چند امتیازی پہلو یہ ہیں:

۱- کتاب وسنت کے نصوص سے استفادہ میں نہایت معتدل منہج، اور اس سلسلہ میں ہر طرح کے افراط وتفریط سے اجتناب۔

۲- مصنف نے عورت سے متعلق ممتاز علماء امت کی تقریبا تمام تحریروں کا استیعاب کرتے ہوئے ان سے اس طرح خوشہ چینی کی ہے جیسے شہد کی مکھی ہر کھلے ہوئے پھول سے پاکیزہ ترین رس کا انتخاب کرتی ہے۔

۳- اس کتاب میں موضوعات کی منہجی تقسیم اور نہایت محکم علمی منصوبہ بندی کی اعلی صلاحیت نمایاں ہوتی ہے، نیز فصلوں، مباحث اور نقاط کے درمیان گہرا ربط پایا جاتا ہے جو قاری کے لئے علمی راحت کا سامان فراہم کرنے والی اکائیاں محسوس ہوتے ہیں۔

۴- استیعاب، اصطلاحات وشرکت کے احکام کی تحریر کے درمیان جمع، ایک ساتھ ماضی وحال کی مناسب مثالوں کا پیش کرنا، اعتراضات اور ان کے مختصر وکافی جواب تحریر کرنا، اس سلسلے کے چیلنجز اور ان سے نپٹنے کے وسائل بتانا، عورت کے عملی میدانات، اور ان سرگرمیوں کا تذکرہ جنہیں اپنے دعوتی واصلاحی عمل میں پختہ ومزید سرگرم کرنا خاتون کے لئے ضروری ہے۔

۵- اگرچہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کتاب نے ایک نئے وبے نظیر پیرایہ میں علمی گیرائی اور دعوتی ذوق کو جمع کیا ہے۔

اس کتاب کے مصنف استاذ وصفی عاشور ابوزید ہیں، جو فکری عمق، قوت استدلال، امانتِ نقل،

مسائل کے دقیق فہم، عبارت کی روانی اور علماء کے ادب کا خیال رکھتے ہوئے بحث ومباحثہ میں جرأت جیسے اوصاف کی بابت اپنے ہم عمروں بلکہ اپنے بعض اساتذہ ومشائخ سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔

وہ جو کچھ لکھتے ہیں امت کے تئیں اپنی دردمندانہ فکر کے زیر اثر لکھتے ہیں، اور اس خواہش میں لکھتے ہیں کہ امت کو آزاد روی اور جمود سے بچایا جائے، اس طرح ان کا قلم اسلامی اعتدال اور شرعی مقاصد کا پاس رکھتا ہے، جس سے یہ امید ہوتی ہے کہ ان کی آراء کو معتدل ذہن ان شاء اللہ اچھی نگاہ سے دیکھیں گے اور قبول کریں گے، بلکہ میں تو مصنف کا ایسا روشن مستقبل دیکھتا ہوں جو انہیں ان شاء اللہ ان داعی علماء کی صف اول میں جگہ دلائے گا جن کی محکم علمی کاوشیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

میں یہ امید کرنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ کتاب مدارس وجامعات، مساجد وعلمی مجلسوں میں پڑھی جائے گی۔ اور اس سے قارئین اعتراضات کے جواب دینے پر حقائق کو سامنے لانے میں مدد پائیں گے۔ پھر اس عالم کی دونوں صنفیں (مرد وعورت) رب العالمین کی شریعت کے سایہ تلے سعید وخوش بخت ہوں گے اور ہم سب ایک ساتھ جنت کے بلند درجات سے سرفراز ہوں گے۔

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
مشیر شرعی: المجلس الأعلی للشئون الإسلامیۃ، بحرین
بحرین: ۱۴/رمضان ۱۴۲۹ھ

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، حمدا يوافي نعمه ويكافئ مزيده ، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ، وأن محمدا عبده ورسوله ، وصفيه من خلقه وخليله وحبيبه ، بلغ الرسالة وأدى الأمانة وتركنا على المحجة البيضاء ، ليلها كنهارها لا يزيغ عنها إلا هالک، اللهم صل وسلم وزد وبارک عليه وعلى آله وأصحابه وأحبابه وأتباعه ﴿الَّذِيْنَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِىَ أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُون﴾ (أعراف: ١٥٧)

أما بعد :

عورت کا مسئلہ ان اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے جو بکثرت موضوع گفتگو بنتے ہیں، جن پر متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، جن کی بابت خوب اعتراضات کئے جاتے ہیں، اور جن کے سلسلے میں زبردست بحث ومباحثہ ہوتا ہے اور بہت اختلافات پائے جاتے ہیں، کوئی توسع کی راہ اختیار کرتا ہے تو کوئی حد سے زیادہ تنگی کرتا ہے، کوئی ہر چیز کو حلال کرتا ہے تو کسی کے نزدیک سب کچھ حرام ہوتا ہے، ایک افراط میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسرا تفریط میں، اور افراط وتفریط سے محفوظ متوازن ومعتدل رائے نایاب رہتی ہے۔

عورت کے نصف معاشرہ ہونے پر کس کو شبہ ہوسکتا ہے، بلکہ بعض لوگ تو اس کو مکمل معاشرہ سے تعبیر کرتے ہیں کہ اگر نصف معاشرہ اس پر مشتمل ہے تو دوسرا نصف بھی اسی کا پیدا کردہ ہے، عورت صالح ہو تو معاشرہ صالح ہوتا ہے، اور اس کے فاسد ہونے سے معاشرہ فاسد ہوجاتا ہے۔ استعماری طاقتوں نے عورت کی اس اہمیت کا اسی وقت خوب اندازہ کرلیا تھا جب انہوں نے دیگر قوموں پر عقائدی، فکری، سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنے کے لئے ایک لازمی وسیلہ کے طور پر عورت کے کردار پر اعتماد کیا تھا۔ اسی وجہ سے عورت کا موضوع ہمیشہ نئے مطالعہ کا طالب رہا ہے، اس لئے کہ ہماری زندگی سے ماضی، حال اور مستقبل میں اس کے براہ راست تعلق کی وجہ سے یہ مسلسل سلگتا ہوا حساس مسئلہ ہے۔

عورت کی موجودہ صورت حال تفصیل وتاٗصیل اور شرح وتجزیہ کی محتاج ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ عورت کو درپیش چیلنجز اور ان چیلنجز سے نبرد آزما ہونے میں اس کے معاون پہلوؤں کی وضاحت کی جائے۔ شیخ محمد الغزالی نے لکھا تھا:

''عورت کے مسائل کو متعدد عقلی، اخلاقی، اجتماعی اور اقتصادی مسائل گھیرے ہوئے ہیں، جس طرح اس بات کی ضرورت ہے کہ اس بابت وارد نصوص، قدیم فتاوی نیز لوگوں کے اعمال پر مؤثر ہونے والے غلط رواجوں کا نہایت زیرکی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کا موضوعی جائزہ لیا جائے اور وحی نیز اس میں درآئی باہر کی چیزوں کے درمیان فرق کیا جائے، اسی طرح امت کے حالات میں سے جن کا ختم کرنا اور جن کو قائم کرنا ضروری ہے ان کے درمیان تمیز کی جائے''۔(۱)

بلکہ ممتاز مفکر عمر عبید حسنہ نے تو اس سے بھی آگے کی بات کہی ہے، لکھتے ہیں:

''نصف صدی یا اس سے بھی زائد عرصہ سے جو کچھ بھی فکر اسلامی کے لٹریچر میں عورت اور زندگی میں اس کے مقام کی بابت لکھا گیا ہے، اس کا جائزہ لینے والا آدمی اس میں تضاد اور اضطراب پائے گا، وہ دیکھے گا کہ کوئی ہر چیز کو حلال کرنے کے درپے ہے تو کسی کی نگاہ میں سب کچھ حرام ہے، اسے زبردست فکری بکھراؤ نظر آئے گا..... غالبًا ان فکری وفقہی کیفیات اور ہر چیز کو حلال کرنے اور ذرائع کو اہمیت دینے کے اس رجحان کا سبب موجودہ صورت حال کا ادراک نہ کرپانا، مستقبل میں اس کے نتائج کو نہ سمجھ پانا اور لوگوں کی زندگی میں ان کی صلاحیتوں کے مطابق نص کو تطبیق دینے کے محل کا غلط اندازہ کرنا ہے، ہر چیز کو قبول کرنا اور ہر صورت حال کے سامنے سرتسلیم خم کردینا نااہلوں کا ہی شعار ہے''۔(۲)

اسی وجہ سے یہ زیرنظر مطالعہ سامنے آیا ہے، جس میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ عورت کے مسئلہ کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالیں، اور ان کی بابت علماء کے اقوال کا استیعاب کریں، ہمارا دعوی یہ نہیں ہے کہ شیخ محمد الغزالی کے الفاظ میں یہ مطالعہ ''نہایت زیرکی'' کے ساتھ کیا گیا ہے، یہ ایک کم علم کی کاوش ہے، اور ایک ایسے انسان کی تصنیف ہے جس سے صحیح سے زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: تمام انسان غلطیاں کرتے ہیں اور بہترین غلطی کرنے والے لوگ وہ ہیں جو اپنی غلطیوں پر توبہ کریں۔

یہ مطالعہ، ایک مقدمہ، سات فصلوں اور ایک اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل میں کتاب کے عنوان میں استعمال کئے گئے مفردات ''مشارکۃ'' اور ''عمل عام'' کی تشریح کی گئی ہے۔ (خیال رہے کہ اس کتاب کا نام ''مشارکۃ المرأۃ في العمل العام'' ہے) اس فصل میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''عمل عام'' میں خواتین کی ''مشارکۃ'' کا کیا مطلب ہے، عورت اور مرد کے درمیان فرق کی بابت مسئلہ کا ایک حل ہم نے ان دونوں کی بابت پائی جانے والی کشمکش اور اشتباہ کو ختم کر کے کیا ہے، اس کے لئے ہم نے ''المقام والمھام'' کی تعبیر اختیار کی ہے، جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرد اور عورت مقام میں تو مکمل طریقہ سے برابر ہیں، لیکن ان کی ذمہ داریاں مختلف ہیں، اس لئے کہ ان کی ساخت اور نوع میں فرق ہے، یہ اختلاف تنوع اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والا اختلاف ہے، تضاد اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے والا نہیں۔

دوسری فصل میں کتاب وسنت کے نصوص کے حوالہ سے عورت کی شرکت کی بابت شرعی موقف پر گفتگو کی گئی ہے، اس سلسلہ میں قرآن مجید اور صحیحین (بخاری ومسلم) پر ہی اعتماد کیا گیا ہے (۳)، اور اس شرکت یا حصہ داری کے ضابطے بیان کئے گئے ہیں، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس شرکت کے نہ پائے جانے کے کیا نقصانات ہیں، نیز اس کے مستثنیات پر گفتگو کرنے کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس شرکت کے مقاصد کیا ہیں اور عورت، خاندان نیز معاشرہ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

تیسری فصل میں مختلف زمانوں میں اس شرکت کے نمونے پیش کئے گئے ہیں، یہ زمانے ہیں: رسول اکرم ﷺ سے پہلے کا عہد، عہد نبوی، آپ کے بعد سے عصر حاضر تک کا عہد، بالخصوص فلسطین کے حوالہ سے۔ اس فصل میں عہد نبوی میں پائے جانے والے شرکت کے نمونوں پر خاص توجہ دی گئی ہے کہ ان کی حیثیت قانون سازی کی ہے، عہد نبوی اور اس سے پہلے کے نمونوں کی بابت نصوص میں میرا اعتماد (مرحوم شیخ محمد عبد الحلیم ابوشقہ کی انسائیکلوپیڈیائی تصنیف ''**تحرير المرأة في عصر الرسالة**'' پر رہا ہے، اس کتاب سے میں نے بہت استفادہ کیا ہے، بلکہ شرکت کی بابت بہت سے عناوین بھی میں نے اسی کتاب سے نقل کئے ہیں، اس کتاب سے استفادہ کے بغیر کسی شخص کے لئے عورت کے مسئلہ پر گفتگو کرنا روا نہیں ہے۔

چوتھی فصل میں عورت کی صلاحیت اور ''عمل میں شرکت'' کی اس کی صلاحیت پر ہونے

والے اعتراضات میں سے پندرہ اہم اعتراضات پر گفتگو کی گئی ہے، اس میں ان بہت سی موضوع، منکر اور ضعیف روایات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو عورت کی تحقیر اور توہین کو تقویت پہنچاتی ہیں، اسی طرح صحیح نصوص کے غلط فہموں کی بھی وضاحت کی گئی ہے ان تمام اعتراضات کے جوابات میں قطعی و واضح دلیلوں، آں حضرت ﷺ اور آپ کے بعد صحابہ و دیگر اسلاف امت کے عمل پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس مطالعہ نے پانچویں فصل میں عورت کو درپیش اہم چیلنجوں کو واضح کیا ہے، نیز ان چیلنجوں کے مقابلہ کے طریقوں اور ان کے سلسلے میں صحیح رویہ پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان میں سے چند چیلنجز یہ ہیں:

مغربی غلبہ، صحیح منقول احکام شریعت اور صریح عقل کے خلاف پائے جانے والی سماجی اقدار وروایات، شخصیت کا ارتقاء اور حقوق و ذمہ داریوں کا علم، مختلف واجبات اور ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم رکھنا، ''عمل'' سے بالکل منقطع نہ ہوجانا یا عارضی عمل عام پر اکتفاء نہ کرنا۔

چھٹی فصل ان اہم میدانوں کی بابت ہے جن میں شرعی آداب وضوابط کی رعایت کے ساتھ عورت کی شرکت کو شریعت نے جائز (بلکہ بسا اوقات واجب) کہا ہے، ہر میدان میں جن ذرائع، وسائل اور ذمہ داریوں کو عورت اختیار کرسکتی ہے ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح عورت کی فطرت کا خیال رکھتے ہوئے اور اس کی فطرت وانوثت کی بقاء کے لئے جو کام اس کے لئے حرام ہیں اس فصل میں ان کا بھی تذکرہ ہے۔

ساتویں اور آخری فصل میں ان اہم کرداروں کا بیان ہے جو عورت کے تہذیبی سفر میں اسکو تقویت بخشتے ہیں، اور معاشرہ میں اس کی حصہ داری کو تقویت دیتے ہیں، جیسے متوازن شرعی خطاب، میڈیا، تحریک اسلامی میں نمایاں کردار، خاندان، تعلیم، تربیتی مناہج اور معاشرہ میں بنیادی تربیت گاہیں، اور آخر میں بیوی کا کردار، جو اہم ترین کردار ہے۔

پھر ہم نے اس کتاب کی فصلوں اور اس کے مباحث میں زیر بحث آنے والے اہم افکار کا نہایت مختصر خلاصہ لکھا ہے کہ یہ آج کے قاری کے لئے مفید ہے، اختتامیہ میں مستقل مختلف گوشوں میں عورت کی حصہ داری اور اس کے ''عمل'' کے وسیع پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تصنیف میں ہم نے نظریاتی گفتگوؤں کے ساتھ ساتھ تطبیقی گفتگو بھی کی ہے،

جہاں ایک جانب شریعت کا اصل موقف بیان کیا گیا ہے وہیں ان ''عملی وسائل'' پر بھی گفتگو کی گئی ہے جن کو عورت دین کے صحیح فہم، اپنے مقام اور اپنے پیغام کی قدر و قیمت کے ادراک نیز عورت پر مسلسل ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے پر قدرت حاصل کرنے کے بعد اختیار کر سکتی ہے، ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ کتاب ایسی نظریاتی تصنیف ہو کر نہ رہ جائے جس میں کوئی عملی گفتگو نہ کی گئی ہو، اور تاکہ تطبیق ضوابط شریعت سے جدا نہ ہو جائے۔

نظریاتی گفتگو کتاب کی ان فصلوں میں کی گئی ہے جو تعریفوں، مشروعیت اور اعتراضات سے بحث کرتی ہیں، جب کہ تطبیقی گفتگو چیلنجز والی فصل کے علاوہ اس فصل میں کی گئی ہے جس میں عورتوں کے کام کرنے کے میدانوں پر گفتگو کی گئی ہے۔

اس تصنیف نے کسی مخصوص مکتب فکر یا رجحان کی حد تک اپنے کو محدود نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے نصوص قرآن وسنت کا تتبع کیا ہے، مختلف مسالک ومشارب کے علماء وفقہاء کے اقوال پر غور کر کے ان میں سے آیات واحادیث سے موافق اقوال کو کتاب میں درج کیا ہے، اور عقل ونقل کے خلاف اقوال سے صرف نظر کا رویہ اختیار کیا ہے، اس سلسلہ میں ہماری بنیاد دلیل شرعی اور سلف صالح کا عمل رہا ہے۔

ہم نے بہت کم اپنے قدیم شرعی علمی ذخیرہ سے استفادہ کیا ہے، اس لئے کہ عورت سے متعلق جو مسائل ہمیں درپیش ہیں وہ ہمارے قدیم فقہاء وعلماء کے زمانے میں سامنے نہیں آئے تھے، بلکہ ان کے سلسلہ میں آخری زمانہ میں ہی گفتگو کا دائرہ وسیع ہوا اور اس بابت اختلافات اسی عہد میں سامنے آئے۔

اس کتاب میں ہم نے عصر حاضر کے متعدد فقہاء، مفکرین اور داعیوں سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے اقوال وافکار کا حاصل پیش کیا ہے، اور بکثرت ان کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان معاصر علماء میں سے چند کے نام یہ ہیں: محمد عبدہ، محمد رشید رضا، بہی الخولی، محمد سلیم العوا، محمد عمارہ، صلاح الدین سلطان، محمد الغزالی، محمد رجب البیومی، مصطفیٰ السباعی، محمد متولی الشعراوی، منیر محمد الغضبان، عباس محمود العقاد، وہبہ رؤوف عزت، زینب الغزالی الجبیلی، محمد عبدالحلیم ابوشقہ، عبدالرحمٰن عبدالخالق، محمد بن موسی الشریف، عمر عبید حسنہ، محمد رواس قلعجی، نورالدین عتر، عبدالعزیز بن باز، یوسف القرضاوی، عصام احمد البشیر، سالم البھنساوی، محمد بلتاجی حسن، عبدالبدیع صقر، فیصل مولوی، محمد حسین عیسی۔

ہمیں ایسی امید نہیں ہے کہ عورت کے موضوع پر تصنیفات کا سلسلہ اب تھم جائے گا یا مستقبل

قریب میں اس موضوع پر تصنیفات کم منظر عام پر آئیں گی، اس لئے کہ زندہ مسائل پر تحریریں بکثرت سامنے آتی ہیں، اور ان کی بابت اختلافات بھی خوب زور وشور سے کئے جاتے ہیں، اس میں کوئی بھی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ ایک صحت منداور خوش آئند بات ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خیر کثیر اس کا منتظر ہے کہ مسلم خاتون کب اپنی ذمہ داری کو سمجھے گی اور کب وہ شریعت کے ضوابط نیز حالات کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق کارگہ حیات میں اپنی شرکت کی اہمیت کو سمجھے گی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اگر وہ میری اس علمی کاوش میں کوئی کمی پائیں تو مجھے متنبہ کر کے میری راہ نمائی کریں، کہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق تمام انسانوں سے غلطی ہوتی ہے، اور دین خیر خواہی کرنے کا متقاضی ہے۔

اپنی اس علمی کاوش کو بالخصوص اپنی مسلمان بہنوں اور بالعموم تمام خواتین عالم اور اپنی امت کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات سے امید کرتے ہیں کہ یہ کتاب عورت کی معاون ہوگی۔ اور اس کے ذریعہ وہ اپنے معاشرہ کے غلط عرفوں اور دیگر معاشروں کی نقالی سے محفوظ رہے گی، اور قرآن وسنت نیز سلف صالح کے فراہم کردہ اسلامی چشمۂ صافی سے فیضیاب ہوگی، اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہماری غلطیوں سے واقف کرائے، ہماری کوتاہیوں سے چشم پوشی کرے، اور ہماری غلطیوں سے صرف نظر کرے، کہ وہ اس کا اہل اور اس پر قادر ہے، اور اللہ حق کہتا ہے، نیز صحیح راستہ کی راہ نمائی کرتا ہے، تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی عنایات سے نیک کام پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

وصفی عاشور ابوزید
کویت، ۷؍رمضان ۱۴۲۹ھ/ ۷/ ۹/ ۲۰۰۸ء
wasfy75@yahoo.com

پہلی فصل

(تمہیداورتعریفیں)

-"مشاركة" کےمعنٰی
- "العمل العام" کےمعنٰی
- "مشاركة المرأة في العمل العام" کا مطلب
-مسلم خاتون، مقام اورذمہ داریاں

(اگلےصفحات سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ عربی میں اس کتاب کا نام ''مشاركة المرأة في العمل العام'' ہے)

اس فصل میں ہم کتاب کے نام میں استعمال ہونے والے الفاظ کی تعریف کریں گے، ابتدائی تین مباحث میں سے پہلا مبحث ''**مشاركة**'' دوسرا مبحث " **العمل العام**'' اور تیسرا مبحث " **مشاركة المرأة في العمل العام**'' کا مطلب واضح کرے گا، اس کے بعد چوتھے مبحث میں ''مقام اور ذمہ داریوں'' کے اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے جو مرد و عورت کے درمیان فرق کرنے کے مسئلے کو حل کر دیتا ہے۔

کسی بھی صاحب نظر سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آغاز میں ہی اصطلاحی الفاظ اور ان کے معانی کی تحدید کس قدر اہم ہے، اور کسی بھی موضوع کی بابت صحیح مطالعہ کی اس میں کیسی راہ نمائی ملتی ہے۔ اس عمل سے موضوع سے خارج چیزوں کی نفی ہو جاتی ہے اور اصل موضوع واضح ہو جاتا ہے، نیز مسائل کی بابت اختلاف کم بلکہ بسا اوقات ختم ہو جاتا ہے۔ ابن حزم نے اپنی کتاب الإحکام (۸ / ۵٦۴) میں تحریر کیا ہے: '' ہر عملی اختلاف، فساد اور خلط مبحث کا سبب الفاظ کا متعدد معانی میں استعمال ہونا یا ناموں کا اشتراک ہے، بسا اوقات کوئی شخص کسی لفظ کو اس کے ایک معنی میں استعمال کرتا ہے اور سامع دوسرے معنی پر اس کو محمول کرتا ہے جس کے نتیجہ میں پریشانی وجود میں آتی ہے، باطل عقیدہ رکھنے والوں کو شریعت کی بابت یہی چیز سب سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہے، اور اس سے محفوظ بس وہی شخص رہتا ہے جسے اللہ توفیق دے''۔ اسی لئے کتاب کے آغاز میں ان مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔

۱-"مشارکۃ" کے معنیٰ:

"شارک" "فاعل" کے وزن پر باب "مفاعلۃ" کا فعل ماضی کا صیغہ ہے، قواعد لغت کی رو سے اس باب سے آنے والے فعل کو دو یا دو سے زائد افراد انجام دیتے ہیں، جیسے "قاتل"، "قاوم"، "نازل"، اور "عاشر" وغیرہ۔

"شِرْکۃ" اور "شرِکۃ" دونوں کے معنیٰ ہیں: دو شریکوں کا پایا جانا، استعمال کیا جاتا ہے: "اشترکنا" یعنی ہم باہم شریک ہوئے، "اشترک" "تشارک" اور "شارک" بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں... شریک کے معنی ہیں شرکت کرنے والا، شِرْک کے بھی یہ معنی آتے ہیں۔ (۴)

"مشارکۃ" کی اصطلاحی تعریف اس کی مندرجہ بالا لغوی تعریف سے زیادہ مختلف نہیں ہے، بنیادی طور پر یہ ایک سوشیالوجی (علم اجتماع) کی اصطلاح ہے، جس کا فقہی حصہ بہت محدود اور کم ہے، اس محدود وقلیل حصہ کو تعبیر یوں کیا جا سکتا ہے: دو یا دو سے زائد مالکوں کے درمیان کسی ایسی چیز کے استحقاق یا تصرف میں شرکت (۵) جس کی کوئی مالی قیمت ہو، اور ان میں سے ہر ایک فرد کو اس چیز میں مالک جیسے تصرف کا حق حاصل ہو، اور ان تمام شریکوں کے لئے نفع یا نقصان کا امکان ہو۔

علم اجتماع میں اس لفظ کے اصطلاحی معنی ہمارے لئے اس موقعہ پر اہمیت رکھتے ہیں، اس کا مفہوم معاشرہ سے کلی وجزئی طور پر مربوط ہے، یہ ترقی اور تہذیب کا بنیادی سبب ہے، انسان کی ترقی سے اس کے ربط کا مظہر یہ ہے کہ یہ انسان کی صلاحیتوں نیز صحت، علم، فکر اور ثقافت جیسے اس کے پہلوؤں کو تقویت دیتی ہے تا کہ انسان زندگی کے مختلف گوشوں میں مکمل شرکت پر قادر ہو سکیں۔

اسی طرح انسان کی خاطر ترقی سے بھی اس کا ربط ہے، یعنی اقتصادی ترقی سے حاصل ہونے والے منافع میں سے اپنے حصہ کو حاصل کرنے کے لئے تمام لوگوں کو موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

انسان کو ترقی دلانے سے بھی اس کا ربط ہے، یعنی معاشرہ کے تمام افراد کو یہ موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کی ترقی میں حصہ لیں، اس طرح لوگوں کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ بحیثیت افراد انتخابات میں اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں یا تجارتی سرگرمیاں انجام دیں، اسی طرح باعتبار جماعات ان کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ مختلف طرز کی سماجی تنظیمیں قائم کریں یا ٹریڈ یونینس اور قبائلی اداروں میں شامل ہو جائیں، شرکت کے بلند معیارات انسان کی قوت ابداع اور اس کی صلاحیتوں کو

ایک فطری تعبیر عطا کرتے ہیں، اور افراد و جماعات کو یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذات کی مکمل تشکیل کریں اور تکمیل کا احساس کریں۔(٦)

اس وسیع تصور و مفہوم کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اشخاص، حالات، زمانوں اور معاشروں جیسے عام معاشرتی مفہوم کے اعتبار سے شرکت کو وجود میں لانے والے پہلوؤں کے بدلنے سے شرکت کی شکلیں اور قسمیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔

معاشرہ کی ترقی میں رعایا حاکم کے شریک ہوتے ہیں، رعایا کے مصائب، ان کی توقعات اور ان کے مصالح کی تکمیل کے سلسلے میں حاکم ان کے شریک ہوتے ہیں، ذمہ دار اپنے ماتحتوں کے مصالح اور ان کی مشکلات پر نظر رکھتا ہے، تو ماتحت بھی کام اور اس کو ترقی دینے کی فکر میں اپنے سربراہ کے دوش بدوش ہوتے ہیں، باپ اپنے بیٹوں کی امنگوں اور ان کی خواہشات میں شریک ہوتا ہے، تو بیٹے اپنے والدوں کی فکروں میں ہاتھ بٹاتے ہیں، مالدار فقراء کے ساتھ شرکت کا رویہ اختیار کرتے ہوئے ان کے ساتھ غم خواری کرتے ہیں، صحت مند مریضوں کی عیادت کرتے ہیں اور ان کے لئے تقویت کا سبب بنتے ہیں، اس طرح ''مشارکۃ'' (شرکت یا حصہ داری) انسانی زندگی کی تمام حرکات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، یعنی اس لفظ کے معنی کسی کام یا فریضہ میں عورت کی شرکت تک محدود نہیں ہیں، اگر چہ عصر حاضر میں اس اصطلاح کے استعمال سے ذہن اسی مفہوم کی جانب منتقل ہوتا ہے، رائج عرفوں اور وراثت میں ملی تہذیبوں کے زیر اثر اصطلاحات کے مفہوم میں تنگی پیدا ہونے کی یہ ایک مثال ہے۔

اس وسیع معنی میں ''مشارکۃ'' (شرکت/حصہ داری) کا تقاضا یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں ایک تہذیبی انقلاب برپا کردے، اور معاشرہ کو ایسا محکم، مضبوط، باہم مربوط اور ایک دوسرے کی ذمہ داریاں اٹھانے والا بنائے جو طاقتور چیلنجز کے سامنے کسی بھی طرح نہ جھکے، اور ان مہلک مغربی طوفانوں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرے جو امت کو اس کے رب سے بے تعلق اور شریعت اسلامی سے بے بہرہ کرنا چاہتے ہیں، جب تک ہر فرد دوسرے کے ساتھ شرکت اور ہمدردی و غم گساری کا رویہ اختیار کرے گا دوسرے کے مصائب کو ہلکا کرنے کی کوشش کرے گا اس وقت تک معاشرہ باہم مربوط رہے گا، ایسا معاشرہ اسلام کی نگاہ میں مثالی معاشرہ ہے۔

۲- "العمل العام" کے معنی:

"**العمل العام**" ان سرگرمیوں کو کہتے ہیں جن کا تعلق معاشرہ سے ہو، اور جو مرد، خاندان نیز مملکت کے تمام اداروں پر مؤثر ہوں۔

یہ سرگرمیاں مختلف قسموں کی ہوتی ہیں: علمی، ریاضی، ثقافتی، دینی، عمروں اور جنسوں (عورت، مرد اور بچے) کے اعتبار سے مختلف سرگرمیاں، تعاون اور اقتصادی ورفاہی سرگرمیاں، غرض وہ تمام سرگرمیاں اس لفظ میں شامل ہیں جو معاشرہ کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں، اور جن پر خاندانوں، افراد، تنظیموں اور اداروں کا دارومدار ہوتا ہے۔

فرد معاشرہ سے الگ، لوگوں سے کنارہ کش اور سرگرمیوں سے دور نہیں ہوتا ہے، بلکہ جیسا کہ ابن خلدون وغیرہ علماء اجتماع نے کہا ہے وہ فطری طور پر متمدن واقع ہوا ہے، اسی لئے انسان اس مکمل سسٹم کے تحت ہی کام کرتا ہے، جس پر مؤثر اور جس سے متأثر ہو کر وہ نفع بخش بھی بنتا ہے اور نفع حاصل بھی کرتا ہے۔

ان سرگرمیوں میں سب سے زیادہ بسیط، ضروری اور اہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ہے، جو معاشرہ کی اصلاح کرتا ہے، نیز اس کیفیت کی طرف بھی اس کی راہ نمائی کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کو قائم رہنا چاہئے۔

قرآن مجید نے شروع ہی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس ادارہ کے قیام کا حکم دیتے ہوئے معاشرہ میں ان تمدنی اداروں کے قیام پر زور دیا تھا، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: {وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُون}[آل عمران:] ۱۰۴ (ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی دعوت دے، معروف کا حکم دے، اور منکر سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں)۔

اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی معاشرہ میں مسلمان اِس "عمل عام" میں شرکت سے گریزاں ہوگا، اس لئے کہ معاشرہ کے بکھراؤ اور خاتمہ کی جانب اٹھنے والا یہ پہلا قدم ہے، اور اس لئے کہ اس کا معاشرہ کی اُن سرگرمیوں پر براہ راست اثر پڑتا ہے جن سے کنارہ کشی اور جن کے تئیں بے رغبتی جرائم، جہالت، پسماندگی اور امن عامہ میں خلل کا سبب بنتی ہے، عمل عام میں اس طرح کی شرکت کسی بھی معاشرہ میں اصلاح کی ان بنیادوں میں سے ایک ہے جن کو اسلام شرعی فریضہ اور حقیقی ضرورت مانتا ہے۔

۳-''مشاركة المرأة في العمل العام'' کا مطلب:

''مشاركة'' کے وسیع مفہوم اور ''العمل العام'' کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کی وضاحت کے بعد عورت اور ''عمل عام'' میں اس کی شرکت کی بابت گفتگو واضح ہو جاتی ہے۔

''عمل عام'' میں عورت کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ کی ترقی میں عورت اپنی علمی، دعوتی، فکری اور ثقافتی صلاحیتوں کو اس طور پر بروئے کار لائے کہ عمل عام میں اس شرکت اور عورت کے مخصوص فرائض کے درمیان مکمل توازن قائم رہے۔

امت مسلمہ اور اس کے ہر فرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی خاص و عام ذمہ داریوں اور اپنے کلی و جزوی فرائض کے درمیان بلا افراط وتفریط توازن قائم رکھے، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: {وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ} [رحمٰن:]۹ (ترجمہ: اور انصاف کے ساتھ وزن کرو اور کم نہ تولو)

عورت کو صرف اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے کہ اگر موقع ملے تو تعلیم حاصل کر لے اور پھر اپنے حاصل کردہ علم سے اپنا رشتہ ختم کرتے ہوئے معاشرہ کو اپنی صلاحیت سے کوئی فائدہ نہ پہنچائے اور معاشرہ کو اس خیر سے محروم رکھے، بلکہ اسے اپنی شرکت کے ذریعہ معاشرہ کی ترقی اور بیداری میں اصل کردار کا ایک حصہ ہونا چاہئے۔

جیسا کہ عمل عام میں عورت کی اس شرکت کے مقاصد پر گفتگو کرتے ہوئے ہم تفصیل کے ساتھ لکھیں گے یہ بات ظاہر ہے کہ عورت کی شرکت کا فائدہ جس طرح معاشرہ کی ترقی اور بیداری کے سلسلہ میں حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس کا نفع خود اس کو ذاتی، عقلی، نفسیاتی، روحانی اور اخلاقی طور پر بھی حاصل ہوتا ہے، کارگہ حیات میں عورت کی یہ شرکت اس کی ذات، شخصیت، عقل روح، اخلاق، رویہ اور معاملات کے فہم کی اس کی استعداد کو اس کے گھر، شوہر، اولاد، لوگوں کے ساتھ اس کے معاملہ، واقعات کو برتنے، معاملات کو سمجھنے نیز مختلف مسائل اور پریشانیوں کے مواقع پیش آنے سے پہلے یا پیش آنے کے بعد عورت کے عمل کے سلسلہ میں بہت مفید بناتی ہے، اس لئے کہ: شنیدہ کے بود مانند دیدہ، اور کتابوں کے اوراق پر مسائل کا حل دریافت کرنے والا اس جیسا کیسے ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کے بیچ عملی زندگی گذار کر ان مسائل کا براہ راست سامنا کیا ہو۔

۴۔مسلم خاتون، مقام ومرتبہ اور ذمہ داریاں:

مردوعورت کے درمیان تعلق کی بابت زبردست غلط فہمی پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ بسااوقات یہ مطالبہ بھی سامنے آتا ہے کہ عورت اور مرد اگرچہ جسمانی، نفسیاتی اور جذباتی طور پر ناقابل انکار حد تک مختلف ہیں لیکن پھر بھی مردوعورت کے درمیان مطلق مساوات قائم کی جائے، دوسری جانب عورت کو حقیر اور بے حیثیت بھی سمجھا جاتا ہے اور اسے انسانیت کے مقام سے گری ہوئی گری پڑی چیز کہا جاتا ہے۔

اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے استاذ محترم ڈاکٹر صلاح سلطان نے اس تعلق کی نوعیت کو ایک کلمہ میں یوں ادا کیا ہے: ''المقام والمهام'' (مقام اور ذمہ داریاں)۔

انہوں نے لکھا ہے کہ مقام ومرتبہ میں ہم (مردوخواتین) یکساں ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاا} (بنی اسرائیل:۷۰) ترجمہ: (یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی، اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں، اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی)۔ یہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ہے، سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے: {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيْمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ ...} (توبہ:۷۱) ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، وہ معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں) یعنی اللہ کی نگاہ میں ہم مرد اور عورت ایک مقام ومرتبہ کے ہیں۔ مردوعورت نماز پڑھیں تو دونوں کو برابر ثواب ملتا ہے۔ اور یہ بات کسی بھی طرح معقول نہیں ہے کہ اس کے برخلاف بات کی جائے۔

جہاں تک ذمہ داریوں کی بات ہے تو چونکہ ہم دونوں میں جسمانی طور پر ایسا فرق پایا جاتا ہے جس کا انکار کوئی مؤمن وکافر نہیں کرسکتا، اور چونکہ ہم دونوں میں نفسیاتی طور پر بھی فرق ہیں، لہٰذا اس فرق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے الگ الگ ذمہ داری ہو، یہ پوری زندگی اسی بنیاد پر قائم ہے کہ اللہ ایک ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ جوڑے جوڑے ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {سُبْحَانَ الَّذِىْ خَلَقَ

الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ} (یس:۳۶) ترجمہ: (وہ ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے، خواہ زہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نفوس ہوں، خواہ وہ چیزیں ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں) مرد وعورت کے درمیان پائے جانے والا یہ فرق تضاد کا نہیں تنوع کا ثبوت ہے۔

لیکن Discrimination (جنسی امتیاز) کی اصطلاح اہل مغرب نے اپنے لٹریچر اور میڈیا میں اسلام پر تیز وتند حملہ کے لئے وضع کی ہے، اس لئے کہ اسلام ان کے نزدیک مرد وعورت کے درمیان امتیاز برتتا ہے، حالانکہ اسلام نے ان دونوں کی بابت جو رویہ اختیار کیا ہے اسے درحقیقت امتیاز کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے، بلکہ وہ مرد وعورت میں سے ہر ایک کو اس کی استطاعت کے مطابق ایسے کام کا ذمہ دار بناتا ہے جس کو وہ بحسن وخوبی انجام دے سکے، یہ فرق تضاد کا نہیں تنوع کا ہے۔

مرد وعورت کے مقام ومرتبہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہم مرد وعورت کے درمیان مکمل مساوات کی بات کہہ سکتے ہیں، اور اسی روشنی میں مذکورہ بالا آیات نیز امام ترمذی کی نقل کردہ حدیث: ''إن النساء شقائق الرجال'' (بلاشبہ خواتین مردوں جیسی ہی ہیں) کو سمجھا جائے گا۔ اور اب ہم ذمہ داریوں پر گفتگو کرتے ہوئے سورۂ آل عمران کی آیت {وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى} ترجمہ: (اور مرد عورت جیسا نہیں ہے) پر کلام کریں گے۔ حضرت مریمؑ کی والدہ نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ اپنے پیٹ میں پل رہے بچے کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردیں گی، پھر جب پیدائش بچی کی ہوئی تو ان کو اپنے تجربہ کی بنیاد پر یہ خیال ہوا کہ مرد عورت جیسا نہیں ہوا کرتا۔ اگر ہم اس آیت کو مقام ومرتبہ سے متعلق مانیں گے تو ہماری رائے دیگر نصوص سے معارض ہوگی، اور یہ تو اصولی طور پر نہایت غلط بات ہے کہ آپ کسی نص کو اس کے سیاق سے بے تعلق کردیں، اور ان دیگر نصوص کو بھول جائیں جنہوں نے مرد وعورت کو بے مثال عزت دی ہے، یہاں تک کہ ایک امریکی نومسلم خاتون کا تو یہ تک کہنا ہے کہ: میرے اسلام لانے کا صرف ایک سبب ہے، اس سے پوچھا گیا ہے کہ وہ سبب کیا ہے، تو اس عورت نے (اور وہ ایک پڑھی لکھی خاتون ہے) کہا کہ میں نے تورات وانجیل سمیت دیگر مذاہب کی بنیادی کتابیں پڑھی ہیں، لیکن مجھے قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب کی ایک عبارت میں بھی یہ بات نہیں ملی کہ

عورت میں بے پناہ خیر ہے، قرآن کہتا ہے: {فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْرا} (نساء: ۱۹) ترجمہ: (اور اگر تم انہیں ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر کا سامان کر دے) (۷)

یہ ایک نہایت مناسب ومفید کلام ہے، جو مسئلہ کو حل کر کے پیچیدگی کو دور کر کے صحیح رخ واضح کر دیتا ہے، اور مرد و زن کے درمیان کسی بھی طرح کے تعصب سے بچتے ہوئے صحیح بات کو سامنے لاتا ہے۔

''مقام اور ذمہ داریوں'' کی اس نہایت مفید تعبیر سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ مرد کے ذمہ اس کے شایان شان کچھ ایسے کام ہیں جو عورت کے لئے کسی بھی طرح مناسب نہیں ہیں، اور اسی طرح عورت کے لئے کچھ ایسے کام اور ایسی ذمہ داریاں ہیں جو مرد کے لئے کی بھی طرح مناسب نہیں ہیں، مرد وعورت کی اپنی اپنی کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے کام نہیں کرسکتا، اسی طرح کچھ ایسے بھی کام ہیں جن کو دونوں انجام دے سکتے ہیں۔

شیخ عباس محمود العقاد کہتے ہیں: ''ہر امت اور ہر زمانہ میں انسانی کاموں کے سلسلے میں مرد وعورت الگ الگ طرح کی صلاحیت کے حامل رہے ہیں، کچھ کام ایسے بھی ہیں جو ایک زمانہ تک عورت نے انجام دیے ہیں، اور وہ ان کی بابت منفرد رہی ہے، مرد اس کے شریک کار نہیں رہے ہیں''۔ (۸)

شیخ بہی الخولی دونوں جنسوں کے کام اور ذمہ داریوں پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''مرد کی ذمہ داریاں یہ ہیں: پروڈکشن، دولت کو ترقی دینا اور رزق کمانا، جب کہ عورت نہایت پر مشقت اور مرد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مقدس نتائج والے عمل یعنی خاندان کی نگہبانی کی ذمہ دار ہے، وہ پہلے اپنے پیٹ میں بچے کو پالتی ہے، پھر اس کو پیدا کر کے دودھ پلاتی ہے، اس کی پرورش و پرداخت کرتی ہے، شوہر کا خیال رکھتی ہے، اس کی تیمارداری کرتی ہے، امور خانہ داری انجام دیتی ہے، عام طور پر خدمت کرتی ہے، سکون، محبت، رحمت اور روحانی ومعاشرتی مامتا کو پروان چڑھاتی ہے، اور اپنی ذاتی وجسمانی محنت کے ذریعہ زوجیت اور مامتا کے تقاضے پورے کرتی ہے، یہ دونوں خود کو ملی ہوئی مخصوص خصوصیات کی وجہ سے اپنے ارادہ اور محنت کی بدولت امت کی روحانی ومادی تعمیر میں سرگرم کردار ادا کرتے ہیں، یہ دونوں جب اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں گے تو امت کی مصلحت مکمل طور پر حاصل ہوگی، اور جب یہ دونوں یا ان میں سے

کوئی ایک بھی اپنی ذمہ داریوں سے روگردانی کرے گا یا اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی صلاحیت سے بے بہرہ رہے گا تو چونکہ معاشرہ کا نصف یا کل حصہ اپنی جہالت، لاپرواہی اور دوسروں سے لاتعلقی کی وجہ سے معطل ہوگا اس لئے معاشرہ یا امت کے سلسلہ میں کسی خیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا''۔(۹)

اور امام ابن حزم نے یہ وضاحت کی ہے کہ احکام شریعت کا روئے خطاب جس طرح مردوں کی جانب ہوتا ہے اسی طرح عورتوں کی جانب بھی ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں: ''ہمارا ماننا ہے کہ آپ ﷺ مردوں کی طرح عورتوں کی جانب بھی مبعوث تھے، اور شریعت اسلامی ان پر بھی ایسی ہی لازمی ہے جیسی کہ مردوں پر، اسی طرح ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ عبادات واحکام کے مخاطب مرد وزن دونوں ہیں، سوائے ان عبادات واحکام کے جن کا کسی دلیل شرعی کے ذریعہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہو، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جن چیزوں میں سب کی شرکت صحیح ہو ان میں سے کسی کام میں صرف مرد کا تنہا ہونا اس وقت تک صحیح نہیں ہے، جب تک کہ نص یا اجماع سے ایسا ثابت نہ ہو۔''(۱۰)

علامہ محمد رشید رضا کہتے ہیں: ''جو شخص بھی اسلام اور اس کے ذریعہ عربوں کی بیداری کی تاریخ سے واقف ہے، اور رسول اکرم ﷺ نیز آپ کے ہاتھوں پر ایمان لائے ہوئے صحابہ کی سیرت سے آشنا ہے وہ دیکھے گا کہ اس عہد کی خواتین ہر فضیلت اور عمل میں مردوں کے دوش بدوش تھیں، وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مردوں ہی کی طرح آپ کے ہاتھوں پر وہ بیعت کرتی تھیں جس کا تذکرہ سورۂ ممتحنہ میں ہے، مرد غزوات میں نکلتے تو وہ بھی جاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتیں، بعض اور اعمال بھی وہ انجام دیتی تھیں، پھر مشیئت خداوندی یہ ہوئی کہ عورتیں گھر کے کاموں کے لئے مخصوص ہو جائیں، اور مرد باہر کے پر مشقت کاموں کے لئے، تاکہ وہ دونوں اپنا عمل اچھی طرح انجام دے سکیں، اور اپنی ذمہ داریوں کا اخلاص کے ساتھ حق ادا کرسکیں۔''(۱۱)

پھر جب حالات میں تبدیلی آئی، اور عورت نے مرد کے لئے مخصوص اعمال میں مزاحمت کی یا اس کے برعکس مرد نے عورت کے ساتھ خاص اعمال میں دخل اندازی کی تو یہ صورت حال فطری آئین سے متصادم تھی۔(۱۲)

اسی لئے علامہ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا تھا: ''مختلف تجربوں (اور بالخصوص اختلاط

والے معاشروں کے تجربوں) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مرد و زن فطرت اور نوعیت میں یکساں نہیں ہیں۔ کتاب وسنت کے واضح نصوص بھی یہی بتاتے ہیں کہ ان دونوں کی فطرت اور ذمہ داریوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ جو لوگ جنس نازک کو مردوں کے مساوی قرار دینے کی باتیں کرتے ہیں وہ ان دونوں کے درمیان کے بنیادی فرقوں سے تجاہل عارفانہ برتتے ہیں۔'' (۱۳)

اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ مرد و زن اصل خلقت میں ہم سر ہیں، کہ دونوں کو اللہ نے ایک ہی جان سے اور اپنی روح کی ایک پھونک سے ہی پیدا کیا ہے، دینی ذمہ داری اور جزاء وثواب میں بھی یکساں ہیں، ہاں بعض شرعی احکام میں استثنائی طور پر عورت مردوں سے الگ ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور جہاد، تمدنی معاملات میں بھی دونوں کے درمیان مساوات پائی جاتی ہے، جیسے ہر طرح کے عقدوں اور بیعوں کو انجام دینا، شریک زندگی کا انتخاب، مکمل و مستقل ملکیت کا حق، اسی لئے شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کے مال وغیرہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے، اسی طرح وہ دونوں تعلیم، کام، زندگی اور آزادی جیسے حقوق میں بھی برابر ہیں۔ (۱۴)

محترم بہی الخولی نے ایک مکمل فصل عورت کی معاشرتی واقتصادی اہلیت کی بابت قائم کی ہے، اور وہ اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ عورت کے شوہر، والد یا اور کسی کو اس کے مال میں تصرف کا اختیار نہیں ہے، اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مال و جائداد کی مالک ہو، بیع وشراء جیسے تمام جائز تصرفات کو انجام دے، اپنے قیام کی جگہ کا انتخاب کرے، وہ اگر کسی غیر مسلم کو بھی پناہ دے تو اس کے تصرف کا احترام کیا جائے گا، اسی طرح اسے پیغام دینے والے کے پیغام کو قبول یا رد کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ (۱۵)

اس طرح اس بات کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی ہے کہ مرد و زن کے درمیان مکمل و مطلق مساوات کو ضروری قرار دینے کے روز وشب نعرے لگائے جائیں (۱۶)۔ اس لئے کہ ایسی مساوات ناممکن الحصول ہے، کیونکہ ان دونوں میں جسمانی طور پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اور ان دونوں کے دائرۂ کار اور ان کی فطرت میں بھی فرق پایا جاتا ہے، یہ دونوں ایسی الگ الگ ذمہ داریوں کے حامل ہیں جو ایک دوسرے کے کاموں میں معاون ہوتی ہیں نا کہ ان کی نقیض ومتصادم، گویا کہ یہ دونوں روز وشب جیسے ہیں کہ ان کے درمیان پائے جانے والا فرق آپسی تصادم کا سبب نہیں تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے، اور

دونوں اپنے کام کرتے ہیں۔

بعض عورتوں کی جانب سے اس مساوات کے مطالبہ کی وجہ بتاتے ہوئے محترم بہی الخولی تحریر فرماتے ہیں: ''مرد کے ساتھ مساوات کے عورت کے مطالبہ کی بنیاد اس کا یہ احساس ہے کہ عورت ہونا مرد ہونے کے مقابلہ میں کم شرف کی بات ہے۔ اس لئے وہ اپنے اس احساس کو زائل کرنے کے لئے اس مساوات کا مطالبہ کرتی ہے''۔(۱۷)

اسی لئے ڈاکٹر محمد عمارہ نے لکھا ہے کہ ''جب مماثلت نسوانیت ومردانگی کے درمیان نہیں بلکہ حقوق وواجبات میں شرکت کی بابت ہوتی ہے تو وہ مرد وزن کے درمیان ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والی ایسی مساوات کا سبب بنتی ہے جو دونوں جنسوں کے درمیان کے فطری فرق کو ختم کر دیتی ہے، دونوں جنسوں میں ایک دوسرے کے تئیں پائی جانے والی رغبت کا یہی راز ہے، اور ہر جنس کی امتیازی خوش بختی کا یہی سبب ہے، یہ مماثلت ان دونوں جنسوں کے درمیان کی ہوتی ہے جو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہوں نہ کہ ایک دوسرے کے لئے متصادم ہوتے ہوں۔''(۱۸)

مندرجہ بالا تمام اقتباسات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مطلق مساوات کا قائل ہونا کائنات کے آئین اور فطرت وخلقت کے تقاضوں کی مخالفت ہے، جس کا آخری انجام فطرت کی کمزوری، صلاحیتوں کے تصادم، معاشرہ کے اضطراب اور کاروانِ زندگی میں خلل پڑ جانے کی صورت میں ہی سامنے آتا ہے، کیونکہ صلاحیتوں اور قوتوں کا استعمال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے طے کردہ قوانین کے مطابق نہیں ہو پا رہا ہے، اور کوئی بھی شخص مخلوق کی فطرت سے اللہ سے زیادہ واقف نہیں ہے، اسی لئے جب کبھی ہم فطرت کے قوانین کو زیر کرنے کی کوشش کریں گے وہ ہمیں زیر کر دیں گے، چاہے زمانہ جتنا ہی آگے بڑھ جائے اور چاہے محدود ذہنیت کے لوگ یہی کیوں نہ سمجھیں کہ یہ بات ترقی وتہذیب کے آئین کے خلاف ایک کوشش ہے، انجام کار یہی ہے اور کچھ نہیں۔

دوسری فصل

خواتین کی شرکت: مشروعیت، ضابطے اور مقاصد

-شرکت کا حکم
-شرکت کے شرعی ضابطے
-ضابطوں کی پرواہ کئے بغیر شرکت کے نقصانات
-شرکت کے مستثنیات
-شرکت کے نتائج اور مقاصد

اس فصل میں ہم احکام شریعت کی روشنی میں کارگہ حیات میں خواتین کی شرکت کے مسئلہ پر گفتگو کریں گے کہ کیا یہ جائز ہے یا ناجائز، اور اگر جائز ہے تو کیا ہمیشہ اس کا ایک ہی حکم رہتا ہے، یا یہ کبھی مستحب اور کبھی واجب بھی ہو جایا کرتی ہے، اور کیا عورت کے لئے ہر طرح کا ''عمل'' جائز ہے، یا پھر شریعت کچھ اعمال کو جائز قرار دیتی ہے او کچھ کو ناجائز، اور عورت کی اس شرکت کے کیا مقاصد ہیں اور معاشرہ پر اس کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں، یہ اور ان جیسے دیگر مسائل اس فصل میں ہماری گفتگو کا موضوع ہوں گے۔

۱-شرکت کا حکم

عورت کی معاشی تگ ودواور اس سلسلے کے مختلف اعمال میں اس کی شرکت کی بابت فقہاء کی آراء مختلف ہیں، ان میں سے ایک تعداد نے حد درجہ احتیاط کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اس کی بابت ممنوعیت کی راہ اختیار کی ہے تو دوسرے توسع کی راہ اپناتے ہوئے جواز کے قائل ہیں، ہمارے نزدیک نقطۂ نظر کے اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں فریق مسئلہ کے الگ الگ پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں، کسی ایک پہلو پر توجہ مرکوز کرنے سے حکم بدل جاتا ہے، مثلاً عورت کے ذریعہ انجام دیے جارہے کام کی نوعیت، اس کام کی عورت کو ضرورت کی کیفیت، عورت کے ذریعہ اس کام کی انجام دہی کی معاشرہ کی ضرورت، ایسے کام کو انجام دینے میں عورت کے ذریعہ شرعی ضوابط کی رعایت کی کیفیت اور عورت کے باہر نکلنے سے اس کی گھریلو ذمہ داریوں کو پہنچنے والا نقصان، وغیرہ۔

شروع ہی میں ہم یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو معاشرہ میں نکل کر معاشی تگ ودو کر کے اپنی اور معاشرہ کی ضرورتوں کی تکمیل نیز معاشرہ کی ترقی میں حصہ لینے سے نہیں روکا ہے، عدم ممانعت کا یہ حکم بالخصوص اس عورت کے لئے ہے جس کے پاس اپنی شادی سے پہلے یا اپنے بچوں کی شادیوں کے بعد فرصت ہو، یا جو بے اولاد ہو یا جو مختلف ذمہ داریوں کو بیک وقت انجام دینے کی خاص صلاحیت رکھتی ہو۔

استاذ محترم ڈاکٹر محمد بلتاجی حسن کہتے ہیں: ''قرآن کریم کی آیات میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو عورت کو اپنے لئے مناسب ایسی ذمہ داری کی انجام دہی سے روکے جس کو وہ کماحقہٗ انجام دے سکتی ہو، ہمارا اختیار کردہ عام اصول یہ ہے کہ مرد وزن کے درمیان اُن معاملات کے علاوہ میں مکمل مساوات پائی جاتی ہے جن کے کسی ایک کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلالت نصوص میں ملتی ہے، قرآن مجید میں ایک بھی ایسا نص نہیں ہے جو عورت کو کسی ایسی ذمہ داری کو اٹھانے سے روکتا ہو جس کی انجام دہی کی صلاحیت

عورت میں بالکل مرد جیسی پائی جاتی ہو، بلکہ اس کے برعکس قرآنی آیات عام امور میں ان دونوں کی شرکت اور عام مصلحت کے حصول کی ان دونوں کی ذمہ داری کا پتہ دیتی ہیں: مثلا ارشاد خداوندی ہے:

{وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ o وَعَدَ اللّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيم} (توبہ: ۷۱-۷۲) ترجمہ: (مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں، او برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اوراس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پراللہ تعالیٰ عنقریب رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ ان مؤمن مردوں اورعورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے ندیاں رواں ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں، اور [اللہ نے ان ایمان والوں سے وعدہ کیا ہے] ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جوان ہیشگی والی جنتوں میں ہیں، اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہوگی، یہی زبردست کامیابی ہے)۔ پہلی آیت میں ایک دوسرے کے ولی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مؤمن مرداورعورتیں مصلحت کے حصول میں ایک دوسرے کے مددگاراورمعاون ہیں۔(۱۹)''

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: ''اسلام نے شوہراور بیوی میں سے ہرایک کے لئے کچھ مخصوص ذمہ داریاں بنائی ہیں، دونوں پر یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے کردار کوانجام دیں تا کہ گھر کے اندراور باہر معاشرہ کی تعمیر اچھی طرح ہوسکے۔ مرد کمائے اورنان ونفقہ کا انتظام کرے، عورت اولاد کی تربیت، شفقت، رضاعت اور پرورش کی ذمہ داری اٹھائے، وہ اعمال انجام دے جو بچوں کی تعلیم، خواتین کے لئے تعلیم گاہوں کے انتظام اوران کے علاج ومعالجہ نیز تیمارداری میں اس کے لئے مفید ہوں، وہ اس کے علاوہ اوربھی ایسے کام کرسکتی ہے جوعورتوں کے ساتھ خاص ہیں، عورت کے ذریعہ گھریلو ذمہ داریوں کوترک کرنے کوگھر اورگھر والوں کا ضیاع ہی مانا جائے گا، اوراس کا لازمی نتیجہ خاندان کا

ظاہری ومعنوی طور پر بکھراؤ ہے، ایسی صورت میں معاشرہ کی شکل وصورت تو باقی رہے گی لیکن اس کی حقیقت نہیں''۔(۲۰)

شیخ ابن باز کے اس کلام پر غور کریے، وہ عورت کے لئے معاشرہ کی سرگرمیوں میں شرکت کو جائز قرار دے رہے ہیں لیکن اس وقت جب کہ کام عورت کے شایان شان ہو اور ایسا ہو جس کو وہ اچھی طرح انجام دے سکے اور معاشرہ کو اس کی ضرورت بھی ہو، لیکن اگر کوئی کام ایسا ہو جس میں عورت کی شرکت مردوں کے مخصوص کاموں میں متصادم ہو تو پھر اس کو شیخ نے ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے کہ وہ عورت کی فطرت کے منافی اور خدا کے قائم کردہ نظام عالم سے بغاوت کا مظہر ہے۔ شیخ کہتے ہیں: ''یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی ساخت مرد کی ساخت سے بالکل جدا رکھی ہے، اسی فطرت کے ذریعہ اللہ نے اسے گھریلو کاموں اور اپنی ہم جنسوں کے درمیان کے کاموں کا اہل بنایا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مردوں کے مخصوص دائرۂ کار میں عورت کی دخل اندازی کا مطلب اسے اپنی فطرت وساخت سے بے تعلق کرنا ہے، یہ عورت کے اوپر ایک بڑا ظلم، اس کی معنوی حیثیتوں کو ختم کرنا نیز اس کی شخصیت کو توڑ کر رکھ دینے والا عمل ہے، اس کا اثر اگلی نسل کے تمام بچوں پر پڑے گا، اس لئے کہ وہ تربیت اور شفقت مادری سے محروم ہو جائیں گے، اس لئے کہ یہ سارے کام ماں انجام دیتی ہے، اور اسے اس کی اس مملکت سے بے دخل کر دیا گیا ہے جس کے علاوہ کہیں اور اس کے لئے راحت وسکون ممکن ہی نہیں ہے، اس صورت حال میں مبتلا معاشروں کے حالات ہمارے اس دعوے کی واضح ترین دلیل ہیں۔''(۲۱)

اس کلام میں عورت کے کام کے ضابطوں اور ترجیحات کی رعایت پائی جاتی ہے، اس کی مزید وضاحت اگلے مبحث میں آئے گی۔

علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے وضاحت کی ہے کہ عورت کا وہ اولین اور عظیم ترین کام، جس میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، تربیت اولاد ہے، اس کام کے لئے اللہ نے اسے جسمانی اور نفسیاتی طور پر تیار کیا ہے، اور یہ ضروری ہے کہ اس عظیم کام سے اسے کوئی مادی یا ادبی کام غافل نہ کرے، اس لئے کہ اس عظیم کام کو عورت کی جگہ کوئی اور انجام نہیں دے سکتا اس کے اس عمل پر ہی امت کا مستقبل

موقوف ہے، اور اسی کے ذریعہ امت کا عظیم ترین سرمایہ یعنی انسانی سرمایہ وجود میں آتا ہے، یہی حال گھر کی نگہبانی کی بابت اس کے کام کا بھی ہے۔

پھر شیخ نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گھر کے باہر عورت کا کام شرعی طور پر حرام ہے۔ اس لئے کہ صحیح طور پر ثابت اور صریح دلالت کرنے والے نص شرعی کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دینے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہے، عادی تصرفات واشیاء میں اصلی حکم اباحت کا ہے۔

شیخ کہتے ہیں: اس بنیاد پر عورت کا کام کرنا فی ذاتہ جائز ہے، اور ضرورت کے موقع پر مستحب وواجب بھی ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی خاتون بیوہ یا مطلقہ ہو اور اس کا کوئی سہارا نہ ہو.... بسا اوقات خاندان کو اس کے کام کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے شوہر کا تعاون، اولاد یا چھوٹے بھائیوں کی تربیت، یا کبرسنی میں والد کی مدد...اور کبھی معاشرہ کو اس کے کام کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے عورتوں کا دوا علاج اور ان کی تیمار داری نیز لڑکیوں کی تعلیم وغیرہ۔(۲۲)

یہ کلام جو عورت کی اپنی یا اس کے خاندان اور معاشرہ کی ضرورت کے اعتبار سے عورت کے کام کو جائز، مستحب اور واجب بتاتا ہے، ہمارے اس نظریہ کی تصدیق کرتا ہے جس کو ہم نے اپنی اس گفتگو کے آغاز میں ذکر کیا تھا، یہ نہایت انصاف وحقیقت پسندانہ کلام ہے، جو شریعت اور حالات پر یکساں نظر رکھتے ہوئے ان دونوں کے تقاضوں کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔

''تحریر المرأۃ في عصر الرسالۃ'' کے مصنف شیخ عبد الحلیم ابوشقہ نے صرف صحیح احادیث میں سے تین سو ایسی دلیلیں پیش کی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی زندگی میں عورتوں کی شرکت شریعت کی نگاہ میں ممنوع نہیں ہے۔(۲۳)

فقہ اکیڈمیوں اور شرعی اداروں نے یہی رائے اختیار کی ہے، مثلاً المجلس الأوربي للإفتاء والبحوث نے اپنی تجویز میں تحریر کیا ہے کہ: ''مجلس نے عورت کو اسلام کے عطا کردہ امتیازی مقام کو واضح کیا ہے، کہ اسلام نے عورت کو مرد کا جیسا بتاتے ہوئے شرفِ انسانیت میں اس کے ہم مرتبہ اور حقوق وواجبات کی تکمیل کی بابت خداوندی امانت میں اس کے ہم سر بتایا ہے {وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ} (بقرہ:۲۲۸) ترجمہ: (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں

معروف کے مطابق) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قدیم زمانے سے عورت افراط وتفریط کے مختلف مظالم کا شکار رہی ہے، کارگہ حیات میں خواتین کی شرکت کے حوالہ سے مجلس نے یہ واضح کیا ہے کہ عورت کو اسلامی مراکز اور رفاہی اداروں کی تأسیس اور ان کے نظام چلانے میں شرکت کرنے یا مکمل طور پر انجام دینے کا حق حاصل ہے، بلکہ کبھی کبھی یہ حق وجوب کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، تاکہ عورت مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بالخصوص مسلم یا غیر مسلم خواتین کو دعوت دے سکے اور انہیں خدمات فراہم کر سکے۔ اسی طرح اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اسلامی زندگی کے آغاز کی نیت سے تنظیمی اعمال میں شرکت کر سکے، وہ سیاسی عمل میں حصہ لے کر کسی کو منتخب بھی کر سکتی ہے اور خود کو بھی انتخاب کے لئے پیش کر سکتی ہے، لیکن ان سارے اعمال کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ تمام حالات میں شریعت اسلامی اور اس کے تقاضوں کے موافق ہوں۔(۲۴)

اللجنة الدائمة للإفتاء و البحوث سے عورت کے کام کرنے نیز اس کے لئے جائز میدان ہائے کار کی بابت دریافت کیا گیا، تو اس نے جواب دیا کہ: ''عورت کے کام کرنے کے جائز ہونے کے سلسلے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، لیکن اصل موضوع گفتگو یہ ہے کہ اس کا میدان کیا ہے، اس کی بابت تفصیل یہ ہے کہ وہ ایسے تمام کام کرے گی جو اس کی جیسی خواتین شوہر کے گھر میں کرتی ہیں مثلاً کھانا پکانا، آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، جھاڑو لگانا، کپڑے دھونا اور وہ تمام کام جو خاندان میں اس کے مناسب حال ہوں، اس کو تدریس، بیع وشراء اور کپڑے بننے، رنگنے نیز سینے جیسے کام کرنے کی بھی اجازت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اعمال شریعت کی نگاہ میں ناجائز امور کا سبب نہ بنیں، جیسے اجنبی مرد کے ساتھ خلوت، نامحرم مردوں کے ساتھ ایسا اختلاط جو فتنہ کا باعث ہو، خاندان کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہ کر پانا اور کسی قائم مقام کا انتظام نہ ہو پانا، نیز اہل خانہ کی مرضی نہ ہونا''۔(۲۵)

یعنی نصوص شریعت میں سے کوئی ایک نص بھی عورت کو معاشی وسماجی سرگرمیاں اختیار کرنے یا ان میں مرد کے ساتھ شرکت سے نہیں روکتا ہے(۲۶)، جن لوگوں نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے انہوں نے فی نفسہ ان سرگرمیوں کو حرام نہیں قرار دیا ہے، بلکہ درحقیقت شرعی ضابطوں اور فقہی قاعدوں کی رعایت نہ پائے جانے نیز عورت کی فطرت کا خیال نہ رکھنے یا مرد کے لئے مخصوص اعمال میں دخل

اندازی کرنے یا پھر زیادہ ضروری ذمہ داریوں کو پس پشت ڈالنے کے نتیجہ میں پیش آنے والے نتائج کی وجہ سے اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

ممتاز مجاہد ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے رائے دہندہ وامیدوار کی حیثیت سے عورت کے جمہوری حق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''صریح اسلامی نصوص میں سے کوئی ایک بھی نص جمہوری عمل کے لئے عورت کی اہلیت سے تشریعی طور پر انکار نہیں کرتا ہے، لیکن جب ہم ایک اور ناحیہ سے اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اسلامی اصول وقواعد اس جمہوری حق کے استعمال سے اس کو روکتے ہیں، اس لئے نہیں کہ عورت اس کی اہل نہیں بلکہ بعض دیگر سماجی مصالح کی بنا پر، مثلاً خاندان کی نگہبانی عورت پر یہ لازم کرتی ہے کہ وہ اس کام کے لئے مکمل طور پر فارغ ہو اور کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔ اجنبیوں کے ساتھ عورت کا اختلاط بالخصوص اجنبی مرد کے ساتھ خلوت اسلام میں حرام ہے۔ چہرے اور ہاتھ کے علاوہ کسی حصہ کو کھولنا اسلام کی نگاہ میں ناجائز ہے۔ بغیر کسی محرم کے شہر سے باہر کے سفر کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے''.... یعنی عورت کی صلاحیتوں کی وجہ سے اسلام نے عورتوں کو جمہوری نمائندگی سے نہیں روکا ہے، لیکن چونکہ اس جمہوری نمائندگی کی نوعیت اور اس کے تقاضوں کی وجہ سے عورت بہت سے حرام کاموں پر مجبور ہوگی اس لئے اسلام اس کو ممنوع قرار دے گا۔''(۲۷)

یعنی شیخ سباعی کے نزدیک عورت کی عدم اہلیت یا کوئی نص شرعی عورت کے لیے ایسے عمل کو ممنوع قرار نہیں دیتا، لیکن ممانعت کا سبب ان کے نزدیک ایسی خواتین کے ساتھ عام طور پر اختیار کیا جانے والا طرز عمل نیز وہ کام ہیں جو ان کے نزدیک عورت پر تھوپے جاتے ہیں، یا پھر یہ عمل ایسی دیگر بنیادی ذمہ داریوں سے معارض ہونے کی بنا پر ممنوع ہے جن پر کسی اور کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے، اسی لئے ان کے نزدیک عورت کے لئے یہ کام فی نفسہ حرام نہیں ہے، بلکہ حرمت کا سبب خارجی ہے۔

محترم سالم البھنساوی نے ڈاکٹر سباعی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''لیکن ہمارے نزدیک ڈاکٹر سباعی نے جن حرام امور کا تذکرہ کیا ہے وہ اس کام کی نوعیت سے تعلق نہیں رکھتے ہیں اور نہ ان کا تقاضہ یہ کام کرتا ہے، بلکہ یہ لوگوں کا اپنا عمل اور ان کے فاسد عرف کا نتیجہ ہے...اور کتاب وسنت میں جن چیزوں کو حرام قرار نہ دیا گیا ہو ان کو حرام قرار دینا صحیح نہیں ہے، ہاں ولی الامر کسی زمانہ میں اس حق کو

مردوں کے ساتھ خاص کرسکتا ہے''۔(۲۸)

جو لوگ حرمت کے قائلین کے اقوال کو اختلاط کے ذرائع اور ان مفاسد سے بچنے پر محمول کرسکتے ہیں جن کا سبب شرعی ضابطوں کی عدم رعایت بنتی ہے، اسی وجہ سے ہم اگلے صفحات میں اس شرکت کے ضابطوں پر گفتگو کررہے ہیں۔

۲-شرکت کے شرعی ضابطے

سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت فی اصلہ جائز ہے، اس لئے کچھ ایسے ضوابط وقواعد ضرور ہونے چاہئیں جو اس شرکت کے مصالح کو مفاسد سے محفوظ رکھیں۔

ہمارے فقہاء نے ان ضابطوں کی تحدید کردی ہے جن کی پابندی معاشرہ کی سرگرمیوں میں شریک عورت کے لئے لازم ہے، مثلاً شیخ یوسف القرضاوی کہتے ہیں: ''ہم عورت کی معاشی وسماجی سرگرمی کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن اسے چند شرطوں کا پابند ہونا چاہئے:

۱- اس کے ذریعہ انجام دیا جارہا کام فی نفسہ مشروع ہو، یا اس کا کام نہ فی نفسہ حرام ہو اور نہ کسی حرام کام کا سبب بنتا ہو، جیسے کوئی عورت غیر شادی شدہ مرد کی خادمہ ہو، یا کسی آفیسر کی سکریٹری ہو اور اس کا کار منصبی اس بات کا تقاضا کرتا ہو کہ ان دونوں کے درمیان خلوت پائی جائے، یا کوئی عورت رقص کرکے جنسی خواہشات کو بھڑکاتی ہو، یا پھر کسی شراب خانہ میں ملازم ہو اور لوگوں کو وہ شراب پیش کرتی ہو جس کے ساقی، لانے والے اور بیچنے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، یا پھر ایرہوسٹس ہو، مسکرات پیش کرتی ہو اور بنا محرم کے دور دراز سفر کرتی ہو، نتیجۃً اسے دیار غیر میں تنہا رہنا پڑے، یہ اور ان جیسے وہ تمام اعمال حرام ہیں جو اسلام نے صرف مردوں کے لئے یا مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے حرام قرار دیے ہیں۔

۲- گھر سے باہر نکلے تو کپڑوں، چال چلن، گفتگو اور حرکات وسکنات میں مسلم عورت کے لئے اللہ سبحانہ وتعالی کے طے کردہ آداب کی پابندی کرے: { **وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** } (نور:۳۱) ترجمہ: (اور مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جو از خود ظاہر ہو) { **وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن**

زِيۡنَتِهِن } (نور:۳۱) ترجمہ: (اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے)۔{فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلاً مَّعۡرُوفاً} (أحزاب: ۳۲) ترجمہ: (تو نرم لہجے سے بات نہ کرو، کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے، اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو)۔

۳-عورت کا یہ کام ان دیگر ذمہ داریوں کی قیمت پر نہ ہو جن سے غفلت کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے، جیسے شوہر اور اولاد کے تئیں اس کی ذمہ داری جو کہ اس کی اولین ذمہ داری اور اس کا بنیادی کام ہے۔'' (۲۹)

استاذ محترم عصام البشیر نے ان ضابطوں کی تعداد سات بتائی ہے:

۱-شرعی لباس: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ...} (نور:۳۱) ترجمہ: (اور عورتیں اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں، اور اپنی آرائش کو سوائے اپنے شوہروں... کے کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں)۔ایک اور موقع پر ارشاد ہے: {وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡأُولَى} (احزاب؛ ۳۳) ترجمہ: (اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو) لہذا عورت کو چاہئے کہ وہ باوقار، ساتر اور ایسا ڈھیلا لباس پہنے جو کتب فقہ میں بیان کردہ زینت کے تحت نہ آتا ہو۔

۲- نگاہیں نیچی رکھنا: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: { قُل لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوا مِنۡ أَبۡصَارِهِمۡ وَيَحۡفَظُوا فُرُوجَهُمۡ ذَلِكَ أَزۡكَى لَهُمۡ إِنَّ اللَّهَ خَبِيۡرٌ بِمَا يَصۡنَعُون وَقُل لِّلۡمُؤۡمِنَاتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ أَبۡصَارِهِنَّ وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوجَهُن} (نور:۳۰-۳۱) ترجمہ: (مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لئے پاکیزگی کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے تمام کاموں سے اچھی طرح واقف ہے، اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔)

۳-مردوں سے الگ رہنا اور اختلاط سے بچنا: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو فوراً عورتیں مسجد سے باہر نکلتیں، اور آپ تھوری دیر بعد اٹھتے،

امام زہری کہتے ہیں: میرے نزدیک (واللہ اعلم) آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر اس لئے بیٹھے رہتے تھے تاکہ مردوں کے پیچھے پہنچنے سے پہلے عورتیں باہر نکل جائیں''۔ اس کی تائید رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ'' ہمیں (مسجد کے) اس دروازہ کو عورتوں کے لئے خاص کر دینا چاہئے''۔

۴-خلوت سے اجتناب: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: '' کوئی مرد کسی عورت سے تنہا نہ ملے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو''۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: '' اس میں اجنبی خاتون کے ساتھ خلوت کی ممانعت ہے اور اس پر اجماع ہے، لیکن علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا کوئی غیر محرم محرم کا قائم مقام ہوسکتا ہے جیسے قابل اعتبار خواتین؟ قول صحیح جواز کا ہے اس لئے کہ ایسی صورت میں تہمت کا شبہ کمزور ہوجاتا ہے''۔

۵- ملاقات کے ماحول کا سنجیدہ ہونا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفا} (أحزاب: ۳۲) (اور معروف طریقہ پر گفتگو کرو) اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان گفتگو کا موضوع معروف کی حدود میں رہے منکر کو شامل نہ ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ملاقات کے اسباب سنجیدہ و پاکیزہ ہوں۔

۶- اگر شوہر مقیم ہے مسافر نہیں تو داخلہ کے لئے شوہر کی اجازت کا واجب ہونا: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کے موجود ہوتے ہوئے بنا اس کی اجازت کے روزہ رکھے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی اور کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت دے۔

۷- سماجی و معاشی تگ ودو کے لئے عورت کے باہر نکلنے سے اس کے شوہر، گھر اور بچوں پر آنچ نہ آتی ہو، یعنی معاشی سرگرمی میں شرکت ایک بیوی اور ماں ہونے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریوں کی انجام دہی سے مانع نہ ہو، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: '' اونٹ پر سوار ہونے والی خواتین میں قریش کی صالح خواتین سب سے بہتر ہیں....وہ بچے کے بچپن میں اس سے سب سے زیادہ شفقت کرتی ہے، اور شوہر کے مال کا سب سے زیادہ خیال رکھتی ہیں،'' گھر کے اندر اور باہر کے کاموں

کے درمیان توازن قائم رکھنے کی کوشش لازمی ہے۔(۳۰)

محترم بہی الخولی نے دو اصولوں کا تذکرہ کیا ہے، کہ جب ان کا خیال رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا تو فطرت وشریعت کے حکم کی بابت کوئی غلطی نہیں ہوگی، وہ کہتے ہیں: ''۱-عمل فی ذاتہ مشروع ہو، یعنی اس کے وقت، فکر اور وجدان کے اتنے حصے پر حاوی نہ ہو کہ اس کی خصوصیات اور فطری ذمہ داری کے تقاضوں کے لئے اس کے پاس گنجائش نہ چھوڑے۔ ۲-صنف نازک کو پیدا کرنے سے جو بلند روحانی ومعاشرتی مقاصد اللہ تعالیٰ کے پیش نظر تھے ان کے حصول کے لئے گھر فطری جگہ ہے، اور اس کے لئے کسی مصلحت کے بغیر اس سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے....ان دونوں اصولوں میں رہتے ہوئے وہ گھر کے اندر اور باہر، سفر میں اور حضر میں، اجرت کے ساتھ اور بلا اجرت کے ہر کام انجام دے سکتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ وہ اپنے لباس، اپنی زینت اور چال چلن میں شریعت کے اصولوں پر کاربند رہے اور خلوت سے اجتناب کرے۔(۳۱)

ان ضابطوں پر ایک نظر:

ان ضابطوں اور شرطوں میں سے اگر کوئی ایک ضابطہ اور شرط بھی نہیں پائی جاتی ہے تو عورت کے لئے سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں شرکت صحیح نہیں ہوگی، اور جس قدر ضابطوں اور شرطوں پر عورت کی اس حصہ داری سے آنچ آتی جائے گی حرمت میں مزید شدت پیدا ہوتی جائے گی۔

اس موقعہ پر ایک اشکال سامنے آتا ہے، یہ اشکال تجدد پسندوں کی جانب سے مسلسل اٹھایا جاتا ہے کہ ان تمام شرطوں اور قیدوں کے ساتھ عورت کس طرح معاشی سرگرمی اختیار کر سکے گی، اور وہ آزادی کہاں ہے جو عورت کو ایک متمدن ومہذب معاشرہ میں ملنی چاہئے؟ ان قیدوں کے پابند رہتے ہوئے تو عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ گھر میں رہے باہر نہ نکلے۔

اس اشکال کا آسان سا جواب یہ ہے کہ:

۱-اسلام کے ہر حکم کی بابت ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اس میں مسلمانوں کے لئے مکمل خیر ومصلحت ہے، اور اگر ہم یہ ایمان نہیں رکھتے ہیں تو پھر گفتگو کا دوسرا مقام ہے۔

۲-ایک بات یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ان ضابطوں کی تشکیل سے اسلام کا مقصد یہ ہے کہ وہ عورت کی عفت، شرافت، خوش نامی اور کردار کی حفاظت کرے، اور اس کی فطرت ونسوانیت کو کسی بھی طرح کے تغیر وزوال اور مردوں کی مشابہت سے محفوظ رکھے، اور ان ضابطوں کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں یہ سارے مفاسد اس تک اس طرح پہنچ جاتے ہیں کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

اسی وجہ سے سالم البھنساوی کہتے ہیں: ''یہ اخلاقی ضابطے فطرت سلیمہ کا مظہر ہیں، تمام مذاہب میں یہ پائے جاتے ہیں، اور قرآن مجید نے انسانیت، سلیقہ اور اعلیٰ اقدار کے قواعد کو مزید پختہ کیا ہے، اس لئے کہ یہ قواعد ہی انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتے ہیں''۔(۳۲)

ایک اور مقام پر موصوف لکھتے ہیں: عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور معاشی سرگرمیوں میں شریک ہونے کے جو ضابطے اسلام نے وضع کئے ہیں ان کا مقصد عورت اور معاشرہ کی مصلحت کا حصول ہے، معاشرہ اور خاندان میں عورت کی اہمیت یا اس کے کردار کو کم کرنا ان ضابطوں سے مقصود نہیں ہے، اسی لئے عہد نبوت کی مسلم خواتین مردوں کی طرح حدیثیں روایت کرتی تھیں، اور جنگوں نیز غزوات میں اپنا کردار ادا کرتی تھیں۔''(۳۳)

۳-اس سب سے اسلام کا مقصد یہ ہے کہ وہ مردوں کی مردانگی، فطرت اور خصوصیات کی حفاظت کرے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کی فطری خصوصیات زائل ہو جائیں، اور مرد وزن کی فطرت میں ایک دوسرے کے اثرات سرایت کر جائیں، پھر نہ مرد مرد بچیں اور نہ عورتیں عورتیں رہیں، اسی لئے اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر نوع اپنی خصوصیات اور فطرت کی حفاظت کرے، امام نسائی نے اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عباس کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مخنثوں پر لعنت بھیجی اور کہا کہ ''ان کو اپنے گھروں سے نکال دو''۔ نتیجۃً رسول اللہ ﷺ نے فلاں کو اور حضرت عمرؓ نے فلاں کو نکال دیا۔(۳۴)

۴-اگر اسلام نے مطلق طور پر عورت کو سماجی ومعاشی سرگرمی سے روکا ہوتا تو وہ حضرات اس پر چیخ پڑتے جو اپنے نعروں سے دین، زبان اور سورج چاند کو بھی بدل دینا چاہتے ہیں، لیکن اسلام کسی کی خواہشات کا اتباع نہیں کرتا ہے، اس نے عورت کو معاشی سرگرمیوں کی اجازت دی ہے، لیکن ایسے ضابطوں کے ساتھ جو عورت کی نسوانیت اور مرد کی مردانگی کی حفاظت کریں، اور معاشرہ کے لئے ترقی،

اور پاکیزگی کے ضامن ہوں۔

۵- پوری دنیا میں ایک بھی ایسا ادارہ، کمپنی، تعلیم گاہ اور تمدنی ڈھانچہ نہیں ہے جہاں ''مکمل آزادی'' پائی جاتی ہو، یعنی اس لیلائے خیال کا وجود ہے ہی نہیں، یہاں تک کہ اس امریکہ میں بھی نہیں جس نے آزادی کے نشان کے طور پر ایک اسٹیچو (Statue of Liberty) قائم کر رکھا ہے، وہاں بھی بدترین ظلم، استبداد، منفعت پرستی اور دنیا کے مختلف حصوں کے لئے دو مختلف معیار پائے جاتے ہیں، یعنی کہیں بھی مطلقاً حریت نہیں پائی جاتی ہے، ہاں اس شرط کے ساتھ پائی جاسکتی ہے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اور اس سے مقصد تمام انسانوں کے مصالح کا حصول ہو، تا کہ دوسرے لوگ بھی اپنے حصہ کی آزادی حاصل کر سکیں، ورنہ دنیا افراتفری کی شکار ہو جائے گی، اور چنداں مفید نہیں رہے گی، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے کہ: ''میری آزادی وہاں پر ختم ہو جاتی ہے جہاں سے دوسروں کی آزادی شروع ہوتی ہے''۔

۳-ضابطوں کی پرواہ کئے بغیر
سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے نقصانات

جس طرح پچھلے صفحات میں ہم نے شرعی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے مصالح پر روشنی ڈالی تھی، اسی طرح تصویر کے اس دوسرے رخ پر غور کرنا بھی ضروری ہے جس سے مرد کے کاموں کو عورت کے ذریعہ انجام دینے یا ان شرعی ضابطوں کی پرواہ کئے بغیر کسی بھی معاشی سرگرمی میں عورت کی شرکت سے خود اسے اور دوسروں کو پہنچنے والے نقصانات واضح وعیاں ہوتے ہیں۔

۱-ان نقصانات میں سے سب سے زیادہ عظیم نقصان مسلم خانوادہ کی تباہی ہے، اس لئے کہ اگر عورت چھوٹے بچوں کی پرورش کرتی ہو، یا اس کی معاشی وسماجی سرگرمی سے اس کے گھر یا شوہر کو نقصان پہنچے یا اس کے باہر نکلنے پر شوہر کو اشکال ہو اور ایسی صورت میں عورت اگر شوہر یا ولی الأمر کی خواہش کا خیال نہ رکھے تو یقیناً خاندان بکھر جائے گا، اور اگر نہیں بکھرا تو اور سب کچھ ہو جائے گا، خاندان معاشرہ کی اہم ترین بنیاد ہے، اور معاشرہ ہی کی خاطر عورت معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کرتی ہے، یعنی جس معاشرہ کے فائدے کی خاطر عورت نے یہ شرکت کی تھی اسی کو اب نقصان پہنچے گا۔

۲-ان نقصانات میں سے ایک عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتیوں کی کثرت اور زنا کا عام ہونا بھی ہے، اس لئے کہ اگر عورت شرعی لباس کی پابند نہیں رہے گی تو یہ لباس دوسروں کو اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور ہر وہ ذریعہ اختیار کرنے پر ابھارے گا جو بدکرداری کا سبب بنے۔

۳-عورت اگر شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے گی، یا شریعت کا حرام کردہ کوئی کام کرے گی یا شرعی ضابطوں کی پرواہ نہیں کرے گی تو ایسی صورت میں وہ حکم خداوندی کو توڑنے کے گناہ کا

ارتکاب کرے گی۔ اور یہ وہ نقصان ہے جس کی بابت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴-عورت اگر اپنی فطرت سے ہم آہنگ اعمال نہیں کرے گی تو اپنی نسوانیت کھو بیٹھے گی اور خود اپنی فطرت سے لڑے گی، اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ وہ ان دائرہ ہائے کار کی پابندی نہیں کر رہی ہے جن کو شریعت نے اس کے لئے مستحسن قرار دیا ہے، اور ان دائرہ ہائے کار سے اپنے آپ کو وابستہ کر رہی ہے جن سے شریعت نے اسے روکا ہے۔

۵- جرائم کی کثرت کے نتیجے میں معاشرہ کے امن کو خطرہ اور استحکام کا باقی نہ رہنا، اسی لئے مشہور امریکی خاتون صحافی ہیلیسن اسٹانسبری نے مصری یونیورسٹیوں کو دیکھنے کے بعد کہا تھا: ''اس معاشرہ کو چاہئے کہ وہ اپنے دین اور اپنی روایات کو مضبوطی سے پکڑے رہے، ہماری (مغرب کی) اقدار آج معاشرہ اور خاندان کے لئے خطرہ بنی ہوئی ہیں، اپنے یہاں اختلاط مرد وزن کو ممنوع قرار دے دیجئے اور لڑکیوں کی آزادی کو حدود آشنا کیجئے، اس لئے کہ ہمارے یہاں کی آزادی نے ہمارے یہاں کے لوگوں کو جرائم پیشہ اور نشہ آور اشیاء استعمال کرنے والے گروپس میں تبدیل کر دیا ہے۔'' (۳۵)

شیخ ابن باز کا جو اقتباس ہم نے اوپر نقل کیا ہے اسی جیسا کلام شیخ یوسف القرضاوی نے بھی کیا ہے، انہوں نے مردوں کے مخصوص کاموں میں عورت کے بالخصوص بلا حدود قیود شریک ہونے کے نقصانات کا تذکرہ کیا ہے جو یہ ہیں:

۱-خود عورت کو پہنچنے والا نقصان: اس صورت میں عورت اپنی نسوانیت اور اپنی خصوصیات سے محروم ہو جاتی ہے، بلکہ اپنے گھر اور بچوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔

۲-شوہر کو پہنچنے والا نقصان: کہ وہ سرچشمۂ انس ومحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔

۳-اولاد کو پہنچنے والا نقصان: کہ ماں کی شفقت، محبت اور نگرانی کی تلافی کوئی خادم یا مدرسہ نہیں کر سکتا۔

۴- مردوں کو پہنچنے والا نقصان: اس لئے کہ کام کرنے والی ہر خاتون اس کام کے لئے مناسب مرد کی جگہ لے لیتی ہے۔

۵-خود اس کام کو پہنچنے والا نقصان: اس لئے کہ فطری عارضوں کی وجہ سے عورت بہت ناغے

کرے گی۔

۶- اخلاق کو پہنچنے والے نقصان: کہ عورت حیاء کھو بیٹھے گی، مرد غیرتِ مرداں سے بے بہرہ ہو جائے گا، اور بچے بچپن سے ہی اچھی تعلیم و تربیت کو نہ پا سکیں گے، اور معاشرہ کا مقصد اعظم صرف مال کمانا رہ جائے گا۔

۷- معاشرتی زندگی کو پہنچنے والا نقصان: اس لئے کہ فطرت سے بغاوت اور فطرت کے تقاضہ کے خلاف کسی چیز کے استعمال سے زندگی کا ناس لگ جاتا ہے اور زندگی خلل و اضطراب کا شکار ہو جاتی ہے۔(۳۶)

شیخ قرضاوی کے ذکر کردہ ان نقصانات میں سے نمبر چار سے ہمیں اختلاف ہے جو یہ بتاتا ہے کہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے سے مردوں کو نقصان پہنچے گا، اس لئے کہ سماجی و معاشی سرگرمی اختیار کرنے والی عورت کام کے لئے مناسب کسی مرد کی جگہ لے گی، اس حصہ پر نظر ثانی یا تفصیل کی ضرورت ہے، اس لئے کہ کام، پیشے اور سرگرمیوں کی کوئی حد نہیں ہوا کرتی ہے، ورنہ چین جیسے جن ملکوں کے شہریوں کی تعداد اربوں میں ہے وہاں کیا ہوتا؟ ہاں یہ بات مردوں کے ساتھ مخصوص اعمال کے سلسلے میں کہی جاسکتی ہے جیسے صحراؤں میں کئے جانے والے پر مشقت کام، یا ان اعمال کے سلسلے میں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے جن سے عورت کی نسوانیت یا امن کو خطرہ لاحق ہونے کا ڈر ہو، ان کے علاوہ دیگر اعمال میں ہم اس جزئیہ کے سلسلے میں شیخ سے اتفاق نہیں کر سکتے، اس لئے کہ عورت کے لئے معاشی سرگرمی کی اجازت کی بنیاد اہلیت پر ہے جنس پر نہیں، بلکہ بعض کاموں کے سلسلے میں عورتوں کو مردوں پر فوقیت حاصل ہے۔

محترم بہی الخولی نے عورت کی سماجی و معاشی سرگرمیوں اور اس کی صلاحیتوں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ عورت کے کارگہ حیات میں اترنے سے مردوں کے لئے مواقع کم ہو جائیں گے، بلکہ ہماری مراد مفید صلاحیتوں کے معیار کی وہ کمی ہے جو اس لئے وجود میں آتی ہے کہ کاموں کو ان کے لئے مناسب صلاحیتوں کے افراد نہیں مل پاتے اور دوسرے وہ لوگ ان کاموں کے ذمہ دار بن جاتے ہیں جو ان جیسے مفید و نافع نہیں ہوتے ہیں۔(۳۷)''

شرعی ضابطوں کی پیروی کئے بغیر ان سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کے نقصانات کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم اس موقع پر شیخ زکی علی السید ابوعضہ کی کتاب "مساوئ تحرر المرأة في العصر الحديث" کی فصلوں کے عناوین ذکر کردیں، (۳۸) یہ کتاب مندرجہ ذیل سولہ فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو مودت ومحبت سے بھی محروم ہوجاتی ہے، عورت کی نفسیاتی ساخت پر اس کے باہر نکلنے کے اثرات نیز گھر، شوہر اور اولاد کی بابت اس کی ذمہ داریوں پر مرتب ہونے والے نتائج پر بھی اس فصل میں کلام کیا گیا ہے۔

دوسری فصل میں انہوں نے عورت کے باہر نکلنے کی صورت میں اجنبی خادمات سے کام کرانے نیز اولاد اور شوہر کی خبر گیری میں ان خادمات کے عورت کے قائم مقام ہونے کے نقصانات پر گفتگو کی ہے، اور بچوں کی تربیت پر اس کے اثرات واضح کئے ہیں۔

تیسری فصل میں انہوں نے یہ نقصان بھی ذکر کیا ہے کہ عورتوں کی معاشی سرگرمیوں کے نتیجہ میں مردوں کے لئے مواقع کم ہوجائیں گے (اس پر ہم نے اپنی رائے شیخ یوسف القرضاوی کے کلام پر اپنے تبصرہ میں پیش کردی ہے) اور عورتیں بنا شادی کے رہ جائیں گی، اور یہ سب کچھ "مکمل مساوات" جیسے خوش منظر سلوگنس کے زیر سایہ ہوگا۔

چوتھی فصل میں انہوں نے کھیل کی ٹیموں کے نتائج پر اثر انداز ہونے کی آزاد عورروں کی سازش کا تذکرہ کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ عورتیں عالمی ومقامی شخصیات کے مستقبل کو کس طرح ضائع کرتی ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے بعض جدید نسوانی کھیلوں کے نتائج پر بھی گفتگو کی ہے۔

پانچویں فصل میں انہوں نے بہت تفصیلی کلام کیا ہے، اس لئے کہ اس فصل کا موضوع: "ہر طرح کا جنسی شذوذ" نوع انسانی کے اخلاق اور صحت کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔

ساتویں فصل میں مؤلف نے عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور اولاد کی تربیت نہ کرنے کے نتائج پر گفتگو کی ہے۔

آٹھویں فصل میں وبا کی صورت اختیار کرچکی عرفی شادیوں (Customary

(marriages) پر گفتگو کی ہے، جو درحقیقت سری زنا ہے۔

نویں فصل میں معاشرہ کے امن وامان کے لئے خطرہ بن رہے اغوا کاری کے مسئلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ مسئلہ عورت کی آزادی وسرکشی کا نتیجہ ہے۔

دسویں فصل میں مصنف نے نام نہاد آزادی نسواں کے نتیجہ میں سامنے آنے والے جنسی مسائل کے حل کے لئے اس کے علمبرداروں کی کوششوں پر گفتگو کی ہے، آزادی نسواں کے یہ علم برداران مسائل کے حل کے لئے اسقاط حمل کی اجازت دیے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

گیارہویں فصل میں" آزادی نسواں" کے عطا کردہ امراض کے نئے اور قبیح ترین موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔

بارہویں فصل میں آزادیٔ نسواں کے عطا کردہ امراض پر گفتگو کرنے کے علاوہ عورت پر جنسی آزادی کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیرہویں فصل میں مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ وضعی قوانین نے بدکاری کی سزاؤں کو نافذ نہ ہونے دینے کے لئے کیسی حیلہ بازی کی ہے، اور اس کے احکام کی بابت تساہل اختیار کرتے ہوئے کس طرح رضامندی کے ساتھ بدکاری اور جنسی شذوذ کو کیسے روا رکھا ہے۔

چودہویں فصل میں عزت وآبرو کے تصورات کے ختم ہونے پر گفتگو کی گئی ہے۔

پندرہویں فصل میں صاحب کتاب نے عزت وآبرو کے نام پر کئے جانے والے جرائم میں زبردست اضافہ پر گفتگو کرتے ہوئے آبرو اور بکارت کو پہنچنے والے نقصانات ختم کرنے والے اعمال کے نتائج پر کلام کیا ہے۔

سولہویں اور آخری فصل میں انہوں نے آزادیٔ نسواں کے علم برداروں کی لاف زنیوں اور ان کے اس مطالبہ پر گفتگو کی ہے کہ سیادت عالم خواتین کے سپرد کردی جائے۔

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں شریک ہونے کے لئے جو ضابطے وضع کئے ہیں وہ عورت کی عفت وپاکدامنی کی حفاظت کرتے ہیں، نیز اس کی نسوانیت وفطرت کو قائم رکھتے ہیں، اس طرح ابن قیم کے اس مشہور قول کا

عملی مصداق بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ شریعت کی بنیاد بندوں کی دنیوی واخروی مصالح اور حکمتوں پر ہے، شریعت مکمل طور پر عدل، رحمت اور مصالح سے عبارت ہے، ہر وہ مسئلہ جو عدل کی حدود سے نکل کر ناانصافی کی حدود میں پہنچ جائے، رحمت کے بجائے زحمت بن جائے، مصلحت کی جگہ پر مفسدہ کا باعث ہو اور حکمت کا نہیں بے حکمتی کا سبب بنے، اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے چاہے اسے تاویل کر کے شریعت میں کیوں نہ داخل کر دیا جائے۔

۴-شرکت کے مستثنیات

شریعت نے عورت کے لیے اسی عمل کو جائز قرار دیا ہے جو اس کی ساخت، شخصیت، نسوانیت اور فطرت کے لئے مضر نہ ہو اور شریعت کے اوامر کو وجود میں لائے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں سے کچھ کی اجازت عورت کو دی ہے اور کچھ کی اجازت مذکورہ مصالح کی رعایت کرتے ہوئے نہیں دی ہے۔

علامہ ڈاکٹر نور الدین عتر اگر چہ عورت کی سماجی معاشی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دینے کی جانب میلان رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے معاشی سرگرمیوں کی عورت کے لئے صرف دو قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم: وہ کام جن میں خاص طور پر عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے ولادت اور عورتوں کے تمام امراض بالخصوص ان کے نسوانی امراض کی طب، اور لڑکیوں کے تعلیمی اداروں میں تدریس وغیرہ ،ان کاموں کے لئے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کی ایک جماعت معاشرہ کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سامنے آئے۔ یہ اس شرعی قاعدہ پر عمل ہوگا جس کے مطابق امت کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کے کچھ افراد اس کی ہر طرح کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سامنے آئیں، اس کو واجب کفائی کی فہرست میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

دوسری قسم: وہ کام جو کہ مرد انجام دیتے ہیں، اور وہ عورتوں پر موقوف نہیں ہوتے ہیں، جیسے تجارت، کپڑوں وغیرہ کی صنعت میں ملازمت، کھیتی اور حکومتی اداروں میں سروس، اپنے اور اپنے بچوں کے تکفل کے لئے عورت اس قسم کے اعمال انجام دے سکتی ہے۔(۳۹)

شیخ ابن باز کی جو عبارات اور ''اللجنة الدائمة للإفتاء والبحوث'' کا جو فتوی ہم نے اوپر نقل کیا تھا وہ بھی ڈاکٹر نور الدین عتر کے اس کلام سے قریب تر ہی ہے۔

عورت کے لئے ممنوع اعمال میں سے ایک حکومت کی سربراہی ہے، اس لئے کہ اس کی بابت ایک نص شرعی وارد ہے اور پھر اس نص کی دلالت ایسی عام ہے کہ پھر ایک مخصوص سیاق میں اس کا ورود اس کو مقید نہیں کرسکتا، یہ نص ہے: ''لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة'' (۴۰) (جو قوم اپنی سربراہی عورت کو سونپ دے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی) اس لئے کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، مخصوص سبب کا نہیں، اگر چہ بعض فقہاء ومفکرین موجودہ حالات میں عورت کے لئے اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں اصل حکم ممنوعیت کا ہے، لیکن اس ممنوعیت سے گھریلو کام، خواتین کی طب، لڑکیوں کی تدریس اور وہ کام مستثنیٰ ہیں جن کو خاتون اپنے اسباب خوردونوش کی فراہمی کے لئے انجام دے۔

ہمارے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اصل حرمت ہے، اصل تو جواز ہے، اس لئے کہ یہ سب دنیوی عادی امور ہیں، ان کی بابت اصل حکم اباحت ہے، ہاں جن صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں، اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ سارے کام مذکورہ بالا شرعی ضابطوں کے پابند ہوں۔

یعنی شریعت کے حرام کردہ کام ممنوع ہیں، جیسے شراب بیچنا، جہازوں، ہوٹلوں اور ریسٹورینٹس میں شراب پیش کرنا، ہر وہ کام جس میں عورت اپنے جسم کے واجب الستر حصوں کو کھولنے پر مجبور ہو، وہ تمام کام جن کے لئے اسے آبادیوں سے دور دراز کے علاقوں میں رہنا پڑے، پٹرول کی دریافت، زیر زمین ذخائر کی تلاش، شوہر اور اولاد کی پرواہ کئے بغیر گھر اور وطن سے باہر رات گذارنا، ایسا کام جس میں عورت کا مرد کے ساتھ ایسا اختلاط لازم ہو جو حرام خلوت کے ذریعہ شہوانی جذبات کو بھڑکائے اور بدکاری کا سبب بنے، سڑکوں پر جھاڑو لگانے یا بھاری بوجھ ڈھونے جیسے وہ پر مشقت اعمال جن کا متحمل عورت کا جسم نہیں ہے، اور جو اس کی فطرت نسوانیت کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں اور جن کی وجہ سے اسے ایسی جسمانی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو حمل، پرورش اور دودھ پلانے کے مراحل کے لئے کسی بھی طرح مناسب نہیں ہیں بلکہ جو عورت کی جسمانی ونفسیاتی ساخت سے بھی ہم آہنگ نہیں ہیں۔

ڈاکٹر محمد عمارہ کہتے ہیں: ''اسلامی معاشرہ اسلامی ہدایات کی رعایتوں کے ساتھ مخلوط معاشرہ ہے، جو غیر محرم مرد کے ساتھ عورت کی خلوت کو اس لئے حرام قرار دیتا ہے کہ یہ خلوت حرام کا ذریعہ بنتی ہے، اور سماجی و معاشی سرگرمیوں کے تمام میدانوں کو مردوں اور عورتوں کی شرکت کے لئے جائز قرار دیتا ہے لیکن وہ اس سلسلے میں اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ ان سرگرمیوں میں حصہ لینے کے مختلف مراتب میں عورت کی نسوانیت اور مرد کی مردانگی کی پوری حفاظت کرے''۔(۴۱)

یعنی ان مستثنیات میں قدر مشترک حرام کام کا ارتکاب ہے، خواہ خود وہ عمل ہی حرام ہو جیسے شراب پیش کرنا، بے حیا رقص کرنا، یا کوئی عمل فی نفسہ تو جائز ہو لیکن حرام کا سبب بنتا ہو، جیسے کسی مرد کا ایسا سکریٹری بننا کہ جس کا کار منصبی خلوت کا تقاضہ کرتا ہو، سکریٹری بننا فی نفسہ حرام نہیں ہے لیکن حرام کام کے ساتھ میں پائے جانے کی وجہ سے وہ حرام ہو جائے گا۔

اس طرح کی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت ممنوع ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے استاذ محترم ڈاکٹر محمد بلتاجی لکھتے ہیں: ''یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام نے یہ سارے احکام اس لئے وضع کئے ہیں تا کہ عورت کو عزت بخشی جائے اور بے عزتی و فتنوں کے تمام مظنوں سے اس کی حفاظت کی جائے، اسلام کا نظام نفقہ اسے اس کے لئے مجبور نہیں کرتا ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے کوئی معاشی سرگرمی اختیار کرے، اس نظام نے اس کے اور اس کے خاندان کے ہر طرح کے حالات میں یہ ذمہ داری لی ہے۔

تشریع اسلامی کی عظمت کا ایک مظہر ڈاکٹر بلتاجی کا وہ کلام ہے جو انہوں نے اس صورت حال میں معاشرہ کے کردار کی بابت کیا ہے جب عورت معاشی سرگرمی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے، موصوف لکھتے ہیں: ''اگر کوئی لڑکی یا عورت مسلم معاشرہ میں رہتے ہوئے اپنی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مجبور ہو تو یہ پورے معاشرہ کے لئے عار ہے، یہ ذمہ داری تو پورے معاشرہ کو اٹھانی چاہئے، کسی بھی طرح یہ روا نہیں ہے کہ مسلم معاشرہ کی کوئی خاتون اپنی بنیادی ضرورتوں کے لئے بھٹکتی پھرے، ذلت و فتنہ کا سامنا کرے، اور باعزت روزی نہ پائے، یہ پورے معاشرہ کے لئے نہایت ذلت کی بات ہے، جس کا ذمہ دار معاشرہ کا ہر فرد اپنی حیثیت اور ذمہ داری کے اعتبار سے ہوگا''۔(۴۲)

عورت کے لئے معاشی سرگرمی کا میدان گھر کے اندر اور باہر کھلا ہوا ہے، اور اس کے مستثنیات بس وہ ہیں جن کو شارع نے مستثنیٰ کیا ہو یا جو حرام کا باعث ہو، ان سرگرمیوں میں عورت کا حصہ لینا اس وقت تک جائز ہے جب تک یہ سرگرمیاں شرعی ضوابط کے دائرہ میں ہوں۔ واللہ اعلم۔

۵-سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت
نتائج اور مقاصد

پچھلے صفحات میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت فی نفسہ جائز ہے،عورت کے لئے ان سرگرمیوں میں سے کچھ کے جائز ہونے اور کچھ کے ناجائز ہونے کی بنیاد بھی ان صفحات میں سامنے آچکی ہے،لہذا اب ان سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے مقاصد اور نتائج پر گفتگو کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت خود اس کے لئے، اس کے خاندان کے لئے اور معاشرہ کے لئے مفید ہے،اور اس شرکت کے بغیر عورت چند معمولات اور متعین طرز زندگی کی اسیر ہوکر رہ جاتی ہے،اور اگر عورت کو اس شرکت کا موقع ملے اور پھر بھی وہ شریک نہ ہوتو خاندان معاشرہ کے کارواں سے الگ ہوجاتا ہے،اور معاشرہ ہمہ گیری ترقی سے محروم رہتا ہے۔

شیخ محمد حسین کہتے ہیں:''اس شرکت کے نتیجہ میں عورت کے علم وفہم میں ترقی ہوتی ہے اور اس میں پختگی آتی ہے، نیز عورت خود اپنے لئے،معاشرہ کے لئے اور دین کے لئے بہت سے خیر کے کام انجام دے سکتی ہے''۔(۴۳)

اسی لئے سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے متعدد نتائج اور مقاصد ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق اس کی ذات سے ہے، کچھ کا اس کے خاندان سے، کچھ کا اس کے معاشرہ سے اور کچھ کا مکمل امت سے۔

الف: خود عورت سے متعلق فوائد اور مقاصد:

۱-شرعی ضابطوں کی روشنی میں لوگوں اور معاملات کو ڈیل کرنے میں عورت کی صلاحیت

کی ترقی۔

۲- معاشرہ کے حالات وواقعات سے براہ راست واقفیت، سماجی ومعاشی سرگرمیوں والی تنظیموں، جماعتوں نیز مجلسوں میں اپنی شرکت اوران سرگرمیوں کے ماہر مردوں اورعورتوں سے حاصل ہونے والے تجربات کے نتیجہ میں عورت کی واقفیت وعلم میں وسعت، یہ تمام اموراس کی کمیوں کو دور کرتے ہوئے اس کے خالی وقت کو ایسے قیمتی مشاغل میں استعمال کروادیتے ہیں جو اسے اس کی زندگی کی عظمت اوراس کی صلاحیت واہمیت کا احساس دلاتے ہیں،اس کے آفاق اورزندگی کے ساتھ اس کے تعلق کو وسعت دیتے ہیں،اوراس کی شخصیت کے عناصر کومزید مستحکم کرتے ہیں۔(۴۴)

۳-ثقافتی سرگرمیوں میں اس کی شرکت کے ذریعہ خوداس کی ثقافتی کیفیت میں ترقی۔

ب: خاندان سے متعلق فوائداور مقاصد:

۱- اگر والدین، بھائیوں اور بہنوں کا کوئی کفیل نہ ہو یاان کی آمدنی ان کے لئے کافی نہ ہوتو ان کی کفالت۔

۲- اگرشوہر کی آمدنی کم ہو یا وہ معذوری کی وجہ سے کمانے کے قابل نہ ہوتواس کی مدد۔

۳-اگرشوہر کا انتقال ہوجائے اوروہ بچوں کی خبر گیری، تربیت اوران کی زندگی کی ضروریات کی فراہمی کی ذمہ دار ہوتو اپنی اولاد کی تربیت۔

۴-گھر کے اندراور باہر کے معاملات کی اپنی واقفیت کی بنیاد پراولادکوزندگی کے عملی مسائل کا سامنا کرنے کی تربیت دینا۔

۵-عملی زندگی سے واقف ہونے کی بنیاد پرشوہراوررشتہ داروں کوصحیح مشورے دینا۔

ج: معاشرہ سے متعلق فوائداور مقاصد:

فرد، مرد ہو یا عورت، معاشرہ میں رہتا ہے تو معاشرہ کا اس پر زبردست حق بھی ہوگا،عورت آخر معاشرہ کا نصف حصہ ہے! شیخ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:''اسلام کی بابت یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ معاشرہ کے نصف حصہ کو معطل، جامد اور غیر مفید بنادے، اس سے زندگی حاصل کرے اور

اسے نہ دے، اس کے خیر سے فائدہ اٹھائے اور اس کے لئے کچھ نہ کرے'' (۴۵)۔ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت سے حاصل ہونے والے چند فوائد یہ ہیں:

۱- طب، تدریس اور لڑکیوں کی تعلیم جیسے فروض کفایہ کی ادائیگی کی کافی مقدار کا معاشرہ کے لئے حصول۔

۲- بالخصوص ان کاموں میں عورت کی صلاحیتوں سے معاشرہ کا استفادہ جنہیں مرد زیادہ بہتر طریقے پر انجام نہیں دے سکتے۔

۳- اس سلسلے میں مردوں کے ساتھ عورت کی شرکت کے ذریعہ ہمہ گیر ومکمل ترقی کا حصول، اس لئے کہ جس طرح مردوں کی کچھ اپنی مخصوص صلاحیتیں ہیں اسی طرح عورتیں بھی کچھ مخصوص صلاحیتوں کی حامل ہیں، ان دونوں کی صلاحیتوں کے ملنے سے کمال وجود میں آتا ہے، اور ہمہ گیر ترقی ملتی ہے۔

د: امت سے متعلق فوائد اور مقاصد

امت کو عظمت ملے، اس لئے کہ امت کی عظمت کا راز (جیسا کہ محترم بہی الخولی نے لکھا ہے) اس میں پوشیدہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد کام کرنے والے ہوں، اور عورت نصف معاشرہ ہے، اور معاشرہ کا نصف حصہ اگر معطل رہے تو یہ عظمت امت کو حاصل نہیں ہوسکتی۔(۴۶)

سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے ان عظیم نتائج اور مقاصد پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورت کی شرکت کے نتائج ایسے ہیں جو مرد کی شرکت سے حاصل نہیں ہوتے، خود اس کی ذات کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی، خود اس کی ذات کے اعتبار سے دیکھیں تو عورت نہایت بہتر طریقہ پر اپنی شخصیت کی ترقی، اپنے گھر اور معاشرہ کی خدمت کے لئے وہ کرتی ہے جو مرد نہیں کرسکتا، دوسروں کے اعتبار سے دیکھیں تو عورت کی شرکت کے فوائد اور مقاصد مرد کی شرکت کے فوائد اور مقاصد سے کہیں زیادہ وسیع ہیں۔

تیسری فصل

مختلف زمانوں میں عورت کی شرکت کے چند نمونے

☆ عہد نبوی سے ماقبل کے نمونے

☆ عہد نبوی کے نمونے

☆ عہد نبوی کے بعد کے نمونے

اس فصل میں ہم مختلف زمانوں کے عملی نمونے ذکر کریں گے، تاکہ یہ نمونے معاصر مسلم خواتین کے لئے اسوہ ہوں، اور وہ ان کی روشنی میں راہ عمل تشکیل دیں، یا شیخ علی محمد الدخیل کے الفاظ میں: ''ان خواتین کی بابت تحریر کرنے میں مجھے مسلمان خواتین کے لئے اس دعوت کا پہلو بھی نظر آتا ہے کہ وہ ان برگزیدہ خواتین کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی جیسی زندگی گذاریں، اس طرح ہم اپنے معاشرہ کے معطل شدہ نصف حصہ کی اصلاح اور سست حصہ کا مداوا کرسکیں''۔(۴۷)

اس فصل کو تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلا عہد نبوی سے پہلے کے قرآن کے بیان کردہ نمونوں پر مشتمل ہے، دوسرے میں عہد نبوی کے نمونے پیش کئے گئے ہیں تو چوتھا عہد نبوی کے بعد سے آج تک کے نمونوں سے بحث کرتا ہے۔

پہلے مبحث میں وہ نمونے پیش کئے گئے ہیں جن کو قرآن نے بلانکیر ذکر کیا ہے، اور ان کے ذکر کرنے کے بعد کوئی ایسا تبصرہ نہیں کیا ہے جو ممنوعیت اور عدم جواز کا پتہ دے، بلکہ بعض مقامات پر قرآن کے تبصرے ان کی پسندیدگی کا پتہ دیتے ہیں۔

دوسرے مبحث میں عہد نبوی کے نمونے بکثرت ذکر کئے گئے ہیں، اس لئے کہ یہ زمانہ نزول وحی اور آں حضرت ﷺ کے زیر سایہ تشریع کی وجہ سے نہایت اہم ہے۔

تیسرے مبحث میں عہد نبوی سے عصر حاضر تک کے بالخصوص ان فلسطینی خواتین کے طرح طرح کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جنہوں نے جان سمیت ہر چیز کی قربانی دے دی ہے۔

اس فصل کو ان نمونوں کے موضوعات اور میدانوں کے اعتبار سے بھی تقسیم کیا جاسکتا تھا، یعنی دعوت، معاشی سرگرمی، سماجی سرگرمی اور سیاسی سرگرمی جیسے مختلف موضوعات کے نمونے الگ الگ ذکر کئے جاسکتے تھے، لیکن میں نے زمانی تقسیم کو مناسب سمجھا تاکہ عہد نبوی پر مکمل طریقہ سے ارتکاز کیا جاسکے، کہ یہ زمانہ حجیت وتشریع میں بہت اہمیت رکھتا ہے، موضوعاتی تقسیم کو چھٹی فصل کے لئے رہنے دیا، اس فصل میں شرکت کے میدانوں پر گفتگو کی جائے گی۔

۱-عہد نبوی سے قبل
خواتین کی شرکت کے چند قرآنی نمونے

اس عنوان کے تحت ہم خواتین کی شرکت کے قرآن کے بیان کردہ وہ نمونے ذکر کریں گے جن کو قرآن نے نقل کر کے ان پر کوئی نکیر نہیں کی ہے، بلکہ ان کی تعریف کی ہے، ملاحظہ ہوں:

الف: ملکۂ سبا کا اپنی قوم سے مشورہ:

قرآن مجید نے ملکہ سبا کا قصہ بیان کرتے ہوئے بعض امور میں اپنے ساتھیوں سے ان کے مشورہ کا بھی تذکرہ کیا ہے، اوران کی تعریف کی ہے، جب کہ وہ فرعون کے ظلم و جبر اور استبداد کی مذمت کرتا ہے، سورۂ نمل (۲۸ تا ۴۴) میں ارشاد ہے:

﴿اذْهَب بِّكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ (28)قَالَتْ يَا أَيُّهَا المَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ (29)إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (30)أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (31)قَالَتْ يَا أَيُّهَا المَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْراً حَتَّى تَشْهَدُون (32)قَالُوا نَحْنُ أُوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ (33)قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ (34)وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ (35) فَلَمَّا جَاء سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ (36)ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ (37)قَالَ يَا أَيُّهَا المَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (38)قَالَ عِفْريتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ

مِن مَّقَامِکَ وَإِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ أَمِیْنٌ (39)قَالَ الَّذِیْ عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ أَنَا آتِیْکَ
بِهِ قَبْلَ أَن یَرْتَدَّ إِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرّاً عِندَهُ قَالَ هَذَا مِن فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْ
أَأَشْکُرُ أَمْ أَکْفُرُ وَمَن شَکَرَ فَإِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن کَفَرَ فَإِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ (40)قَالَ
نَکِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِیْ أَمْ تَکُونُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُونَ (41)فَلَمَّا جَاء تْ قِیْلَ
أَهَکَذَا عَرْشُکِ قَالَتْ کَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِیْنَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَکُنَّا مُسْلِمِیْنَ (42)وَصَدَّهَا مَا
کَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا کَانَتْ مِن قَوْمٍ کَافِرِیْنَ (43)قِیْلَ لَهَا ادْخُلِیْ الصَّرْحَ فَلَمَّا
رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَکَشَفَتْ عَن سَاقَیْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِیْرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّیْ
ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ (سورۂ نمل آیت:۲۸-۴۴)

ترجمہ:([حضرت سلیمانؑ نے اپنے لئے مسخر کئے گئے پرندوں میں سے ہد ہد سے کہا :]میرے اس خط کو لے جا کران کے پاس ڈال دینا، اور پھران کے پس سے ہٹ جانا، پھر دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، وہ[ملکۂ سبا] کہنے لگی، اے سردارو! میرے پاس ایک اہم خط ڈالا گیا ہے، جو سلیمان کی طرف سے ہے، اور اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع ہے، [اور اسمیں یہ لکھا گیا ہے] کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور اطاعت گذار بن کر میرے پاس آجاؤ، اس نے کہا: اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو، [اس لئے کہ] میں کسی بھی معاملہ میں قطعی فیصلہ تمہاری موجودگی ہی میں کرتی ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ ہم طاقت ور اور سخت لڑائی کرنے والے ہیں، آگے آپ کو اختیار ہے، آپ خود ہی سوچ لیں کہ آپ کیا حکم دیں، اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں، اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے، میں انہیں ایک ہدیہ بھیج کر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کرلوٹتے ہیں۔ پس جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کیا تم اپنے مال سے میری مدد کرنی چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دیا ہے جو تم کو دیا ہے، پس تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو، جاؤ ان کی طرف واپس لوٹ جاؤ، ہم ان کے مقابلہ پر ایسے لشکر لائیں گے جن کے سامنے پڑنے کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انہیں ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے، سلیمان نے کہا اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو ان کے اطاعت گذار بن کر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا دے، ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ اس سے

پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں وہ لے کر آپ کے پاس آتا ہوں، اور بلاشبہ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں، اور امانت دار بھی ہوں، جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا: کہ آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ پھر جب سلیمان نے ملکۂ سبا کے تخت کو اپنے پاس موجود پایا تو اس نے کہا یہ میرے رب کا فضل ہے، تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں، شکر گذار اپنے نفع کے لئے ہی شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے گا تو میرا پروردگار بے نیاز اور کریم ہے، سلیمان نے کہا کہ اس کے تخت کو اس کے لئے اجنبی بنادو (یعنی اس میں ایسی تبدیلیاں کردو کہ دیکھنے میں دوسرا تخت لگے) دیکھیں گے کہ وہ پتہ پاپاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو پتہ نہیں پاپاتے، پھر جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے، اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے، ہمیں اس سے پہلے ہی علم دے دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے۔ اس کو [اسلام لانے سے] انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کرتی تھی، بلاشبہ وہ کافروں میں سے تھی، اس سے کہا گیا کہ محل میں چلو، پھر جب اس نے محل دیکھا تو اسے حوض سمجھ کر اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں، تو [سلیمان نے] کہا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے، کہنے لگی میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں)۔

اگر ملکۂ سبا عقل، فراست اور حکمت سے بہرہ ور نہ ہوتی تو نہ اسلام لاتی اور نہ ہی سلام قبول کرنے میں اپنی قوم کی قیادت کرتی، اس لئے کہ قوم، بادشاہت، تخت وحکمرانی جیسے بہت سے موانع موجود تھے، لیکن اس نے یہ سب کچھ چھوڑ دیا اور حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع وفرمانبردار ہوگئی۔

ب: شیر خوار بچے کی بابت فرعون کی اہلیہ فرعون کے ساتھ شریک مشورہ:

اس سلسلہ کا قرآن مجید کا بیان کردہ ایک اور قصہ فرعون کی اہلیہ سے متعلق ہے، شیر خوار بچہ یعنی حضرت موسیٰ کے معاملہ میں وہ فرعون اور اس کے رفقاء کے ساتھ شریک مشورہ تھیں، قرآن سورۂ قصص میں کہتا ہے: {وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ (7)فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ

لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوّاً وَحَزَناً إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ (8)وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَکَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَى أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَداً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ} (قصص: آیت: ۷-۹) ترجمہ: (ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہو، اور جب تم اس کے بارے میں ڈرو تو اسے دریا میں ڈال دینا، اور نہ ڈرنا، نہ غمگین ہونا، ہم یقیناً اسے تمہارے پاس واپس کردیں گے اور اسے پیغمبروں میں سے بنائیں گے، آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا کہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن اور ان کے لئے باعث رنج ہوا، بلاشبہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکر غلطی پر تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کریں، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنالیں اور وہ لوگ شعور ہی نہ رکھتے تھے)۔

جیسا کہ معلوم ہے یہاں مشورہ امور مملکت کی بابت تھا اس لئے کہ فرعون نے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ ہر اس مذکر بچہ کو قتل کردے گا جس سے وہ ڈرے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دو عورتوں کو بطور مثال پیش کیا ہے، جن میں سے ایک اہلیۂ فرعون تھیں، قرآن ان کی بابت کہتا ہے: {وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِندَکَ بَيْتاً فِيْ الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ} (تحریم:۱۱) ترجمہ: (اور اللہ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کو بطور مثال پیش کیا ہے، جب کہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالموں سے نجات دے)۔

باوجودیکہ وہ فرعون کی اہلیہ تھیں، اور فرعون فرعون تھا، انہوں نے اپنی ذمہ داری نبھائی، ان کی عقل نے ان کو ایمان کی راہ دکھائی اور ان کی زبان سے یہ مبارک دعا جاری کرادی۔

ج: موسیٰؑ کی بہن ان کے پیچھے پیچھے:

سورۂ قصص میں مذکورہ بالا مثال ذکر کرنے کے فوراً بعد قرآن کریم نے حضرت موسیٰؑ کی بہن کا قصہ بیان کیا ہے جب ان کی والدہ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی کو تلاش کریں، قرآن نے ان

کی شاذ و نادر تحفظ کی حس کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس طرح دیکھ رہی تھیں کہ انہیں نہ کوئی دیکھ سکے اور نہ کوئی معاملہ سمجھ سکے۔ {وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ} (قصص:۱۱) ترجمہ: (موسیٰ کی والدہ نے اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا، تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی، اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔)

پھر بہت مناسب موقع پر اس وقت وہ ان کے سامنے آئیں جب انہوں نے کسی بھی دائی کا دودھ پینے سے منع کر دیا تھا، اور یہ حالات و مواقع کا کیسا صحیح استعمال تھا یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کی والدہ سے کیا گیا اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا، قرآن کہتا ہے: {وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ٥فَرَدَدْنَاهُ إِلَى أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ} (قصص:۱۲-۱۳) ترجمہ: (بہن کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا، تو اس نے کہا کہ کیا میں آپ کو ایسا گھرانا بتاؤں جو اس بچہ کی تمہارے لئے پرورش کرے، اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں، پس ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا، تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو، اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

د: حضرت شعیب کی دو صاحبزادیاں اپنے والد ماجد کے ساتھ:

اسی طرح کی شرکت ہمیں حضرت شعیب کی دو صاحبزادیوں کے یہاں چرواہوں کی بابت ملتی ہے، قرآن مجید سورۂ قصص میں کہتا ہے: {وَلَمَّا وَرَدَ مَاء مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاء وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ(23)فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (24)فَجَاءتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاء قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (25)قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ

الْأَمِيْن} (قصص: ۲۳-۲۶) ترجمہ: (مدین کے پانی پر جب موسیٰ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلارہی ہے، اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دکھائی دیں، تو پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے، وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں، اور ہمارے والد بہت ہی بڑی عمر کے بوڑھے ہیں، پس موسیٰ نے خود ان جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر سائے کی طرف آ گئے اور دعا کی کہ تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔ اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی جزا دیں، جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے کہ اب نہ ڈرو، تم ظالم قوم سے نجات پا چکے ہو، ان میں سے ایک نے کہا اے والد آپ ان کو اجرت پر رکھ لیں کہ آپ کے اجرت پر رکھنے کے لئے سب سے بہتر شخص وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو)۔

یہاں قرآن نے بتایا ہے کہ یہ دونوں خواتین گھر سے باہر اس لئے نکلی تھیں تا کہ اچھی اور پاکدامنی کی زندگی گذار سکیں، اور اس سلسلے میں انہوں نے مکمل شرعی اصولوں کا خیال رکھا تھا، اس لئے اللہ نے ان کے لئے معاشرہ میں سے ایک ایسا شخص فراہم کر دیا جو شرعی اصولوں اور اسلامی اخلاق کے ساتھ ان کی ضرورتیں پوری کر دے، علیہ الصلاۃ والسلام۔

۲-عہد نبوی کے چند نمونے

نبوی معاشرہ اور عہد وحی و رسالت میں ہمیں مختلف سرگرمیوں میں مردوں اور خواتین کی شرکت نظر آتی ہے، اس عہد کی خواتین نے اپنے اعمال اور اپنی آراء کے ذریعہ بسا اوقات اسلام اور رسول اسلام کی حفاظت کی، اور تحریک اسلامی کو قوت بخشی، نیز اس کے غلبہ اور اس کی توسیع میں حصہ لیا، ہم پہلے یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ شیخ عبد الحلیم ابوشقہ نے مختلف طرح کی سرگرمیوں میں مرد وزن کی شرکت کی تقریباً تین سو دلیلیں پیش کی ہیں، ان میں سے کچھ کا تعلق عادات سے ہے، کچھ کا معاملات اور کچھ کا خوشی کے موقعوں سے، یہاں تک کہ ان میں سے کچھ جہاد و قتال کی بابت بھی ہیں۔

ذیل میں عہد تشریع سے پیش کی گئی ہماری ان مثالوں میں معاشرتی واقتصادی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے کچھ نئے دلائل ہیں، اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی پہلی ذمہ داری مامتا، گھر، نیز شوہر کی خبر گیری ہے، ایسے اہم نمونے ملاحظہ ہوں:

الف: رسول اکرم ﷺ سے بیعت ہونے میں خواتین کی شرکت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: { يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئاً وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (ممتحنہ: ۱۲) ترجمہ: (اے نبی جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں یہ بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کوئی خود ساختہ بہتان نہیں لگائیں گی، اور معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی، تو ان کو بیعت کر لیجئے اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے، بلاشبہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے)۔

حضرت عبادہ بن صامت بدری صحابی اور بیعت عقبہ کے وقت بنائے گئے نقیبوں میں سے ایک ہیں، صحیح بخاری میں ان کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے صحابہ سے کہا: ''مجھ سے اس بات کی بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اور خود ساختہ بہتان نہیں لگاؤ گے اور معروف کے سلسلہ میں نافرمانی نہیں کرو گے، جو تم میں سے اپنی اس بیعت میں سچا ثابت ہوگا اس کا اجر اللہ کے پاس ہے، اور جس نے اس سلسلہ میں کچھ کوتاہی کی اور دنیا میں اسے سزا دے دی گئی تو دنیا میں دی گئی یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہوگی، اور جس نے کچھ کوتاہی کی اور اللہ نے اس کی اس کوتاہی کو چھپا لیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو اسے سزا دے،'' حضرت عبادہ کہتے ہیں پھر ہم نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ان سب چیزوں پر بیعت کی۔(۴۸)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کی بیعت قرآن میں مذکور عورتوں کی بیعت جیسی ہی تھی۔

محترم سعید افغانی کہتے ہیں: ''اسلام کے زیر سایہ آنے کے بعد عرب خواتین نے آنکھ کھولی تو مرد پہلے جیسے نہیں تھے، معاشرہ پہلا جیسا نہیں تھا، دین بھی بدل گیا تھا، گویا اس نے کسی بندھن سے نجات پالی ہو، اس نے بھی بھرپور حصہ لیا، اور اس نعمت پر اللہ کا عملی شکریہ ادا کیا، آغاز میں اس نے بھی مردوں کی طرح تعذیب ہجرت اور ظلم کے مصائب اٹھائے، پھر وہ کلمۃ اللہ کو سربلند کرنے اور اللہ کے دین ورسول کی حفاظت کرنے کے لئے مجاہدین کے ساتھ صف آراء ہوئی، اور مرد کی طرح جہاد کا شرف حاصل کیا اور ثواب وعزت کی حق دار ہوئی، جان کی بازی لگا دینے سے بڑھ کر شکر کی اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔(۴۹)

ب: اجتماعی عبادتوں میں خاتون کی شرکت:

اعتکاف: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک ہر سال رمضان کے آخری دس دن اعتکاف کرتے تھے، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج نے اعتکاف کیا۔(۵۰)

سورج گرہن کی نماز: حضرت ہشام بن عروہ نے اپنی اہلیہ فاطمہ سے روایت کیا ہے کہ ان کی

دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر نے بیان کیا کہ میں رسول اکرم ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہ کے پاس سورج گرہن کے وقت آئی، لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، وہ بھی نماز میں مشغول تھیں، میں نے کہا لوگ نماز کیوں پڑھ رہے ہیں؟ حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: سبحان اللہ، میں نے کہا کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے، انہوں نے اشارہ سے کہا: ہاں، میں بھی نماز پڑھنے لگی یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہوگئی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی...(۵۱)۔

حج: امام بخاری نے باب طواف النساء مع الرجال میں اپنی سند سے ام المؤمنین حضرت سلمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میں مریض ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کے پیچھے پیچھے سوار ہوکر طواف کرو''، میں نے ایسے ہی طواف کیا، اس وقت رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور سورۂ طور کی تلاوت کر رہے تھے۔(۵۲)

فرض نماز: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھاتے ، مسلمان خواتین بھی جماعت میں حاضر ہوتیں، جو کہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو واپس ہوتیں کوئی انہیں پہچان نہیں پاتا تھا۔(۵۳)

یہ تمام نصوص یہ بتاتے ہیں کہ عہد نبوی میں خاتون عبادت میں مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھی، اگر عبادت میں شرکت عہد نبوی میں پائی جاتی تھی تو پھر دیگر میدانوں میں بھی شرعی ضوابط کی پابندی کے ساتھ شرکت کیوں کر ممنوع ہوگی۔

ج: حضرت اسماء بنت ابی بکر کی معاشی سرگرمیوں اور شوہر کی غیرت کی حفاظت:

بہت سی خواتین جب گھر سے باہر کام کرنے نکلتی ہیں تو باہر نکلنے کے ضابطوں کے سلسلہ میں تفریط سے کام لیتی ہیں، لیکن اگر کوئی عورت گھر سے باہر نکلے، شرعی ضابطوں کی پابندی کرے اور رسول اکرم ﷺ کی صحبت ملنے کے باوجود اپنے شوہر کی غیرت کی حفاظت کرے تو یہ بہت ہی شاذ ونادر مثال ہے، اور تاریخ انسانیت میں اس کی جیسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر سے

روایت ہے، کہتی ہیں جب حضرت زبیر کے ساتھ میری شادی ہوئی، تو ان کے پاس مال تھا نہ غلام، بس ایک اونٹ اور ایک گھوڑا ان کی کل کائنات تھے، اس لئے میں ہی ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی لاتی، ڈول کھینچتی، آٹا گوندھتی، اور چونکہ میں روٹی اچھی نہیں پکاتی تھی اس لئے پڑوس کی کچھ انصاری خواتین روٹی پکا دیا کرتی تھیں، یہ بڑی مخلص خواتین تھیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک زمین دی تھی، میں وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر ڈھو کر لاتی تھی، یہ جگہ میری یہاں سے دو تہائی فرسخ (دو میل) دور تھی، ایک دن میں اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں ڈھو کر لا رہی تھی کہ راستہ میں میری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی، آپ کے ساتھ کچھ انصاری صحابہ تھے، آپ نے مجھے آواز دی اور اونٹ کو بیٹھانے لگے تاکہ مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیں، مجھے مردوں کے ساتھ چلنے میں شرم آئی، اور مجھے زبیر اور ان کی غیرت کا بھی خیال ہوا، وہ بہت غیرت مند شخص تھے، رسول اللہ ﷺ سمجھ گئے کہ مجھے شرم آرہی ہے تو آپ بھی آگے بڑھ گئے، میں نے زبیر سے آکر کہا کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ملے، آپ کے ساتھ کچھ صحابہ بھی تھے اور اس وقت میرے سر پر کھجور کی گٹھلیاں تھیں، آپ نے مجھے سوار کرنے کے لئے اونٹ کو بٹھایا، لیکن مجھے شرم آئی اور آپ کی غیرت کا خیال ہوا، تو زبیر نے کہا بخدا تمہارا گٹھلیاں ڈھونا آپ ﷺ کے ساتھ سوار ہونے کے مقابلہ میں میرے لئے زیادہ تکلیف دہ ہے، پھر حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم میرے لئے بھیج دیا جس نے گھوڑے کے انتظامات سنبھال لئے، تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ آپ نے مجھے غلامی سے نجات دلا دی''۔(۵۴)

معاشی سرگرمیوں میں شرکت کے اس واضح نمونہ کو دیکھئے، ایک خاتون معاشی سرگرمیوں میں بھی شریک ہے اور شوہر کے نہ ہونے کی صورت میں اپنی اور شوہر کی عزت وغیرت کی بھی حفاظت کرتی ہے، یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ سے بھی۔

د: زینب بنت مہاجر کی حضرت ابوبکر سے گفتگو

حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر قبیلۂ احمس کی زینب نامی ایک خاتون کے پاس گئے، دیکھا کہ وہ کچھ بول نہیں رہیں، آپ نے دریافت کیا کہ بھئی ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے خاموش حج کرنے کی نذر مانی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا بولو! اس طرح چپ رہنا

جائز نہیں ہے، یہ جاہلی عمل ہے، تو وہ بولیں اور انہوں نے پوچھا آپ کون؟ فرمایا ایک مہاجر، پوچھا: کن مہاجرین میں سے؟ فرمایا قریشی مہاجرین میں سے، اس نے پوچھا قریش کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا: تم نے تو سوالات کی بوچھار کردی میں ابوبکر ہوں، اس نے پوچھا اللہ نے جاہلیت کے بعد ہمیں جس صحیح راستہ سے نوازا ہے اس پر ہم کس طرح قائم رہ سکتے ہیں، آپ نے فرمایا جب تک تمہارے ائمہ تم کو اس پر قائم رکھیں گے تب تک قائم رہا جاسکتا ہے، اس نے پوچھا ائمہ سے کون مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہاری قوم میں کچھ ایسے سردار اور اشراف نہیں ہیں جن کے حکم کا اتباع قوم کرتی ہو، اس نے کہا کیوں نہیں، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یہ لوگوں کے ائمہ ہیں۔ (۵۵)

اس خاتون کو حضرت ابوبکر نے نہ جھڑکا اور نہ یہ کہا کہ تمہاری آواز کا بھی پردہ ہے اور تمہیں مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ نہایت طاقت اور اعتماد کے ساتھ اس خاتون نے حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کی اور آپ بھی اس سے گفتگو کرتے رہے اور اس کے سوالات کا جواب دیتے رہے۔

ہ: ام حرام کی رسول اللہ ﷺ سے اس دعا کی درخواست کہ اللہ انہیں بحری مجاہدین میں سے بنائے:

یہ جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کا ایک اور نمونہ ہے، یہ نمونہ حضرت ام حرام کی ذات سے وابستہ ہے، جسے امام بخاری نے **باب الدعاء بالجهاد و الشهادة للرجال و النساء** میں یوں نقل کیا ہے: اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ ﷺ ام حرام بنت ملحان کے پاس جاتے تھے تو وہ آپ ﷺ کو کھانا کھلاتی تھیں، ام حرام حضرت عبادہ کی اہلیہ تھیں، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے، انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اور پھر آپ کے سر میں جوئیں دیکھنے لگیں، اسی حال میں رسول اللہ ﷺ سو گئے؟ پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ حضرت ام حرام کہتی ہیں: میں نے دریافت کیا کیوں ہنس رہے ہیں؟ فرمایا: ''مجھے میری امت کے کچھ ایس لوگ دکھائے گئے جو اس سمندر میں تخت شاہی پر بیٹھے بادشاہوں کی طرح سفر کرتے ہوئے جہاد کریں گے۔

ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا کریے کہ وہ مجھے ان میں شامل

فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا کردی، پھر آپ سو گئے، تھوڑی دیر بعد پھر آپ ﷺ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ اسی طرح جہاد کرتے ہوئے دکھائے گئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔ فرمایا تم پہلے والوں میں سے ہو، ایسا ہی ہوا حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے عہد خلافت میں ام حرام نے سمندری سفر کیا (یعنی بحری غزوہ میں شریک ہوئیں) اور سمندر سے نکلتے ہوئے اپنی سواری سے گر پڑیں اور آپ کا انتقال ہو گیا۔ (۵۶)

و: حدیبیہ میں حضرت ام سلمہ کا مبارک مشورہ:

حضرت ام سلمہ کو معاملات کی گہری سمجھ تھی، صلح حدیبیہ کے صلح نامہ کی بعض شقوں پر بعض صحابہ زبردست غم وغصہ کی کیفیت سے دوچار تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس صلح کی بعض شقوں میں جھکنے کا رویہ اختیار کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے انکو اس سال واپس ہونے اور جانور قربان کردینے کا حکم دیا، لیکن انہیں اس صلح سے جو زبردست دھکا لگا تھا اس کی وجہ سے انہوں نے گویا کہ آپ ﷺ کی بات سنی ہی نہیں، اس صورت حال میں آپ ﷺ حضرت ام سلمہ کے پاس آئے اور ان کو صحابہ کی اس کیفیت کے بارے میں بتایا، حضرت ام سلمہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ آپ باہر نکل کر اپنا جانور قربان کردیجئے، پھر یہ لوگ آپ کا اتباع کرلیں گے، رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ کے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے باہر نکلے اور آپ نے اپنا جانور قربان کردیا، جب آپ کو یہ کرتے ہوئے صحابہ نے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جانوروں کو بہ طیب خاطر قربان کردیا۔

امام بخاریؒ نے اپنی سند سے مسور بن مخرمہ اور مروان کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں، یہ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں کہ....رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ: ''چلو قربانی کے جانور ذبح کرو اور پھر حلق کراؤ''۔

راوی کہتے ہیں کہ واللہ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی کھڑا نہیں ہوا، یہاں تک کہ آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی، جب کوئی بھی اس کام کے لئے کھڑا نہیں ہوا تو آپ حضرت ام سلمہ کے

پاس گئے، اور آپ کو لوگوں کے اس طرزِ عمل سے جو تکلیف ہوئی تھی اس کا آپ نے ان سے اظہار کیا، جس کو سن کر حضرت ام سلمہ نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو باہر نکل کر کسی سے کچھ نہ بولئے، اپنا جانور قربان کر دیجئے اپنے سر کا حلق کرنے والے کو بلوائیے اور وہ آپ کا حلق کر دے، آپ باہر نکلے، آپ نے کسی سے بات کئے بغیر ایسا ہی کیا، یعنی اپنا جانور ذبح کر دیا، اور اپنے حلق کرنے والے کو بلا کر حلق کرایا، جب لوگوں نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ اٹھے اور انہوں نے اپنے جانور ذبح کئے اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے...(۵۷)۔

اس واقعہ سے فقہاء نے یہ جزئیہ اخذ کیا ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرنا جائز ہے، بلکہ ان سے مشورہ لیا جائے گا، ان کو مشورہ دینے اور لینے کا حق حاصل ہے، یہاں تک کہ نہایت اہم معاملات اور نازک سیاسی مسائل میں بھی ان کو شریک مشورہ کیا جائے گا۔

ز: حضرت اسماء بنت عمیس کا حضرت عمر سے مباحثہ اور رسول اکرم ﷺ کا حضرت اسماء کی بات کو صحیح قرار دینا:

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ہم یمن میں تھے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی، میں اور میرے دو بھائی آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے چلے، میں سب سے چھوٹا تھا، ان دونوں میں سے ایک ابو بردہ تھے، اور دوسرے ابو رہم، حضرت ابو موسی نے بیان کیا کہ ہماری قوم کا ایک پورا قافلہ تھا جن کی تعداد انہوں نے یا تو پچاس سے زائد، یا ترپن یا باون بتائی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم سب ایک کشتی میں سوار ہوئے، ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے پاس یعنی حبشہ جا پہنچایا، وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوئی، ہم نے وہیں قیام کیا، پھر ہم سب ایک ساتھ آئے، اور فتح خیبر کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دوسرے لوگ ہم کشتی سے آئے ہوئے لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم کو ہجرت کے سلسلہ میں تمہارے مقابلہ میں شرف سبقت حاصل ہے، ہمارے ساتھ آنے والوں میں ایک خاتون اسماء بنت عمیس تھیں، وہ نبی کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت حفصہ کے پاس ملاقات کرنے گئیں، انہوں نے بھی دیگر مہاجرین حبشہ کے ساتھ

ہجرت کی تھی۔ابھی حضرت اسماءان کے پاس ہی تھیں کہ حضرت عمران کے پاس آئے، حضرت اسماءکو دیکھ کر حضرت عمر نے دریافت کیا کہ یہ کون خاتون ہیں؟ حضرت حفصہ نے کہا اسماء بنت عمیس، حضرت عمر نے پوچھا وہی جو حبشہ سے آئی ہیں، جو بحری سفر کر کے آئی ہیں؟ حضرت اسماء نے کہا: ہاں! حضرت عمر بولے ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی تھی اس لئے ہم تمہارے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ حق دار ہیں، حضرت اسماء کو یہ سن کر غصہ آ گیا، وہ بولیں: ہرگز نہیں، تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، تم میں سے کوئی بھوکا ہوتا تو آپ ﷺ اس کو کھانا کھلاتے، تمہارے جاہلوں کو وعظ کہتے، اور ہم ایک دور دراز کی نامانوس سرزمین حبشہ میں تھے جہاں کے لوگ بھی ہم سے بغض رکھتے تھے، ایسا اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہی تھا، اور اللہ کی قسم اس وقت تک میں کچھ کھاؤں گی پیوں گی نہیں جب تک تمہاری یہ بات رسول اللہ ﷺ کو نہیں بتا دوں گی، ہم نے اذیت وخوف کے عالم میں وہاں دن گذارے، میں یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ سے بتاؤں گی، بخدا نہ جھوٹ بولوں گی، نہ غلط باتیں کروں گی اور نہ کچھ اضافہ کروں گی، پھر جب رسول اللہ ﷺ آئے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! عمر نے ایسا ایسا کہا ہے، آپ نے دریافت فرمایا: پھر تم نے اس سے کیا کہا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے بھی ان کو یہ یہ جواب دے دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے مقابلہ میں ہمارا زیادہ حق دار نہیں ہے، اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک ہجرت کی ہے، جب کہ اے اہل سفینہ! تم نے دو ہجرتیں کی ہیں، حضرت اسماء کہتی ہیں کہ پھر میں نے ابوموسی سمیت اہل سفینہ کو دیکھا کہ وہ میرے پاس کئی کئی کی تعداد میں آتے اور اس حدیث کی بابت دریافت کرتے، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے جو ان کے بارے میں فرمایا تھا اس سے زیادہ ان کے لئے دنیا میں کوئی چیز خوشی کا باعث یا اہم نہیں تھی۔(۵۸)''

ح: حضرت ام درداءؓ نے عبدالملک بن مروان کو ٹوکا:

امام مسلم نے اپنی سند سے زید بن اسلم کے حوالہ سے نقل کیا کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت ام درداءؓ کی خدمت میں قالین وغیرہ ہدیہ میں بھیجے۔ایک روز عبدالملک رات میں بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے خادم کو آواز دی، جسے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو عبدالملک نے اس پر لعنت بھیجی، صبح ہوئی تو حضرت ام درداءؓ نے عبدالملک بن مروان سے کہا: میں نے رات آپ کو جب آپ نے اپنے

خادم کو بلایا تھا اس پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا تھا، اس کے بعد حضرت ام درداءؓ نے کہا کہ میں نے حضرت ابودرداءؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء اور شہداء میں سے نہ ہوں گے۔(۵۹)

ط: حضرت ام ہانیؓ نے ایک شخص کو پناہ وامان دی:

اگر مؤمن کسی کو پناہ دے دے تو اس کی پناہ کا خیال رکھنا واجب ہے، یہ حکم صرف مؤمن مردوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ مؤمن خواتین کی پناہ کا بھی یہی حکم ہے، امام بخاری نے باب أمان النساء و جوارھن میں اپنی سند سے عمر بن عبید اللہ کے مولی ابونضر کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب کے مولی ابومرہ نے ان کو بتایا کہ انہوں نے حضرت ام ہانیؓ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ: میں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ غسل کر رہے تھے، اور آپ کی صاحب زادی فاطمہ نے آپ کو پردہ میں لیا ہوا تھا، میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا ام ہانی بنت ابی طالب، آپ نے فرمایا خوش آمدید، پھر جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے آٹھ رکعت نماز ایک کپڑا پہنے ہوئے پڑھی، پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں جائے علیؓ کا کہنا ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دے گا جس کو میں نے پناہ دی ہوئی ہے، یعنی فلاں ابن ہبیرہ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دی ہم نے بھی اس کو پناہ دی، ام ہانی نے کہا یہ چاشت کے وقت کی بات ہے۔(۶۰)

ی: حضرت حفصہ کو امت کے نئے خلیفہ کی نامزدگی کی فکر:

جب حضرت عمرؓ پر حملہ ہوا تو اگلے خلیفہ کی تعیین کی فکر صرف مردوں کو ہی نہیں تھی، بلکہ اس سماجی سرگرمی میں چند عورتوں نے بھی حصہ لیا، جن میں سے ایک حضرت حفصہ بنت عمر بھی تھیں، حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ وہ حضرت حفصہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے والد کسی کو اپنا جانشین متعین نہیں کر رہے ہیں؟ ابن عمر نے کہا: وہ ایسا نہیں کریں گے، حضرت حفصہ نے کہا وہ ایسا کریں گے، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ پھر میں نے قسم کھائی کہ میں ان سے اس سلسلے میں ضرور بات

کروں گا، پھر میں نے صبح تک ان سے بات نہ کی، اور مجھ پر اس بات کا اس قدر بوجھ تھا جیسے کسی پہاڑ کا بوجھ مجھ پر ہو، پھر میں واپس آ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے مجھ سے لوگوں کے حالات پوچھے، میں نے حالات بتانے کے بعد کہا کہ میں نے کچھ لوگوں کو ایک بات کرتے ہوئے سنا تو میں نے قسم کھائی کہ میں وہ باتیں آپ کو ضرور بتاؤں گا، لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کسی کو جانشین متعین نہیں کریں گے، اگر آپ کسی کو اونٹوں یا بکریوں پر نگراں مقرر کریں اور پھر وہ جانوروں کو چھوڑ کر آپ کے پاس آ جائے تو آپ کا خیال یہ ہوگا کہ اس نے سارے جانور کھو دیے، لوگوں کی نگہبانی کا معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میری اس بات سے حضرت عمر نے اتفاق کیا، پہلے اپنا سر تھوڑی دیر کے لئے جھکایا اور پھر اس کو اٹھا کر ارشاد فرمایا: اللہ تعالی اپنے دین کی حفاظت تو کرے گا ہی، اور اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا، اور اگر میں کسی کو نامزد کروں تو ایسا ابوبکر نے کیا تھا، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا تذکرہ کیا تو مجھے خیال ہوا کہ کسی کے طرزِ عمل کو اسوۂ نبوی کے برابر قرار نہیں دیں گے، اور اس وجہ سے کسی کو نامزد بھی نہیں کریں گے۔ (٦١)

اس واقعہ میں حضرت حفصہ کے کردار پر غور کریے، حضرت عمرؓ ان کے والد تھے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ اپنے والد کی اس حالت پر اس قدر غمگین ہوں کہ اس جیسے معاملہ میں وہ غور فکر کرنے کے قابل ہی نہ رہیں، لیکن اس دردناک حادثہ نے ان کو مسلمانوں کے بڑے مسائل سے غافل نہیں کیا۔

معاشی وسماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت اور شرعی ضابطوں کے مردوزن کے اختلاط کی یہ محض چند مثالیں ہیں، اگر ہم سنت نبوی اور سیرت طیبہ میں درج ایسے تمام واقعات کا تتبع کریں تو اس سلسلۂ گفتگو کو ختم نہ کر سکیں گے۔ ڈاکٹر محمد عمارہ کہتے ہیں: ''اسلام نے عورت کے سامنے آزادی کے دروازے کھولدیے، اور اس آزادی کو فطرت کے ضابطوں نیز اسلام کی اقدار کا پابند کیا ہے، اسلامی آزادی کے عطا کردہ امکانات کے ذریعہ مسلم خاتون نے اپنی ان صلاحیتوں کا احیاء کیا جو بت پرستانہ جاہلیت کے زمانے میں ماند پڑ گئی تھیں۔ اسی لئے ہم اسے عبادات سے معاملات تک کے تمام میدانوں میں مردوں کے ساتھ شریک پاتے ہیں، وہ صرف گھریلو ذمہ داریاں ہی نہیں نبھاتی تھی بلکہ شوری،

سیاست ومعاشرت کے میدانون میں بھی اس کی حصہ داری تھی، اسی طرح وہ جائز تفریح میں بھی شریک ہوتی تھی، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم مدرسۂ نبوت کی تربیت یافتہ خاتون کو مردوں کے ساتھ جنگ کے میدانوں میں بھی شریک دیکھتے ہیں۔(۶۲)

اس مقام پر ہم کتاب **تحریر المرأة فی عصر الرسالة** کا اور اس کی پہلی جلد کا حوالہ دینا ضروری سمجھتے ہیں جس میں اس کے مصنف نے اس بات کو متواتر ثابت کرنے والی دسیوں مثالیں ایسی پیش کی ہیں جن کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

تشریع اسلامی کے مصدر اور امت کے لئے سرچشمۂ ہدایت کی حیثیت رکھنے والی یہ مثالیں آج کی دیندار خواتین کے مردوں کے ساتھ اور بالخصوص دیندار مردوں کے ساتھ رویہ کو غلط نیز غلو پسندانہ رویہ ثابت کرتی ہیں اور ان کے دوہرے رویہ کی بھی نشاندہی کرتی ہیں، یہ خواتین جب کسی دیندار مرد کو دیکھتی ہیں تو ان کی ایسی کیفیت ہوتی ہے جیسے انہوں نے کوئی ایسا بھوت یا جن دیکھ لیا ہو جس سے بچنا ضروری ہے، ورنہ ان کو وہ نقصان اٹھانا پڑے گا جو لوگوں کو جن اور شیاطین سے اٹھانا پڑتا ہے....! حالانکہ یہی خواتین کہیں معاشی سرگرمیوں میں یا عوامی مقامات پر دوسرے مردوں سے ملتی ہیں تو ان سے فطری طور پر ضرورت کے وقت گفتگو کرتی ہیں، انہیں سلام کرتی ہیں، اور بازار میں تاجروں سے خرید وفروخت کی بابت ایسا زبردست بحث ومباحثہ کرتی ہیں کہ ایک ماہر وذہین تاجر کو ان سے زیادہ کوئی قابو میں کرنے والا آپ نے نہیں دیکھا ہوگا....!

ان نصوص اور واقعات پر غور کرنے سے دیندار مسلم خاتون اس دوہرے رویہ سے محفوظ رہتی ہے جس میں آج کی متعدد خواتین مبتلا ہیں۔

اس حقیقت کو جاننے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ہم حدیث کی صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کے چند ابواب کے عناوین ہی پڑھ لیں، ایسا کرنے سے عجیب وغریب حقیقت سامنے آتی ہے:

باب جهاد النساء (باب: عورتوں کا جہاد)

باب غزو المرأة في البحر (باب: سمندر میں عورت کا جہاد)

باب غزوة النساء وقتالهن مع الرجال (باب: مردوں کے ساتھ غزوات اور جنگوں

میں خواتین کی شرکت)

باب مداواة النساء الجرحى (باب: عورتوں کے ذریعہ زخمیوں کا علاج اور ان کی تیمارداری)

باب رد النساء القتلى والجرحى (باب: عورتوں کا مقتولین اور زخمیوں کو واپس لانا)

باب أمان النساء وجوارهن (باب: عورتوں کا کسی کو امان اور پناہ دینا)

باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم (باب: کیا عورتوں کے لئے تعلیم کا ایک الگ دن مخصوص کیا جاسکتا ہے)

باب ذهاب النساء والصبيان إلى العرس (باب: عورتوں اور بچوں کی شادی میں شرکت)

باب قيام المرأة على الرجال في العرس وخدمتهم بالنفس (باب: شادی میں عورت کے ذریعہ مردوں کی خدمت)

باب عظة الإمام النساء وتعليمهن (باب: امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور تعلیم دینا)

باب عيادة النساء الرجال (باب: عورتوں کے ذریعہ مردوں کی عیادت)

باب المرأة ترقي الرجل (باب: عورت کا مرد پر دم کرنا)

باب هل يداوي الرجل المرأة والمرأة الرجل (باب: کیا مرد عورت کا علاج اور تیمارداری کرسکتا ہے اور کیا عورت مرد کا علاج اور تیمارداری کرسکتی ہے)

باب تسليم الرجال على النساء والنساء على الرجال (باب: مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا)

باب بيعة النساء (باب: عورتوں کی بیعت)

ان کے علاوہ اور بھی ایسے عناوین صحیح بخاری میں پائے جاتے ہیں جو نبوی معاشرہ میں خواتین کی سرگرم شرکت کا پتہ دیتے ہیں، یہ تمام عناوین حدیث کی صرف ایک کتاب کے ہیں، اگر ہم تمام کتب حدیث کا جائزہ لیں تب تو خدا جانے کیا نتیجہ نکلے گا؟!!

۳-عہد رسالت کے بعد کے نمونے

ایسا نہیں ہے کہ خواتین کا یہ کردار صرف عہد نبوی میں ہی پایا گیا ہو، بلکہ بعد کے زمانوں میں زمانہ کے ارتقاء، مقامات کی تبدیلی اور انسانوں نیز حالات کی ضرورتوں کے اعتبار سے خواتین کا یہ کردار متنوع اور وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں:

الف: اندلس کی ۶۷ خواتین:

ابن الآبار (متوفی ۶۵۸ھ) نے اپنی کتاب "أعلام نساء الأندلس" میں ۶۷ مشہور خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ (۶۳) محقق کتاب ڈاکٹر منجد مصطفیٰ بہجت نے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: "نمایاں و مشہور خواتین کی اس تعداد سے روزانہ کی زندگی میں عورت کے کردار اور اس کی متعدد سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے، اس سے وہ تصویر اور یقینی ہو جاتی ہے جو اس موضوع کی اندلسی تصنیفات سے سامنے آتی ہے.... اس تصویر میں عورت اعلیٰ طبقہ کے بچوں کی مربی اور مدرس نظر آتی ہے، مثلاً ابن حزم نے عورت کے ہی زیر تربیت اور زیر درس رہتے ہوئے قرآن حفظ کیا، خوش خطی سیکھی اور شعر کا اعلیٰ ذوق حاصل کیا"۔ (۶۴)

اندلسی خواتین کے تذکرہ نگاروں میں سے: مقری نے نفح الطیب میں ۲۴ خواتین کا تذکرہ کیا ہے، ابن عبد الملک مراکشی نے ذیل وتکملہ میں ۵۵ پر قلم اٹھایا ہے اور سیوطی نے اپنی کتاب نزهة الجلساء میں ۴۰ خواتین کا تذکرہ لکھا ہے جن میں سے ۱۶ اندلسی خواتین ہیں۔ ڈاکٹر احمد عبد الرزاق کہتے ہیں: "سخاوی نے اپنی کتاب الضوء اللامع کی ایک جلد میں نویں صدی ہجری/ پندرہویں صدی عیسوی کی ایک ہزار سے زائد خواتین کی شخصیت کا تعارف کرایا ہے، ان میں سے اکثریت کا اس زمانہ میں مصر کی معاشرتی زندگی میں بڑا حصہ تھا۔ (۶۵)

ب: ازدہ بنت حارث.....ایک فاتح خاتون:

یہ مجاہد خاتون میدان جنگ میں زبردست بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ داخل ہوئی اور دشمنوں پر واضح کامیابی حاصل کی، مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

اہل میسان (٦٦) نے مسلمانوں کے خلاف جمع ہو کر حملہ کیا، ان کی کمان فلیکان (ایک ایرانی سپہ سالار) کے ہاتھ میں تھی، مغیرہ بن شعبہ نے مرغاب (٦٧) پر ان سے مقابلہ کیا، اور انہیں دجلہ کے پار دھکیل دیا۔

ازدہ بنت حارث نے عورتوں سے کہا کہ ہمارے مرد دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں، اور ہم یہاں مردوں کے بغیر تنہا رہ رہے ہیں (٦٨)، مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں دشمن ہم پر حملہ نہ کر دیں، ہماری حفاظت کرنے والے بھی یہاں موجود نہیں ہیں، اور ایک اور خوف بھی مجھے ستا تا ہے کہ کہیں دشمنوں کی تعداد مسلمانوں پر بھاری نہ پڑ جائے اور نتیجۃً وہ کہیں مسلمانوں کو شکست نہ دے دیں، اگر ہم بھی نکل پڑیں تو ہم اس خوف سے بھی نجات پا جائیں گے کہ کہیں دشمن ہم تک نہ پہنچ جائیں، اور ہم کو میدان جنگ میں آتا دیکھ کر مشرکین کو خیال ہوگا کہ مسلمانوں کے پاس زبردست کمک آ گئی ہے، یہ بات ان کو توڑ کر رکھ دے گی، اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یہ بہترین حربہ ہوگا۔

اس خاتون نے صرف عورتوں کی حفاظت کی ہی فکر نہیں کی، بلکہ ایک ایسے جنگی حربہ کی منصوبہ بندی بھی کی جس سے وہ دشمنوں کے لشکر کو شکست دے سکیں، ہم اس کے کس کس کام پر تعجب وحیرت کریں، اپنی قوم اور اسلام کے تئیں اپنی ذمہ داری کا اس کا احساس مثالی تھا، اگر مسلمان اس مثالی نمونہ کی پیروی کریں تو وہ کتنی فتحیں حاصل کر سکتے ہیں! خیر اس خاتون کی اس تجویز کو خواتین نے قبول کیا، انہوں نے اپنے دوپٹے کا جھنڈا بنایا اور دیگر خواتین نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کا جھنڈا بنایا اور خواتین کا یہ لشکر ازدہ بنت حارث کی سربراہی میں چل پڑا، وہ یہ شعر بھی پڑھتی جاتی تھیں:

یا ناصر الإسلام صفا بعد صف   إن تهزموا وتدبروا عنا نخف

(اے صف در صف اسلام کی مدد کرنے والو! ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اگر تمہیں شکست ہوگئی اور تم ہم سے بچھڑ گئے تو کیا ہوگا؟)

یہ خواتین مسلم لشکر کے پاس عین جنگ کی حالت میں پہنچیں، مشرکین نے جب جھنڈوں کو آتا

دیکھا تو سمجھے کہ مسلمانوں کے لشکر کے پاس کمک آ پہنچی ہے، یہ سوچ کر وہ چھٹ گئے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔(۶۹)

اگر ہم اپنی امت کے لئے مفید بننا چاہتے ہیں، اور اپنے رب کو راضی کرنے کی تمنا رکھتے ہیں تو ہمیں ایسی روح اور ایسے شعور کے ذریعہ نیز اپنے پاس اور دوسروں کے پاس موجود معطل صلاحیتوں کو جلد استعمال کر کے اپنی ذاتی ذمہ داری کو سمجھنا چاہئے۔

ج: ملک حنفی ناصف.... ہمہ گیر اصلاح کی علمبردار:

یہ معاشرتی امور کی عظیم مصنفہ تھیں، ۱۸۸٦ء میں قاہرہ کے ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئیں جہاں علم وادب کا خاص اہتمام تھا، المدرسۃ السنیۃ میں ابتدائی علوم کی تعلیم حاصل کی، اور وہاں سے ۱۹۰۰ء میں پرائمری اسکول کی ڈگری لی، اس سال پہلی مرتبہ اس ڈگری کے لئے لڑکیوں نے امتحان دیا تھا، پھر وہ اسی اسکول کے اگلے مرحلے میں منتقل ہوگئیں اور وہاں سے ہائی اسکول کی ڈگری حاصل کی۔

ملک اپنی قوم سے زبردست محبت کرتی تھیں، انہیں اپنے وطن سے نہایت محبت وغیرت کا تعلق تھا، مصری معاشرہ میں پائے جانے والے پچھڑے پن اور انحطاط پر انہیں سخت تکلیف تھی، انہیں جب محسوس ہوا کہ ان کی قوم کو اصلاح کی ضرورت ہے تو انہوں نے طے کیا کہ وہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی کر سکیں گی کریں گی، لوگوں کی راہ نمائی کریں گی، ان کی تربیت بھی کریں گی، پھر وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں معاشرہ کے مسائل کی ہمہ گیر اصلاح پر گفتگو کرنے لگیں، اور لڑکیوں کے سرکاری اسکولوں میں پڑھانے لگیں، وہ اپنی سہیلیوں اور شناسا خواتین کے گھر جا کر ان سے اپنی بیٹیوں کو اسکولوں میں بھیجنے کے لئے اپیل کرتیں۔

پھر انہوں نے اسکولوں میں تدریس چھوڑ دی اور اپنے شوہر کے گھر میں عملی تعلیم دینے لگیں، وہ اپنے گھر کے اکثر کام خود انجام دیتیں، صرف اس لئے کہ وہ ان دوسری خواتین کے لئے ایک نمونہ ہوں جنہوں نے اپنے گھروں کے کام ایسوں کے سپرد کر دیے ہیں جو نہ ان کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں اور نہ ان میں مہارت رکھتے ہیں، اور اس طرح یہ خواتین اپنے شوہروں کو نہایت پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہیں، ملک جب امور خانہ داری سے فارغ ہوتیں تو مفید کتابوں کا مطالعہ کرتیں، خواتین کے

حالات جاننے کی کوشش کرتیں، لڑکیوں کے اسکولوں میں جاتیں، وہاں کے نصاب تعلیم کو دیکھتیں، تاکہ لڑکیوں کی تربیت اور ماؤں کے اصلاح حال کے لئے وہ صحیح رائے اور پختہ فکر حاصل کرسکیں، قوم ووطن کے تئیں اپنی ذمہ داری کا ان کا زبردست احساس اس راہ کی ہر مشکل کو ان کے لئے آسان کردیتا۔

پھرانہوں نے اپنے گھر میں ایک کلب بنایا، متعدد مغربی ومشرقی خواتین وہاں آتیں، ان کے افکار، آراء اور ان کی راہ نمائیوں سے مستفید ہوتیں، ملک انگریزی اور فرنچ زبانیں بہت اچھی جانتی تھیں، اپنی اس صلاحیت کو انہوں نے اپنے بلند اہداف کے حصول کے لئے استعمال کیا، وہ بہترین خطیب تھیں، عورتوں میں تقریریں کیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ انہوں نے دارۃ الجریدہ میں اور ایک مرتبہ یونیورسٹی میں سیکڑوں خواتین کو جمع کر کے نہایت نفیس تقریریں کیں، جن میں اعتدال، صنف نازک سے ان کی محبت اور اپنی نگاہ میں اہم کاموں پر آخری درجہ کی محنت کرنے جیسے ان کے اوصاف واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

پھرانہوں نے صرف انہی کاموں پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایسے متعدد پروجیکٹس کی تاسیس میں انہوں نے قائدانہ کردار ادا کیا جو پورے معاشرہ اور بالخصوص خواتین کے فائدہ کے لئے بنائے گئے تھے۔ اسی سلسلہ کی چند کڑیاں یہ ہیں کہ انہوں نے اتحاد النساء التھذیبی کی بنیاد رکھی، نہایت اہم کام کے لئے ایک پروگرام بنایا، لیکن وہ اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکیں، طرابلس کے مظلوموں کے لئے زبردست رقم جمع کی، اور پہلی عالمی جنگ کے موقعہ پر ایک نرسنگ اسکول قائم کیا، اور مصر کی تنظیم ہلال احمر کے لئے سو مکمل جوڑے خود بنے، لیکن ان سارے کاموں کی وجہ سے وہ اپنے شوہر اور رشتہ داروں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوئیں، جو ضرورتمند ان کو نظر آتے وہ ان کا بھی خیال رکھتی رہیں، اور اپنے والد کی خدمت بھی کرتی رہیں۔

غیر ممالک میں بھی ان کی کچھ اہل تعلق تھیں جن سے ان کی خط وکتابت تھی، مشہور امریکی صحافی الزبیتھ کو برنے ان کی زبردست تعریف کی ہے، اس خاتون صحافی نے اپنی کتاب **المرأة المصرية** کا انتساب ان کی جانب کیا ہے، اور یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ مصر کی اس محققہ سے اس نے بہت استفادہ کیا ہے اور مصری خواتین کی بابت اس کی متعدد آراء کی غلطیوں کی تصحیح بھی انہوں نے کی ہے۔

اس کے علاوہ وہ بہت سی قیمتی علمی اور ادبی کتابوں کی مؤلف تھیں۔

اس طرح ملک نے ایک روشن چراغ کی مانند زندگی گزاری، وہ اپنی ہم جنسوں کو ہدایت اور معاشرہ کو ترقی کی راہ دکھاتی رہیں، اور اپنی وسعت بھر محنت کی اور مال بھی اس سلسلے میں خوب خرچ کیا، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ امت کے مسائل پر فوری توجہ دینے کا وقت آ گیا ہے تو انہوں نے اپنے آرام وسکون کو خیر باد کہا اور نمایاں مصلح خواتین میں سے ایک ہوگئیں (۷۰)۔

غرض ہمیں ان کی ذات میں ہمہ گیر اصلاح کی حصولیابی کے لئے گھر کے کاموں اور سماجی سرگرمیوں کے درمیان توازن قائم کرنے کا ایک نہایت نایاب نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

د: لبیبہ احمد:

وہ ۱۸۷۵ء میں ایک ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئیں، گھر والوں نے نہایت ماہر خواتین اساتذہ سے عربی زبان کی تعلیم دلوائی، پھر اپنے گھر پر سیرت نبوی (علی صاحبھا الصلوۃ والسلام) اور ضروری شرعی علم حاصل کرنے کے بعد المدرسۃ السنیۃ سے وابستہ ہوئیں، اسی وجہ سے وہ بھی ملک ناصف کی طرح اسلامی تعلیمات سے خوب واقف تھیں، انہوں نے اخبارات میں ایک دوسرے نام سے بامقصد تحریریں لکھنی شروع کیں، پھر جب ۱۹۱۹ء میں مصر میں ہنگامۂ انقلاب برپا ہوا تو انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ عزلت کی زندگی ترک کردیں، ہدی شعراوی اور نبویہ موسی کے ساتھ وہ بھی وطنی انقلاب سے جڑ گئیں، ان سب کی کوششوں سے ۱۶/ مارچ ۱۹۱۹ء بروز اتوار عورتوں نے ایک مظاہرہ کرکے انقلاب کو کچلنے کے لئے انگریزوں کی جانب سے کئے جارہے مظالم، بے گناہوں کے قتل اور تجبر غاشم میں مظاہرین کے خلاف گولی چلانے کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔

اس مظاہرہ کی کامیابی کے نتیجہ میں ھدی شعراوی کی قیادت میں الاتحاد النسائی تشکیل پایا، مصر میں خواتین کی بیداری کے سلسلے میں اس موقعہ پر ہمیں دو طریقے نظر آتے ہیں، ایک اس الاتحاد النسائی کا طریقہ جس کی قیادت ہدی شعراوی کر رہی تھیں، یہ یورپی تمدن کے مظاہر سے متأثر ہونے کی وجہ سے سیاسی رجحان رکھتا تھا اور ایسی قدروں کا داعی تھا جن کا سرچشمہ اسلامی قدریں نہیں تھیں۔

جب کہ دوسرا راستہ اس صحیح اسلامی تربیت کا راستہ تھا جس کی بنیا اصول شریعت اور قرآنی اخلاقیات پر تھی، امید تو یہ تھی کہ اسے مکمل تائید حاصل ہوگی لیکن غیر انصاف پسند صحافت نے بے پردگی

اوراختلاط کے داعیوں کے لئے اپنے صفحات مہیا کرادیے، اورخواتین کی ترقی کو یورپی خواتین کے نقش قدم پر چلادیا۔

اس ماحول میں جب کہ طرح طرح کی آراء سامنے آرہی تھیں محترمہ لبیبہ احمد نے معاشرہ پر ان رجحانات کے منفی اثرات کومحسوس کیااوراس سلسلے میں کچھ کرنے کوسوچا، پھران کی رائے ''النھضۃ النسائیۃ'' کے نام سے ایک پرچہ نکالنے کی ہوئی، اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی ہم رائے خواتین کی چند میٹنگیں سبتیہ میں واقع اپنے مشہور گھر میں کیں، اور اس گھر کو اپنی نئی تنظیم ''جمعیۃ نھضۃ السیدات المصریات'' کامرکز بنایا، تاکہ اس کے ذریعہ وہ ملک کے اعلی طبقہ کے کلبوں میں ہونے والی ان مجلسوں کا مقابلہ کرسکیں جوخواتین کو بے حیائی اور بے جااسراف کی دعوت دیتی تھیں، اس جمعیت کا کام بہت مشکل تھا، اس لئے کہ اس کی مخالفت میں وہ اصحاب قلم سامنے آگئے جوعورت کواعتدال وسکون کے ساتھ رہنے دینانہیں چاہتے، بلکہ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو بےچینی اور پریشانی کی تاریکیوں میں پھینک دیں۔

ان کی جمعیت نے اپنے کام کا آغاز ''دارالیتیمات'' کی تعمیر کے لئے چندہ کرنے سے شروع کیا، تاکہ یہ ادارہ ان چھوٹی بچیوں کومدداور پناہ فراہم کرسکے جن کے سرپرست اس دنیا میں نہیں رہے، ان کو یہاں ہرطرح کی سہولیات ملیں، غذا بھی، کپڑے بھی اورتربیت بھی، یہ کام اگرچہ بہت اہم تھا لیکن پھربھی اسے حکومت کی جانب سے تھوڑی سی بھی ہمت افزائی نصیب نہیں ہوئی، لبیبہ احمداوران کی محترم ساتھیوں نے ہی اس سلسلہ میں تعاون کیا، یہ کام کیسا بحسن وخوبی انجام پایااس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں رہنے والی لڑکیاں جب یہاں سے نکلیں تو وہ زیورعلم سے بھی آراستہ تھیں، سلائی کڑھائی جیسے ہنربھی جانتی تھیں، نہایت شاندارکھانے پکاتی تھیں، اورانہیں خصوصیات کی وجہ سے یہ لڑکیاں مشکل زندگی کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہیں۔

محترمہ لبیبہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ معاشرہ کی راہنمائی اور بے حیائی وبے پردگی کے رجحانات سے اس کی حفاظت میں ایک سرگرم کردارادا کریں، اس لئے انہوں نے مجلّہ ''النھضۃ النسائیۃ'' جاری کیا جوبیس سال تک لگاتارامتیازی شان کے ساتھ شائع ہوتارہا۔

''النھضۃ السیاسیۃ'' کے وہ اداریے جو ہر ماہ لبیبہ احمدتحریرکرتی تھیں وہ عورتوں کی صحیح ترقی کی

ایک تاریخ رقم کرتے تھے، ان اداریوں میں وہ مخالف رجحانات کے مضامین پر بھی گفتگو کرتی تھیں، یہ مجلّہ اچھے اخلاق، ذی علم خاندانوں اور اچھے نوجوانوں کی تشکیل کے سلسلے میں بھی اہم کردار ادا کرتا رہا۔(۱۷)

بہر حال اس عظیم مسلم خاتون نے جو علم حاصل کیا، تنظیمیں قائم کیں، یتیموں کی پرورش اور سیاسی حصہ داریوں کے لئے مراکز قائم کئے اور النھضۃ النسائیۃ کی صورت میں عظیم علمی کارنامہ انجام دیا یہ سارے کام اسی کا نتیجہ تھے کہ انہوں نے اپنی ذات، دین، معاشرہ اور امت کے تئیں اپنی ذمہ داری کے احساس کے ماتحت خود کچھ کرنا چاہا۔

ہ: زینب الغزالی:

ان کے ملک کی سب سے بڑی اور اہم سیکورٹی ایجنسی نے ان کو خریدنا چاہا تا کہ وہ دعوت الی اللہ کا کام ترک کردیں، یا ''السیدات المسلمات'' کا اپنا ہیڈ کوارٹر بند کردیں، اس ایجنسی کے ذمہ داران نے ان کو لالچ دی کہ انہیں مجلّہ ''السیدات المسلمات'' کا ایڈیٹر برقرار رکھا جائے گا، انہیں ممتاز مقام دیا جائے گا، اور ۳۰۰ جنیہ مصری ان کی تنخواہ ہوگی (خیال رہے کہ یہ پچھلی صدی کی چھٹی دہائی کی بات ہے) لیکن مجلّہ میں جو کچھ لکھا جائے گا اس سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں ہوگا، یہ سب سن کر انہوں نے کہا: یہ ناممکن ہے کہ مجلّہ السیدات المسلمات انٹیلیجنس کے دفتروں سے نکلے اور جمال عبدالناصر کے سیکولرزم کی نشر واشاعت کرے۔

اس کے بعد اس ایجنسی کے کارندوں نے ان کو یہ پیش کش کی کہ ان کا ہیڈ کوارٹر دوبارہ کھول دیا جائے گا، اور اسے سالانہ بیس ہزار مصری جنیہ کی امداد بھی دی جائے گی لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ کمیونسٹ اتحاد کا ادارہ ہو، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ: ان شاء اللہ ہمارا کام صرف اسلام کی خاطر ہی ہوگا، وہ لوگ جو اسلام کے نام پر کماتے ہوں اس کی خدمت کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔

حکومت کی جانب سے ان سے کہا گیا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ مفاہمت کا رویہ اختیار کریں تو کل سے معاشرتی امور کی آپ وزیر ہو جائیں گی، اس پر انہوں نے ہنستے ہوئے کہا: سچے مسلمانوں کو منصب گمراہ نہیں کر سکتے۔

جب بہت سے داعیوں کو جلا وطن کر دیا گیا تو انہوں نے اپنے آپ کو ان کے اہل وعیال کی خدمت میں لگا دیا، اس زمانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں: ''جن یتیموں کے والد حکومتی اداروں کی

سزاؤں کے نتیجے میں اس دنیا سے گذر گئے تھے، جو عورتیں بیوہ ہوگئی تھیں اور جن کے شوہر قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے ان کی چیخیں میرے جگر کو چھلنی کرتی تھیں ... میں اپنے آپ کو فاقہ زدوں کی مصیبتوں اور مظلوموں کے زخموں کے ذمہ داروں میں سے ایک شمار کرتی تھی، اس لئے میں نے ان کے لئے تھوڑا بہت کچھ کرنا شروع کر دیا۔

درحقیقت یہ خاتون آہن اپنے اعمال کو ہمیشہ اپنے بلند ارادوں اور حد درجہ کی تواضع کی وجہ سے ''تھوڑا بہت'' ہی تصور کرتی تھی۔

رات کو وہ مطالعہ کرتیں اور اپنے معاونین کے ساتھ دعوت کے مستقبل پر غور و خوض اور اس کی بابت منصوبہ بندی کرتیں، لیکن یہ زوردار سرگرمیاں، لامتناہی جذبے اور بلند ہمتیں ان کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے جو ان کی حقیقی عظمتوں سے واقف تھے، اور جانتے تھے کہ معاشرہ پر ان کا کیسا اثر ہے، حکومتی اداروں اور ایجنٹوں نے رات کی تاریکیوں میں ان کی نگرانی شروع کر دی یہاں تک کہ وہ انہیں ان کے گھر سے اٹھا کر جیل لے گئے، جہاں انہیں ایسی سزائیں دی گئیں جن پر قوی ہیکل مردوں کی ایک جماعت بھی صبر نہ کر سکے، ایک عورت کا تو ذکر کیا؟ ذمہ داروں نے انہیں جنگی قید خانہ کے بدترین مجرم آفیسرس اور سپاہیوں کے سپرد کر دیا تا کہ یہ بدبخت جیل کے اندر ان کی زندگی بدترین بنا دیں، ان بدبختوں نے ان کے جسم پر بیہوش ہونے تک کوڑے برسائے، نہایت گندی گالیاں دیں، ... انہیں لٹکا کر کے اتنا مارا کہ پورا جسم زخموں سے نہال ہو گیا، ... بھوکا رکھا، ... ان کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کی بھی کوشش کی ... غرض ان کی عقلوں میں جو گندے سے گندا ہتھکنڈا آ سکتا تھا انہوں نے اس کو اپنایا، تا کہ اس پاک نفس خاتون سے اس کی سرگرمیوں اور اس کے معاونین کی بابت کچھ اگلوالیں، یا کم از کم عبدالناصر کے لئے صرف معافی ہی منگوالیں، لیکن انہوں نے ایسا کچھ بھی کرنے سے انکار کر دیا، ایسا ایک بار نہیں ہوا، یہ ایک دن کی بات نہیں تھی ایسا روزانہ ہوتا، ہر ہفتہ ہوتا، ہر مہینہ ہوتا، پھر بھی وہ اللہ کی بندی ثابت قدم رہی، صبر و استقامت کی ایک تاریخ رقم کرتی رہی۔

جب بھی ان کا جسم اور ان کی ہڈیاں ان مصائب کا نشانہ بنتیں وہ اللہ کے حضور میں دست بستہ یوں عرض گذار ہوتیں: اے اللہ مجھے اپنے ماسوا سے یکسو کر کے میری توجہ کو اپنے لئے خالص کر دیجئے، بار

الٰہا! میری توجہ کو اپنے لئے خالص کر دیجئے، اے واحد واحد! اے فرد وصمد! ہر غیر سے یکسو کر کے مجھے صرف اپنا بنا لیجئے، اپنی سکینت سے نواز دیجئے، اپنی محبت سے نہال کر دیجئے۔

اس بدترین مصیبت میں انہیں کئی بار رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، اس سے ان کی ڈھارس بندھتی اور صبر واستقامت کا مزید جذبہ پیدا ہوتا، خود ان کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اے زینب! تم حق پر ہو...اے زینب! تم حق پر ہو، اے زینب! تم اللہ کے بندے اور رسول محمد کے نقش قدم پر ہو''۔ اس کے بعد ان کی آنکھ کھلی تو انہیں نہ کوڑوں کی تکلیف کا احساس تھا اور نہ ہی ان صلیبوں کا جن پر رات میں انہیں لٹکایا گیا تھا۔

ایسی زبردست آزمائش پیہم کے دوران بھی وہ اپنی دعوت سے غافل نہیں ہوئیں، اسی لئے جب بھی حکومتی ذمہ داروں نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ جو کچھ جھوٹ بولتے جائیں یہ اسے لکھتی جائیں تو انہوں نے اس کو حق کے اظہار کا ایک بہترین موقع جانا، ایسے ہی ایک موقع پر انہوں نے جیل کے ذمہ داروں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ: ہمارا مقصد ہے کہ ہم اللہ کی جانب لوگوں کو بلائیں، اس کی شریعت کو ملکی قانون بنانے کی دعوت دیں، میں اللہ کے نام پر تمہیں اس بات کی دعوت دیتی ہوں کہ تم اپنی جاہلیت سے باز آجاؤ، اور اپنے اسلام کی تجدید کرلو...اور اپنے قلوب پر چھائی اس تاریکی سے توبہ کرو....اے اللہ گواہ رہئے گا کہ میں نے آپ کی دعوت پہنچادی، اگر یہ لوگ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول فرمالیجئے گا''۔

ان کی اس طرح کی گفتگوئیں ان بدبختوں کے اور آگ لگا دیتیں، اور پھر وہ انہیں ان کے موقف سے دست بردار کرنے کے لئے وہ سب کچھ کرتے جو شیطان کے وہم وگمان میں آسکتا ہے، بلکہ ایسی حرکتیں بھی کرتے جن کا خیال شیطان کو بھی نہیں آسکتا، لیکن پھر بھی یہ بدبخت بری طرح ناکام ہوئے، اور اللہ کی اس بندی نے ان کی ان سزاؤں پر مکمل صبر کیا جن کی تفصیلات ہم ان چند سطروں میں تحریر نہیں کر سکتے، وہ روئیں نہیں، جھکیں نہیں، انہوں نے رحم کی درخواست نہیں کی، ظالموں نے انہیں اتنا مارا کہ ان کے جسم کے زخموں نے ان ظالموں کو بھی مجبور کر دیا کہ انہیں اسپتال لے جائیں، اسپتال میں بھی یہ ظالم ظلم وایذا رسانی سے باز نہیں رہے، پھر بھی ان سے کچھ نہ اگلوا سکے۔

انہیں جیسے ہی عافیت کے تھوڑے دن ملتے، حکومتی ادارے پھر انہیں جنگی قید خانہ لے جاتے

تا کہ عبرت ناک سزائیں دینے کا اپنا شوق پورا کریں، پھر بھی نہ ان کی عزیمت پہ فرق آیا اور نہ انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا۔

ہم نے جو کچھ بھی یہاں بیان یا تحریر کیا ہے وہ ایذا رسانی، بھوکا رکھنے، ڈرانے اور عبرت ناک سزائیں دینے کے اس طویل سلسلہ کے صرف چند حصے ہی ہیں جس کے مقابلہ میں اس بندی خدا نے پہاڑوں جیسی استقامت کا ثبوت دیا، ان کا یہ طرز عمل تاریخ، دعوت اسلامی، اصول ونظریہ پر گہرے یقین اور اپنے اختیار کردہ مشن کے ساتھ وفاداری کا ایک لازوال نمونہ ہے(۷۲)۔

و: فلسطینی خواتین:

فلسطینی خواتین کا تذکرہ نہایت غم انگیز ہے، قیدی، برسر پیکار، مجاہد، داعی، ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔

اس موضوع پر پوری ایک کتاب ہے (۷۳) جس میں اس کے مؤلف نے دار ورسن کی صعوبتیں جھیلنے والی خواتین، مرتبۂ شہادت پر فائز خواتین اور حضرت خنساء کے اسوہ کا اتباع کرنے والی خواتین کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔

دار ورسن کی صعوبتیں جھیلنے والی چند خواتین یہ ہیں: عطاف علیان، آمنہ منی، احلام التمیمی، ہبہ العطاری، رحاب الخطاری، فداء الرحی، اور سعاد غزال۔

چند شہید خواتین: وفاء ادریس، نورا شلہوب، دارین ابو عیشہ، آیات الاخرس، عندلیب طقاطقہ، ہبہ ضراغمہ، ہنادی جرادات، ریم الریاشی، سناء قدیح اور زینب ابوسالم۔

حضرت خنساء کا اتباع کرنے والی خواتین میں سے انہوں نے ان خواتین کا تذکرہ کیا ہے: ام نضال فرحات، ام نبیل حلس، نعیمہ العابد، نزہت زیادہ، ادیبہ رزق۔

اس طرح فلسطینی خواتین نے سماجی سرگرمیوں کی انسائیکلوپیڈیا میں، بلکہ اسلام کے اہم ترین ومقدس ترین باب جہاد میں اپنی قربانیوں سے نورانی سطریں ثبت کی ہیں۔

فلسطین کی مجاہد خواتین نے ہمارے ذہنوں میں عہد صحابہ کی ان خواتین کی یاد تازہ کردی جنہوں نے تحریک اسلامی کے قافلے کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

اس کے علاوہ ایک اور کتاب نضال محمد الھندی کی ہے، جس کا نام ہے: "**أضواء على نضال المرأة الفلسطينية**" اس کتاب میں مصنفہ نے ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۹۲ء تک فلسطینی خواتین کی بہادری کی تاریخ ۲۷۵ صفحات میں پیش کی ہے، اس میں انہوں نے عورتوں کے اجتماعی، سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی حالات نیز ان کی صحت کی صورت حال کی تبدیلی میں انتفاضہ کے اثرات بیان کئے ہیں۔ (۴۷) فلسطینی خواتین کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ سے ان کا تذکرہ ضروری ہے، اسی لئے ہم یہاں پر ان میں سے دو کا تذکرہ کر رہے ہیں: جمیلہ الشنطی اور ام نضال فرحات۔

ز: جمیلہ الشنطی:

ان فلسطینی مجاہد خواتین میں سے ایک معاصر خاتون ہیں جمیلہ الشنطی، جو کہ فلسطینی قانون ساز کونسل میں حماس کی نمائندہ ہیں، ۲ر نومبر ۲۰۰۶ء کو بیت حانون میں انہوں نے فلسطینی خواتین کی قیادت کرتے ہوئے اس متکبر اور طاقت ور صہیونی دشمن کا مقابلہ کیا جو اپنے مقابل آنے والے یا ایسا کرنے کا خیال رکھنے والے ہر آدمی کو دور سے ہی ہلاک کرنے والے آلات سے لیس تھا، جمیلہ الشنطی نے ایسا اس لئے کیا تھا تا کہ بیت حانون میں موجود فلسطینی مجاہدین پر سے صہیونی حصار کو ختم کر سکیں، اس موقعہ پر تین خواتین شہید ہوئیں، اور ایک بڑی تعداد زخمی ہوگئی، اس واقعہ نے ہمیں بلکہ تمام باعزت اور آزاد لوگوں کو اسلام کے عہد اولین کی ان خواتین کی یاد دلا دی جنہوں نے میدان جنگ میں براہ راست حصہ لیا تھا، فلسطین کی ان مجاہد خواتین نے مسلمانوں کے سامنے پھر وہی عظیم نمونے پیش کر دیے ہیں، گفتار کے ہر غازی کی آواز پست کر دی ہے اور کسی جویائے عذر کے لئے کوئی گنجائش عذر کرنے کی نہیں چھوڑی ہے اور ہماری حکومتوں، ہمارے حکمرانوں اور خود ہمارے بھی سر شرم سے جھکا دیے ہیں، کہ وہ تو میدان جہاد میں ہیں اور ہم مال واسباب کے چکر میں پڑے ہیں۔

فلسطین کی قانون ساز کونسل میں حماس کی نمائندہ جمیلہ الشنطی وہ بہادر خاتون ہیں جنہوں نے صہیونی دشمنوں کے خلاف عورتوں کی اس جنگ کی قیادت کر کے صہیونیوں کے خلاف فسلطینی تحریک میں اپنا اور فسلطینی خواتین کا نام درج کرایا، اور یہ ثابت کیا کہ مشکل اوقات میں تمام فلسطینی بچے اور فلسطینی عورتیں مرد ہونے کا ثبوت دیتی ہیں، جب بھی کوئی مؤرخ فلسطین پر صہیونی قبضہ اور فلسطینیوں کی تحریک

آزادی کی تاریخ لکھے گا تو مجاہد فلسطینی خواتین کے کردار سے صرف نظر نہیں کر سکے گا اور ممبر پارلیمنٹ جمیلہ الشنطی کو فراموش نہ کر سکے گا۔

صہیونی قائدین اور ان کے تجزیہ کاروں نے خواتین، بالخصوص اس مجاہد خاتون کے اہم کردار اور اس کے ترتیبی و تاریخی اثرات کا ادراک کر لیا ہے۔

متعدد صہیونی قائدین اور مبصرین کے نزدیک بیت حانون میں محصور مجاہدین پر سے صہیونی حصار توڑنے کا جو کارنامہ فلسطینی خواتین نے انجام دیا ہے وہ ایک ناقابل یقین تاریخی واقعہ ہے، تحریک ''میریٹس'' کے سربراہ یوسی بیلن (جو کہ ماضی میں وزیر قانون رہ چکا ہے) کا کہنا ہے: ''ان عورتوں کا یہ کارنامہ ناقابل یقین ہے، اور بہادری کا ایسا نمونہ ہے جس سے فلسطینی تحریک آزادی کو مزید اعتبار اور احترام حاصل ہوگا''۔

صہیونی ریڈیو کے ساتھ ایک انٹرویو میں (جو کہ ۵ نومبر ۲۰۰۶ء بروز اتوار کی صبح عبرانی زبان میں نشر کیا گیا) بیلن نے یہ مانا کہ ان عورتوں کی اقتدا کی خواہش تمام فلسطینی، عرب اور پورے عالم کے مسلمان کرنا چاہیں گے۔

اخبار ''ہارٹس'' کے جنگی مبصر جنرل زئیف شیف نے کہا: ''ان عورتوں نے ایک تاریخ رقم کی ہے، یہ جس زبردست ایمان اور پختہ عقیدہ سے متصف ہیں اس نے ان کو ایسا خطرہ مول لینے پر آمادہ کیا جس کے نتیجے میں تین خواتین شہید ہوگئیں اور بہت سی خواتین زخمی ہوگئیں تا کہ وہ ان فلسطینی مجاہدین پر سے محاصرہ ختم کرا سکیں جو کہ مسجد میں محصور تھیں''۔ شیف کا ماننا ہے کہ بیت حانون کی خواتین نے جو کارنامہ حماس کی ممبر پارلیمنٹ جمیلہ الشنطی کی قیادت میں انجام دیا اسے ایک نہایت اہم واقعہ کے طور پر لکھا جائے گا اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھا جائے گا۔

معروف جنگی مبصر عاموس ہارئیل نے کہا کہ بیت حانون کا واقعہ قابض صہیونیوں کے خلاف فلسطینی خواتین کے زبردست کردار کی ناقابل انکار حقیقت کو سامنے لاتا ہے، اس مبصر کا ماننا ہے کہ قابض فوج کے خلاف تحریک آزادی میں فلسطینی خواتین کے کردار کی بابت بہت لکھا جائے گا۔

عربی معاملات کے صہیونی مبصر دانی روبنٹائن کا کہنا ہے کہ بیت حانون میں قابض فوج کے

خلاف برسر پیکار مجاہدین کے ساتھ فلسطینی عوام کی اکثریت نے باوجود شدید مصائب کے جیسا تعاون کیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ پوری فلسطینی قوم اس تحریک میں شریک ہے، یعنی فلسطینی مجاہدین اور قوم کے درمیان زبردست اتحاد ہے، اس کا ماننا ہے کہ ان مجاہدین کو چھڑانے کے لئے فلسطینی خواتین نے اپنی جان کی جیسی بازی لگادی وہ اس کی زبردست دلیل ہے، تمام اسرائیلی عہدہ داران ومبصرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسرائیل بیت حانون پر اپنی مسلسل کارروائی کے کسی بھی ہدف کو حاصل نہیں کرپائے گا۔

صہیونی انفراسٹرکچر منسٹر بنیامین بن یعازر نے صہیونی فوج کے قائدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: ہم غزہ میں متعدد بار داخل ہوئے ہیں، ہم نے وہاں کے سیکڑوں جنگجوؤں کو قتل کیا ہے اور یرغمال بنایا ہے، تب بھی ہم ان کے ساتھ جنگ کو فیصلہ کن مرحلہ تک نہیں پہنچا سکے ہیں۔

۵رنومبر ۲۰۰۶ء بروز اتوار کی صبح کو ہی صہیونی ریڈیو نے بن یعازر کا یہ بیان نقل کیا کہ: ''ہم قسام راکٹوں کے داغے جانے کے سلسلہ کو روک نہیں سکتے، سچی بات یہی ہے کہ ہم ایسا نہیں کرسکتے ہیں، اس لئے اب ہمیں دوسرے طریقہ ہائے کار کی بابت سوچنا چاہئے''۔ یہودی قائدین ومفکرین کو اس کا ادراک ہے، لیکن ہمیں نہیں ہے، کاش یہ تحریک نسواں ہماری اور ہمارے حکام کی غیرت کو جھنجھوڑے نیز ہم کو اور ہمارے حکام کو اپنے حالات بدلنے پر آمادہ کرے تاکہ اللہ ہمارے اور ان کے حالات تبدیل کردے، اور اللہ کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے۔(۷۵)

ح: ام نضال فرحات:

آخر میں فلسطینی مجاہد خواتین میں سے ایک اور کا تذکرہ کیا جارہا ہے، اس خاتون کو فلسطینی ''فلسطین کی خنساء'' کہتے ہیں، یہ خاتون ہیں فلسطینی قانون ساز کونسل کی ممبر اور معروف مسلم مجاہدہ ام نضال فرحات۔

ان کا نام مریم محمد محسیس ہے، وہ شہر غزہ میں ۲۴ردسمبر ۱۹۴۹ء کو ایک عام خاندان میں پیدا ہوئیں، ان کے دس بھائی اور پانچ بہنیں ہیں، مریم تعلیم میں ممتاز تھیں، فتحی عرفات (ابو نضال) سے شادی نیز ۶ بیٹوں اور ۴ بیٹیوں کی ماں بننے تک تعلیم کا سلسلہ انہوں نے جاری رکھا۔

اس زمانہ کے فلسطینی معاشرہ میں دین داری کا تصور نہیں تھا، اسی لئے ام نضال بھی دیگر

خواتین کی طرح شرعی احکام کی پابندی نہیں کرتی تھیں، لیکن ان کی دلی خواہش ان کو ایک نابینا عالم شیخ یعقوب کی مجلس میں حاضری پر آمادہ کرتی تھی، شیخ موصوف ان کے گھر کے پاس واقع مسجد اصلاح میں درس دیا کرتے تھے۔

مریم نے شیخ کی گفتگوؤں سے فائدہ اٹھایا، اور بہت تیز رفتاری کے ساتھ وہ راہ ہدایت پر گامزن ہوتی چلی گئیں، اپنے پورے خاندان بلکہ پورے محلّہ میں وہ واحد ایسی باپردہ خاتون تھیں جو نمازی اور حیا شعار تھیں، اس سلسلہ میں انہوں نے بڑی مشقتیں اٹھائیں، اس لئے کہ اس زمانہ میں لوگ دینداری کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے اس خاتون کو اپنی دینداری پر استہزاء کا نشانہ بننا پڑا۔

اپنی اولاد کی تربیت کی بابت وہ بتاتی ہیں: میں نے اپنے بچوں کے دلوں میں جو مبادیات ان کے بچپن سے ہی پیوست کی تھیں وہی ان کے شاندار مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں، شادی کے وقت میرے دل میں اسلام و جہاد کی محبت جاگزیں تھی، نیز میں ان اقدار وتعلیمات سے بہرہ ور تھی جو اسلام کو سربلند کرتی ہیں، اور امت کو ایک بار پھر باعزت مقام سے روشناس کرانے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اس لئے میری خواہش کہ میں ان اقدار وتعلیمات بلکہ تمام اسلامی اقدار وتعلیمات کو اپنی اولاد کے دلوں میں جاگزیں کروں، اس لئے کہ وہ خیر ومعروف کے زیادہ حق دار ہیں، اس کے علاوہ میں نے ان کی تربیت کے مثالی طریقے اختیار کئے، میں وہ طریقۂ تربیت استعمال کرتی جو ان کے لئے زیادہ مؤثر ہوتا تا کہ ان کو اخروی سعادت سے بہرہ ور کیا جا سکے۔

اس قابل رشک اسلامی تربیت کا فطری نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تین بیٹوں کو شہادت کی نعمت سے سرفراز کیا۔ اپنے ان شہید بیٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں: ''میرے یہ بیٹے ضائع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ انہوں نے اپنی ذمہ داری جانی، اسے ادا کیا اور اللہ نے ان کو جام شہادت نوش کرایا''۔

جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ اپنے بیٹوں کی جدائیگی کے غم کے باوجود انہوں نے کس طرح صبر کیا تو انہوں نے کہا: ''یہ ہر مسلم کا فرض ہے.... یہ ہمارے عظیم دین اسلامی کا طے کردہ فریضہ ہے، ہر مسلمان پر صبر واجب ہے، یہ کوئی اعلیٰ درجہ کی دین داری نہیں ہے بلکہ یہ تو ہر مسلمان مرد وخاتون کا فریضہ ہے.....غم تو ہر انسان کی فطرت میں اللہ نے رکھا ہے، لیکن ہم مسلمان اس سلسلے میں عام انسانوں

سے بالکل جدا ہیں، ہمارے پاس بھی انسانی احساسات وجذبات اور جوش مارتی ماتا ہے، لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ہم اپنے احساسات وجذبات کو شرعی ضابطوں کا پابند کریں، کوئی بھی چیز شریعت خداوندی سے باہر نہیں ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک حد مقرر کردی ہے، جس سے تجاوز کسی بھی طرح روا نہیں ہے، چاہے بات ہمارے جذبات کی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر میں اپنے جذبات واحساسات کے آگے جھک جاؤں تو میں پھر کچھ بھی نہیں کرسکتی، بیٹے کی جدائیگی دل پر نہایت شاق گذرتی ہے، اس کے غم کو وہی سمجھ سکتا ہے جس پر یہ بیتی ہو، لیکن جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ تکلیفیں اللہ کی خاطر ہیں، اور ان شاء اللہ ان کا ہمیں ثواب ملے گا اور ان کی وجہ سے ہم سعادت آخرت سے بہرہ ور ہونگیں تو پھر ہمیں انہیں برداشت کرلینا چاہئے... یہ دنیا انسان کی عمر میں چند لمحوں کی حیثیت رکھتی ہے، اور نہایت بے حیثیت ہے، لہذا آخرت کی کامیابی کی خاطر ہمیں ان چیزوں کو برداشت کرنا چاہئے، نہیں تو کیا ہمیں اس لئے آخرت کو ہاتھ سے جانے دینا چاہئے کہ ہم ان مصیبتوں پر صبر نہیں کرسکتے''۔

اپنے تیسرے بیٹے ''رواد'' کی خبر شہادت ملنے پر اپنی کیفیت بتاتے ہوئے وہ کہتی ہیں: ''یہ معاملہ میرے لئے نہایت مشکل تھا، لیکن میں نے اللہ کے حکموں کی پابندی کی، نہایت مشکل اوقات میں بھی میرے ذہن سے یہ بات محو نہیں ہوتی ہے کہ میں اللہ کا پسندیدہ کام کروں، اس لئے کہ صدمہ لاحق ہوتے ہی صبر کرنا مطلوب ہے، میں نے یہ خبر سنی تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا اور اس سے یہ دعا کی کہ وہ میرے بیٹے کو اپنی راہ کا شہید بنائے''۔

ان کے یہ ناقابل فراموش جملے سنئے: ''ہمیں اپنی اولاد سے محبت ہے، لیکن اللہ سے ہم اولاد سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اے مسلمانو! اپنی اولاد کے لئے جنت حاصل کرنے میں بخل سے کام نہ لو، اسلحہ کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کی قیمت استعمال کرنے والے کے دم سے ہے، میرے بیٹے محمد نے شیرون کی اس فوج کو شکست دی جو نہایت محفوظ سمجھی جاتی تھی''۔

جہاد ومجاہدین کی بابت اپنے نظریہ کی وجہ سے انہوں نے پہلے انتفاضہ کے وقت اپنے گھر کو مجاہدین کی مامون پناہ گاہ بنادیا، اور ان کی مدد کو اپنا فریضہ جانا، وہ ان سارے مجاہدین کی ماں تھیں اور وہ سب بفضل خداوندی ان کے بیٹے۔ ان میں سے ایک شہید کمانڈر عماد عقل بھی تھے، وہ بتاتی ہیں کہ یہ

وقت خوفناک ترین وقت تھا لیکن طاعت کی لذت خوف پر ہمیشہ غالب آجاتی تھی۔

اس ''فلسطینی خنساء'' کو فلسطین کی قانون ساز کونسل کے ممبر کے لئے امیدوار بنایا گیا، اور وہ کامیاب بھی ہوئیں، بعد میں وہ جہاد وسیاست کی راہ پر مسلسل گامزن رہیں تاکہ وہ فلسطینیوں کو ان کے حقوق دلانے کے اپنے مشن کی تکمیل کر سکیں۔ ام نضال نے متعدد عرب ممالک کا سفر کر کے جہاد کے لئے ان کی تائید حاصل کی اور فلسطینیوں کے جہاد کے لئے امداد جمع کی۔

وہ کہتی ہیں: ''ہم اپنے مکمل حقوق حاصل کر سکتے ہیں، ٹینک، بمبار طیارے اور صہیونی-امریکی راکٹ ہم کو ڈرا نہیں سکتے، لیکن یہ سب چیزیں ہمارے دین وایمان کے سامنے مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہیں، لہذا بہادروں کو میدان میں آنا چاہئے اور بزدلوں کو اپنے گھر بیٹھنا چاہئے''۔(٧٦)

مجاہد خاتون اور مسلم بہن کا یہ ہمارا پسندیدہ ماڈل ہے، گھر میں اس نے اپنی اولاد کی تربیت کرتے ہوئے ایمانی واسلامی اصولوں پر ان کی پرورش کی، انہیں اخلاق کریمانہ سے متصف کیا، جہاد وشہادت کی محبت کو ان کے دل میں جاگزیں کیا، میدان جہاد میں خود بھی مجاہد ثابت ہوئی، اور اپنے لخت ہائے جگر کو جہاد پر ابھارا، اپنے تین بیٹوں کی خبر شہادت پر اسے غم تو ہوا، لیکن اس نے شریعت کے حکموں کی پیروی کرتے ہوئے صبر واحتساب کیا اور شکر خداوندی ادا کیا، سیاسی عمل میں وہ نہایت سرگرم رہی اور اپنی محروم قوم کے حقوق کا مطالبہ کرتی رہی، اور اللہ نے اسے جس پختہ ایمان ویقین اور اسلام کی ناقابل تسخیر محبت سے نوازا تھا اس کے ذریعہ وہ دشمنوں کے سامنے نہایت مضبوط چٹان اور پہاڑ ثابت ہوئی۔

اگر ہم اس موضوع (سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے نمونے) پر بات کرتے چلے جائیں تو یہ سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے گا، ممتاز مؤرخ عمر رضا کحالہ نے اسلامی تاریخ کی عظیم خواتین کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ''**أعلام النساء في عالمي العرب والإسلام**'' میں تین ہزار خواتین کا تذکرہ کیا ہے، یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

چوتھی فصل

چنداعتراضات اوران کے جوابات

پہلا اعتراض: عورت اپنی فطری ساخت کے اعتبار سے سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل نہیں ہے

دوسرا اعتراض: حدیث نبوی ''لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة'' کامفہوم

تیسرا اعتراض: حدیث نبوی '' ناقصات عقل ودين'' کا مطلب

چوتھا اعتراض: حدیث نبوی ''الضلع الأعوج'' کامفہوم

پانچواں اعتراض: آیت قرآنی ''وقرن في بيوتكن'' کا مطلب

چھٹا اعتراض: حدیث نبوی ''المرأة عورة'' کامفہوم

ساتواں اعتراض: مرد قوام ہیں تو پھر وہ عورت کے ماتحت کیسے رہ سکتے ہیں

آٹھواں اعتراض: عورت کے باہر نکلنے سے بے حیائی پھیلتی ہے، اور زنا کے اسباب فراہم ہوتے ہیں

نواں اعتراض: عورت منحوس ہے اور جہنمیوں کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہوگی

دسواں اعتراض: میراث میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے

گیارہواں اعتراض: معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل خواتین کم اور کامیاب کمتر ین ہیں

بارہواں اعتراض: سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ہے

تیرہواں اعتراض: عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے

چودہواں اعتراض: عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے

پندرہواں اعتراض: خاتون کی آواز کا پردہ شریعت میں ضروری ہے

سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے جواز پر بہت سے اعتراضات کئے جاتے ہیں،ان میں سے بعض اعتراضات عورت کو نااہل قرار دے کر اس طرح کی سرگرمیوں کے لئے نامناسب قرار دیتے ہیں،بعض کی بنیاد صحیح نصوص کے غلط فہم پر مبنی ہے اور بعض اعتراضات میں موضوع ومنکر نصوص سے استدلال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ پچھلے صفحات میں مذکورہ صحیح نصوص وآثار،غور وفکر پر مبنی عقلی دلائل اور تشریع کی حیثیت رکھنے والے عہد نبوی کے نمونے ہر اعتراض کا مسکت جواب دے دیتے ہیں،لیکن ہم پھر ان میں سے چند اعتراضات کا تذکرہ کر کے ان کی حقیقت واضح کریں گے،واللہ المستعان۔

پہلا اعتراض: عورت اپنی فطری ساخت کے اعتبار سے اس کی اہل نہیں ہے:

اس شبہ کا حاصل یہ ہے کہ عورت کی جسمانی ساخت میں جو کمزوری پائی جاتی ہے، اور اس کی نفسیاتی ساخت میں جیسی نرمی اور شفقت پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے وہ اپنی بنیادی ذمہ داری مامتا اور پرورش کی تو اہل ہے لیکن گھر کے باہر کے کاموں کی اس میں اہلیت نہیں پائی جاتی ہے۔

ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ عورت مشکل کام کرے گی، بلکہ ہمارے نزدیک وہ اپنے لئے مناسب فلاحی، ثقافتی، فکری، سیاسی اور معاشرتی کاموں میں شرکت کرے گی، اس موضوع پر کافی کلام ''شرکت کے مستثنیات'' کے زیرعنوان کیا جاچکا ہے۔

اسی طرح ہمارا یہ بھی کہنا نہیں ہے کہ عورت وجوبی طور پر اپنے گھر، شیرخوار بچوں اور شوہر کو چھوڑ کر دوسرے کام کرے اور اپنی مقدس ذمہ داری کی پرواہ نہ کرے، بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ اپنی بنیادی ذمہ داری انجام دیتے ہوئے اس کے درمیان اور معاشرہ کی ضرورتوں کے درمیان توازن قائم کرے، اور اگر ان دونوں ذمہ داریوں میں بہرصورت تعارض پایا جائے تو وہ گھر، اولاد اور شوہر کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو ترجیح دے۔

دوسرا اعتراض: حدیث نبوی ''لن یفلح قوم ولوا أمرھم امرأۃ'' کا مفہوم:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنگ جمل میں اصحاب جمل کی جانب سے شریک ہونے جارہا تھا کہ مجھے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہوا ایک جملہ یاد آیا اور اس موقع پر اس نے مجھے فائدہ پہنچایا، وہ کہتے ہیں کہ جب اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو فرمانروائے مملکت بنالیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنا ذمہ دار کسی عورت کو بنایا ہو''۔(۷۷)

یہ ایک صحیح نص ہے جو ان حضرات (معترضین) کے نزدیک یہ بتاتا ہے کہ عورت کو ذمہ دار بنا کر کسی طرح کی کامیابی ممکن ہی نہیں ہے، اور اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ عورت کو ''ولایت عامہ'' سپرد کرنا ممنوع ہے، یعنی اسے سربراہ مملکت، وزیر، ڈائریکٹر، قاضی یا اس جیسے تمام وہ مناصب نہیں دیے جاسکتے جن کو ''ولایت'' کہا جاسکے۔

اس حدیث کے صحیح مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ہم شیخ محمد الغزالی کا ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں: وہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس موضوع (یعنی عورت کی ''ولایت عامہ'') کی بابت مروی حدیث پر میں نے غور کیا تو اگر چہ یہ حدیث باعتبار سند و متن صحیح ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ جس وقت ایرانی مقبوضات کا اسلامی لشکر کے ہاتھوں یکے بعد دیگرے سقوط ہو رہا تھا اس وقت وہاں ایک ظالم و نامبارک ملکہ حکومت کر رہی تھی۔

دین بت پرستی پر مبنی تھا، حکمراں خاندان مشورے کا قائل نہیں تھا اور مخالف رائے برداشت نہیں کرتا تھا، اس کے افراد کے آپسی تعلقات آخری درجہ کے خراب تھے، اپنے ذاتی مفادات کے لئے وہاں باپ اور بھائیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، اور قوم سر تسلیم خم کئے ہوئے اطاعت شعاری کا ثبوت دے رہی تھی...

جب ایرانی فوجوں کے مقابلہ میں رومیوں نے ایک زبردست شکست کے بعد واضح فتح حاصل کی تھی تو یہ ممکن تھا اور مملکت کے مصالح بھی اسی کے متقاضی تھے کہ زمام حکومت ایک ایسے ماہر فوجی قائد کے ہاتھ میں دی جائے جو اپنی صلاحیتوں سے ان شکستوں کے سیلاب کو روک دے، لیکن سیاسی بت پرستی نے قوم و مملکت کو ایک بالکل ناواقف و نااہل لڑکی کی میراث بنا دیا تھا، جس کی وجہ سے صاف نظر آ رہا تھا کہ اب حکومت کا دم واپسیں ہے۔

اس مکمل صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اپنی یہ بالکل صحیح بات ارشاد فرمائی تھی، یعنی آپ کا یہ کلام اس صورت حال کے تمام پہلوؤں کے مدنظر تھا، اگر ایران میں حکومت کی ایک شوری ہوتی، اور کوئی ایسی عورت حکمراں ہوتی جیسی اسرائیل کی ''گولڈ میر'' تھی اور اس نے فوجی قائدین کو فوجی معاملات سپرد کر دیے ہوتے تو ایسے حالات میں آپ ﷺ کا تبصرہ کچھ اور ہوتا...

آپ مجھ سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ تو میں جواب دوں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں لوگوں کو سورۂ نمل سنائی تھی، جس میں اس ملکہ سبا کا بھی تذکرہ تھا جس نے نہایت حکمت اور ذہانت سے ایمان و فلاح کی نعمت کے حصول کے سلسلہ میں اپنی قوم کی قیادت کی تھی، اور یہ ناممکن ہے کہ آپ اپنی کسی حدیث میں اپنے اوپر نازل ہوئی وحی کے خلاف حکم دیں۔

بلقیس ایک وسیع مملکت کی بادشاہ تھی، جس کے بارے میں ہدہد نے کہا تھا: {إِنِّیْ وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ } ترجمہ: (میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان کی حکمراں ہے، جسے ہر نعمت حاصل ہے اور اس کا ایک بڑا عرش ہے) اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی نیز اسے استکبار وسرکشی کے رویہ سے روکا تھا، جب اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملا تو اس نے اس خط کے جواب کے لئے خوب غور وفکر کیا، اور ذمہ داران حکومت سے مشورہ کیا، جنہوں نے یہ کہتے ہوئے اس کی رائے پر تعاون کرنے کی یقین دہانی کرائی کہ: {نَحْنُ أُوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيْدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْن } ترجمہ: (ہم طاقت والے اور زبردست جنگی صلاحیتوں کے مالک ہیں، اب آپ جیسا فیصلہ کریں آپ غور کرلیں کہ ہمیں کیا حکم دینا ہے)۔

لیکن اپنی طاقت اور قوم کی جانب سے اپنی اطاعت سے واقف یہ عورت دھوکہ میں نہیں آئی بلکہ اس نے کہا کہ: ہم سلیمان کو آزما کر دیکھتے ہیں کہ وہ حکومت ودولت کا طالب ایک طالع آزما ہے یا صاحب ایمان ودعوت نبی؟ پھر حضرت سلیمان سے اپنی ملاقات کے وقت بھی وہ اپنی عقل وذہانت سے کام لیتی رہیں، اور یہ جائزہ لیتی رہیں کہ حضرت سلیمان کا مقصد اصلی کیا ہے اور ان کے کام کیسے ہیں، اس طرح ان کے سامنے یہ حقیقت آ گئی کہ وہ ایک نبی صالح ہیں اور اس موقع پر انہیں حضرت سلیمان کا خط بھی یاد آیا {إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيْمِ o أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِيْ مُسْلِمِيْن} اس سب کے بعد انہوں نے بت پرستی کو چھوڑنے اور اللہ کے دین میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا اور یوں گویا ہوئیں: {رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ} (اے میرے رب اب تک میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اور اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرتی ہوں)۔

تو کیا قوم سبا اس خاتون کو حکمراں بنا کر برباد ونامراد ہوئی؟ یہ عورت یقیناً اس مرد سے بہتر تھی جس سے قوم ثمود نے اونٹنی کو قتل کرنے اور اپنے نبی حضرت صالح کو ناکام کرنے کو کہا تھا: {فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَo فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِo إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً

فَكَانُوا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ o وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ } (تو انہوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی جس نے وار کر کے (اونٹنی کی) کوچیں کاٹ دیں، پھر ہم نے ان کو کیسا عذاب دیا اور کیسا ڈرایا، ہم نے ان کے اوپر بس ایک چیخ بھیجی پس ایسے ہو گئے جیسا بڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس، اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے)

اس کے بعد شیخ غزالی نے ان خواتین کے نمونے پیش کئے ہیں جن کے زیر قیادت ان کی قوموں نے ترقی دی ہے، جیسے انگلینڈ کی ملکہ وکٹوریا، ہندوستان کی اندرا گاندھی، اور اسرائیل کی گولڈ میر، پھر لکھتے ہیں: ''مسئلہ مردانگی ونسوانیت کا نہیں ہے، بلکہ اخلاق ونفسیاتی صلاحیتوں کا ہے۔

اندرگاندھی نے یہ دیکھنے کے لئے انتخابات کرائے کہ اس کی قوم اسے بطور حکمراں منتخب کرتی ہے یا نہیں، اسے اپنے ذریعہ کرائے گئے ان انتخابات میں شکست ہوگئی، لیکن کچھ عرصہ بعد پھر اس کی قوم نے اسے بلا کسی اکراہ کے حکمراں منتخب کیا۔ جب کہ دوسری طرف مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ حکومت اور اس سے وابستہ مفادات کے لئے جمہور کی مرضیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فرضی انتخابات کرانے کے ماہر محسوس ہوتے ہیں۔

ذرا غور کریے ان دونوں مذکورہ بالا جماعتوں میں سے کون سی جماعت اللہ کی حمایت وتائید اور زمین میں حکمرانی کی زیادہ حق دار ہے۔ ہمیں ابن تیمیہ کا یہ قول کیوں یاد نہیں آتا ہے کہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ بسا اوقات ایک کافر مملکت کی مسلم مملکت کے خلاف مدد کرتا ہے اس لئے کہ کافر مملکت میں عدل وانصاف ہوتا ہے اور مسلم مملکت میں ظلم۔ یہاں مردانگی ونسوانیت کا کیا دخل ہے؟ ایک دیندار خاتون بارلیش کافر سے بہتر ہے۔'' (۷۸)

جیسا کہ ہمارے استاذ ڈاکٹر محمد بلتاجی کا کہنا ہے (۷۹) شیخ محمد الغزالی نے جو بات کہی ہے پوری تاریخ اسلامی میں اس کا کوئی قائل نہیں رہا ہے، اور بقول شیخ ابوشقہ: ''یہ قول عصر حاضر کے علماء مجتہدین کے درمیان بحث ومطالعہ اور مزید غور وفکر کا محتاج ہے''۔ (۸۰)

ڈاکٹر محمد عمارہ کے نزدیک یہ حدیث ایک سیاسی پیشین گوئی ہے، اور ان لائق اجتہاد معاملات سے تعلق رکھتی ہے جن میں فیصلہ مصالح ومقاصد کی روشنی میں کیا جائے گا، اسی لئے اللہ نے ملکۂ سبا

بلقیس کی تعریف کی ہے اور جبار و متکبر فرعون کی مذمت کی ہے۔(۸۱)

ہمارے نزدیک اس حدیث میں استعمال کیا گیا لفظ ''أمرھم''، ''امامت عظمیٰ'' کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے، تاریخ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے والا صحابہ و خلفاء وغیرہ کے یہاں اس کا اس معنی میں استعمال واضح طور پر دیکھے گا، اس کا تعلق دوسری قسموں کی ''ولایتوں'' سے نہیں ہے، اس طرح محل اختلاف متعین ہوجاتا ہے، دیگر ''ولایتوں'' سے اس کے متعلق نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وکالت بھی ایک طرح کی ''ولایت'' ہے، لیکن فقہ اسلامی عورت کے وکیل ہونے کی اجازت دیتی ہے، امام ابوحنیفہ نے عورت کو اس کے مخصوص مسائل میں قاضی بنائے جانے کی اجازت دی ہے، جب کہ امام ابن حزم اور امام طبری تو اس کے قاضی ہونے کی مطلقاً اجازت دیتے ہیں۔

حدیث کا اگرچہ ایک مخصوص شان ورود ہے لیکن اس کے الفاظ عام و مطلق ہیں، ''قوم'' کا لفظ حدیث میں نکرہ استعمال کیا گیا ہے جو کہ عموم کا پتہ دیتا ہے، اور کسی مخصوص حالت کے لئے خاص نہیں ہوتا ہے، شیخ محمد الغزالی کے ذریعہ کی گئی تاویل کو اس حدیث میں اختیار کی گئی تعمیم و تنکیر کسی بھی طرح صحیح قرار نہیں دیتی ہے، اگر رسول اللہ ﷺ کا ارادہ اپنی حدیث کو کسی مخصوص پس منظر کے ساتھ خاص کرنے کا ہوتا تو آپ ایسے معرفہ الفاظ کا استعمال کرتے جو واضح طور پر یہ بتادیتے کہ حدیث کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے ہے، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ سبب ورود کے اعتبار کا دائمی نتیجہ حدیث کو مقید کرنا نہیں ہوتا ہے، معروف قاعدہ ہے: ''اعتبار الفاظ کے عموم کا کیا جاتا ہے مخصوص سبب کا نہیں''۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے عورت کے سربراہ حکومت ہونے کی ممنوعیت کا سبب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اسلام کی نگاہ میں سربراہ حکومت صرف ایک ایسا عہدہ دار نہیں ہے جس کا کام کرسی کو زینت بخشنا اور دوسروں کے فیصلہ پر دستخط کرنا ہو، بلکہ وہ معاشرہ کا قائد، اس کا سب سے اہم مفکر، اس کا اہم ترین نمائندہ اور اس کی زبان ناطق ہوتا ہے، اس کو نہایت اہم نتائج کے حامل اختیارات حاصل ہوتے ہیں، وہی دشمنوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے، میدان جنگ میں فوج کی قیادت کرتا ہے، اور صلح کے معاہدے بھی وہی کرتا ہے.... اسلامی سربراہ حکومت جامع مسجد میں جمعہ کا خطیب بھی ہوتا ہے، نمازوں کی امامت کرتا ہے اور لوگوں کے جھگڑوں میں قاضی بنتا ہے.... ان ساری ذمہ داریوں کا تقاضہ

یہ ہے کہ سربراہ حکومت نہایت مضبوط اعصاب کا حامل ہو، اس کی عقل اس کے جذبات پر غالب ہو، میدان جنگ میں گھسنے کی نیز خونریزی برداشت کرنے کی ہمت رکھتا ہو، یہ وہ صفات ہیں جن کے عورت کے یہاں نہ پائے جانے پر ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں، اس لئے کہ اگر عورت ایسی ہوتی تو اس کے نہایت پیارے اوصاف: مہربانی، بردباری اور شفقت سے ہم محروم ہو جاتے''۔(۸۲)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس عہد میں سربراہی مملکت کا مطلب ''خلافت عظمی'' کے تابع چند ولایتیں ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ آج بھی ہر حکومت اپنے معاملات دوسروں سے مستقل طور پر انجام دیتی ہے، گویا کہ خلافت عظمی کی ذمہ داریاں ان مملکتوں میں حلول کر گئی ہیں۔

نہایت حیرت کی بات ہے کہ عورت کے ولایت عظمی یا سربراہی حکومت کے منصب پر فائز ہونے کی بابت عصر حاضر میں بہت گفتگو کی گئی ہے، حالانکہ سربراہی مملکت کے علاوہ بھی عورت کے لئے بہت سی سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی گنجائش ہے۔

یہ ساری گفتگوئیں ایسے کی جاتی ہیں جیسے اسلام نے عورت کو اس منصب پر فائز ہونے کی اجازت نہ دے کر اس پر بہت ظلم کیا ہے اور اس کی بہت توہین کی ہے، اور مردوں کو اس کے مقابلہ میں برتری دی ہے، جب کہ ہم نے سماجی و معاشی سرگرمیوں کے ان بے شمار میدانوں کو چھوڑ رکھا ہے کہ جن میں اگر تمام عمر عورت لگی رہے تب بھی معاشرہ میں پائے جانے والے خلا کو پر اور ان سماجی سرگرمیوں کی ضرورتوں کو پورا نہ کر سکے گی جن کے لئے ہر زمانے میں عورت کی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے علاوہ ہمیں اس بات پر بھی یقین کامل ہے کہ عورت کی فطرت سے ہم آہنگ اس کی اہم ترین ذمہ داری گھر کا خیال رکھنا اور ایک ایسی مسلم نسل کو وجود میں لانا ہے جو اسلام پر غیر متزلزل ایمان رکھتی ہو، اس پر عمل کرتی ہو، اسی کے ساتھ زندگی گذارے اور اسی پر مرے۔

تیسرا اعتراض: حدیث نبوی ''ناقصات عقل و دین'' کا مطلب:

سماجی و معاشی سرگرمیوں میں شرکت کی عورت کی صلاحیت پر حملہ کرنے والے بہت سے لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ عورت عقل و دین کی ایسی ناقص ہے کہ

کسی معاشی وسماجی سرگرمی کوانجام نہیں دے سکتی، اسی لئے وہ صرف امور خانہ داری کی اہل ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کی نماز پڑھنے کے لئے عیدگاہ گئے، وہاں آپ عورتوں کے پاس سے گذرے تو فرمایا: ''اے عورتو! صدقہ کرو، اس لئے کہ مجھے تم اہل جہنم کی اکثریت کے طور پر دکھائی گئی ہو'' عورتوں نے عرض کیا: یارسول اللہ اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: ''تم لعنت بہت کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے تمہارے جیسی عقل ودین کی ناقص خواتین میں سے کسی کو تم سے زیادہ ایک سمجھ دار آدمی کی عقل کو ختم کرنے والا نہیں دیکھا''۔ عوتوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہماری عقل اور ہمارے دین میں نقص کیسا ہے؟ فرمایا: ''کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے مقابلے میں نصف نہیں رکھی گئی ہے''۔ انہوں نے عرض کیا: بالکل، پھر فرمایا: ''ایسا عورت کی ناقص عقل کی وجہ سے ہے، کیا مخصوص ایام میں اسے نماز روزہ نہیں چھوڑنا پڑتا''۔ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ فرمایا: ''یہ اس کے دین میں نقص کی دلیل ہے۔'' (۸۳)

شیخ عبدالحلیم ابوشقہ نے اس حدیث پر تین پہلوؤں سے گفتگو کی ہے، ہم ایک پہلو سے اعتناء کریں گے، اور دیگر دو پہلوؤں کی جانب قاری کی بس توجہ مبذول کرادیں گے، موصوف فرماتے ہیں: '' یہ نص مختلف پہلوؤں سے غور وفکر اور تجزیاتی مطالعہ کا محتاج ہے، ۱- پس منظر، ۲- حدیث کا مخاطب، اور ۳- اس کلام میں استعمال کئے گئے الفاظ کی ساخت تا کہ عورت کی شخصیت پر ہم اس کی دلالت واضح طریقہ سے سمجھ سکیں۔

جہاں تک پس منظر کی بات ہے: تو یہ حدیث عید کے دن عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمائی گئی ہے، تو کیا ہم خلق عظیم کے حامل رسول کریم ﷺ کی بابت یہ توقع کرسکتے ہیں کہ آپ اس خوشی کے موقع پر عورت کی حیثیت گھٹائیں گے اور ان کی شخصیت کو ناقص قرار دیں گے۔

مخاطبین کے پہلو سے دیکھئے تو یہ خطاب مدینہ کی خواتین سے کیا گیا تھا، جن کی اکثریت ان انصاری خواتین پر مبنی تھی جن کی بابت ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ہم مدینہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کے باشندگان پر ان کی عورتیں حاوی ہیں، رفتہ رفتہ ہماری خواتین پر بھی انصار کا یہ رنگ چڑھنے لگا۔ حضرت عمر کا یہ ارشاد بتاتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات کیوں ارشاد فرمائی کہ: ''میں نے سمجھ دار آدمی کی

عقل کوختم کرنے والاتم سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا''۔

اس ارشاد نبوی کی لفظی ساخت کے پہلو پر غور کریے تو یہ کوئی عام قاعدہ یا عام حکم بیان نہیں کررہا ہے، بلکہ یہ اس نا قابل فہم بات پر رسول اکرم ﷺ کے تعجب کا اظہار ہے کہ عورتیں (باوجود اپنی کمزوری کے) دانا وبینا مردوں پر بھی حاوی ہوجاتی ہیں، یعنی یہ درحقیقت اللہ کی حکمت پر تعجب ہے کہ اس نے ضعیف عورت میں مرد پر حاوی ہونے کی صلاحیت کیسے ودیعت کردی ہے، اور طاقتور سمجھے جانے والے مرد کو اس سلسلہ میں کیسا ضعیف بنادیا ہے، اسی لئے ہمارا سوال ہے کہ: کیا اس ارشاد نبوی کے الفاظ میں عورتوں کے ساتھ ملاطفت کا رویہ پایا جارہا ہے؟، یا یہ الفاظ وعظ ونصیحت کی تمہید ہیں؟، یعنی ان الفاظ کا اصل یہ ہے کہ: اے عورتو اللہ نے تمہارے ضعیف ہونے کے باوجود تم کو ایک دانا وبینا مرد پر حاوی ہونے کی صلاحیت دی ہے، تو دیکھو اللہ سے ڈرو اور اس صلاحیت کو صرف خیر میں استعمال کرو۔

اسی لئے ''**ناقصات عقل ودین**'' کے الفاظ پورے ذخیرۂ حدیث میں صرف ایک ایسی جگہ استعمال ہوئے ہیں اور وہ بھی عورتوں کے لئے خاص نصیحت کرتے ہوئے تمہید کے طور پر، اس کے علاوہ اور کسی جگہ پر آپ ﷺ نے مردوں یا عورتوں کے سامنے اسے استعمال نہیں کیا ہے۔ (۸۴)

شیخ فیصل مولوی نے ایک اور مفید بات یہ کہی ہے کہ: ''دین میں خواتین کا نقص کمیت کے اعتبار سے ہے کیفیت کے اعتبار سے نہیں، اس لئے کہ نہ جانے کتنی خواتین مردوں سے زیادہ متقی ہیں، عقل کی کمی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عقل اس کے جذبات کی بنسبت کم ہوتی ہے، اور ایسا اس لئے ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقہ سے ادا کرسکے، یہ حکمت خداوندی کا ایک مظہر ہے۔'' (۸۵)

اس سلسلہ میں ہمیں ڈاکٹر عبدالباسط سید کا ایک ایک نہایت مفید کلام ملا، موصوف طب کے پروفیسر ہیں، انہوں نے حدیث نبوی: ''**حبب إلي من دنياكم النساء ، والطيب ، وجعلت قرة عيني في الصلاة**'' (مجھے تمہاری دنیا میں سے عورتیں اور خوشبو محبوب ہیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: ''خوشبو روح کی غذا ہے، اور روح قوی کی مضبوطی کا سبب ہے، اور جماع کے بعد اس سلسلہ میں کوئی چیز اس سے زیادہ مفید نہیں ہے، جہاں تک یہ

سوال ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں کے بعد نماز کا تذکرہ کیوں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے ذہن پر جتنی دیر شہوت کا زور رہتا ہے اتنی دیر اس کی فکر ونظر پر جماع ہی چھایا رہتا ہے، یہ کیفیت ذہن انسانی کو غور وفکر سے محروم رکھتی ہے اور دین کے بھی آڑے آتی ہے اسی لئے اس کیفیت کو اطباء جنون کہتے ہیں، اور بخدا یہ کفیت جنون سے بھی سوا ہے، اور دوسری ہر چیز کے مقابلے میں انسان پر زیادہ غالب آتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**ما رأيت من ناقصات عقل و دين أذهب للب الرجل الحازم من إحداكن**'' (میں نے تمہاری جیسی عقل ودین کی ناقص خواتین میں سے کسی کو تم سے زیادہ ایک دانا وبینا مرد کی عقل پر حاوی ہوتے نہیں دیکھا) مردوں کی عقل شدت شہوت کی وجہ سے مغلوب ہوتی ہے، ایسی صورت میں کبھی کبھار انسان اس نیت کا بھی استحضار نہیں رکھ پاتا جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں ہے، نماز کے دوران طرح طرح کے وسوسے اور خیالات آتے ہیں اور بہت زیادہ وسوسوں اور بیرونی خیالات کے ساتھ نماز ہونے یا نہ ہونے کی بابت فقہاء کا اختلاف معروف ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، اس پر ابھارا ہے، اس کو رسولوں کی سنت بتایا ہے، اور نماز کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا ہے تا کہ انسان نماز میں خراب افکار وخیالات سے محفوظ رہے اور اس کی نماز مکمل ہو، اور اس کے بعد غسل کو بھی واجب قرار دیا ہے، واللہ اعلم۔(۸۶)

چوتھا اعتراض: حدیث نبوی'' الضلع الأعوج'' کا مفہوم:

معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کی عورت کی صلاحیت واہلیت کی بابت جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک اعتراض کی دلیل کے طور پر امام بخاریؒ کی روایت کردہ وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں حضرت ابو ہریرۃؓ نے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ''**استوصوا بالنساء فإن المرأة خلقت من ضلع ، وإن أعوج شيئ في الضلع أعلاه، فإن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركته لم يزل أعوج، فاستوصوا بالنساء**''(۸۷) ترجمہ: (عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی سب سے اوپر والی پسلی ہوتی ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے لگے تو توڑ دوگے، اور اگر تم نے یوں ہی

چھوڑ دیا تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، اس لئے عورتوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو'')۔

شیخ شعراوی نے اس حدیث کی بنیاد پر کئے جانے والے اعتراض کا بہت اچھا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں: ''بعض حضرات اس حدیث کی بابت یہ خیال کرتے ہیں کہ اس میں عورت کی شان گھٹائی گئی ہے اس کی توہین کی گئی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ''ناقصات عقل و دین'' کی طرح اس حدیث کا مطلب بھی غلط سمجھا جاتا ہے، پسلی کمان کی صورت میں پیدا کی گئی ہے، تاکہ وہ اپنی ذمہ داری (سینے کی حفاظت) صحیح طریقہ پر انجام دے سکے، اگر یہ سیدھی ہوگئی تو پھر سینے کی حفاظت نہ کر سکے گی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی ساخت میں جو ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے وہ اس لئے کہ یہ اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے سینے کو کسی بھی طرح کی چوٹ سے محفوظ رکھے، اور عورت کی فطرت میں بھی شفقت کا عنصر بھر دیا گیا ہے، تاکہ وہ کائنات کی سب سے قیمتی چیز (اولاد) کی حفاظت کر سکے، اگر تم نے اس کو اس فطرت سے ہلانا چاہا تو یہ عمل مفید نہ ہوگا، بلکہ یہ بیش قیمت دولت بکھر جائے گی...

آگے چل کر شیخ لکھتے ہیں: ''ہم جانتے ہیں کہ پسلی میں ٹیڑھا پن عیب نہیں ہے بلکہ یہ اس کا ایک امتیازی وصف ہے، جیسے مچھلی کے شکار میں استعمال ہونے والا کانٹا ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے ہی صحیح طریقہ سے اپنا کام کر پاتا ہے، اگر کوئی شخص اسے سیدھا کر دے تو وہ اپنا کام نہیں کر پائے گا، ایک مچھلی کا بھی شکار نہیں ہو پائے گا''۔(۸۸)

پانچواں اعتراض: آیت قرآنی: {وقرن في بيوتكن} کا مطلب:

سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت پر کئے جانے والے اعتراضات میں سے ایک کی دلیل کے طور پر آیت قرآنی: {وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى} ((اے عورتو) اپنے گھروں میں رہو اور پچھلی جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو) کا استعمال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اس آیت میں اللہ نے عورت کو گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے، لہذا اس کا گھر سے باہر نکلنا ہی حرام ہے، ایسی صورت میں معاشرہ میں نکل کر مختلف طرح کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا کیا سوال ہے؟؟؟؟(۸۹)

اس اعتراض پرغور کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہم آیات کو ان کے مکمل سیاق وسباق کے ساتھ پڑھیں: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيلاً o وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْراً عَظِيماً o يَا نِسَاء النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيراًo وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحاً نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقاً كَرِيماo يَا نِسَاء النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاء إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاًoوَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراًo وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفاً خَبِيراً } (أحزاب: ۲۸-۳۴) ترجمہ: (اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر دنیا کی زندگی اور زینت کو اپنا مقصود بناتی ہو تو آؤ میں تمہیں مالِ دنیا دے کر خوش اسلوبی کے ساتھ تم سے علاحدگی کرلوں۔ اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کو اپنا مقصود بناتی ہو تو تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ نے زبردست اجر رکھ چھوڑا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی ہوئی بے حیائی کرے گی تو اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور اللہ کے لئے یہ آسان ہے، اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے نیک کام کرے گی ہم اسے دوگنا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے اچھا رزق تیار کیا ہے، اے ازواج نبی! اگر تم تقوی اختیار کرو تو تم دیگر خواتین جیسی نہیں ہو، اس لئے تم ایسے نرم لہجے سے بات نہ کیا کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے، اور معروف طریقہ پر کلام کرو، اور اپنے گھروں میں رہو، پچھلے زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنی زینت نہ دکھاؤ، نماز قائم کرو، زکاۃ دو اور اللہ ورسول کی اطاعت کرو، اے (نبی کے) اہل خانہ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندی کو دور کر کے تمہیں خوب پاک کردے، اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ بہت مہربان اور بہت واقف ہے۔)

ان آیات کا سیاق صاف بتاتا ہے کہ یہ آیتیں ازواج نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، ان آیات میں ازواج مطہرات کو براہ راست "یَا نِسَاء النَّبِی" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے، اتنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ فرمایا: {لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاء} (تم دیگر خواتین جیسی نہیں ہو) {يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَاب} (دوگنا عذاب دیا جائے گا) اور {نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْن} (ہم دوگنا اجر دیں گے) یعنی ان آیات میں صرف ازواج مطہرات ہی مخاطب ہیں، جب کہ اسی سورت کے ایک اور مقام پر ازواج مطہرات کے ساتھ دیگر خواتین کو بھی حکم دینا تھا تو فرمایا: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاء الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً} (احزاب:۵۹) ترجمہ: (اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا اور مہربان ہے)۔(۹۰)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب ان ازواج مطہرات کی بابت یہ حکم ہے جن کے ورع وتقوی میں امتیازی مقام کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو دیگر عورتوں کی بابت تو یہ حکم بدرجۂ اولی ہوگا تو ہم یہ کہیں گے کہ نصوص اس حکم کو عام کرنے میں مانع ہیں، متعدد صریح آیات جن کا ہم نے درج بالا سطروں میں تذکرہ کیا اس سے مانع ہیں۔

شیخ عبدالحلیم ابوشقہ نے اپنی کتاب کی دوسری جلد میں صرف اسی اعتراض کا جواب دیا ہے، اس کے لئے انہوں نے عہد نبوی کی سیاسی اور اجتماعی زندگی میں خواتین کی شرکت نیز شرعی ضابطوں کے ساتھ مردوں سے ان کی ملاقات ثابت کی ہے، اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ صرف رسول اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں تھا۔

چھٹا اعتراض: حدیث نبوی "المرأة عورة" کا مفہوم:

ترمذی نے اپنی سند سے ابوالأ حوص کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کردہ یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها

الشیطان" (۹۱) ترجمہ: (خاتون لائق ستر ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر نظریں جماتا ہے)۔

یہ حدیث بھی ایک اعتراض کی بنیاد ہے، اس لئے کہ جب خاتون ''عورۃ'' (لائق ستر) ہے تو پھر اس کا گھر سے نکلنا ہی حرام ہے، چہ جائیکہ وہ معاشی وسماجی سرگرمیوں میں مردوں کی شریک ہو۔

درحقیقت یہ حدیث مردوں اور خواتین کے لئے معاملات کی وضاحت کرتی ہے، چونکہ اللہ نے ہر صنف کے اندر دوسرے کی جانب میلان رکھا ہے، مرد میں عورت کی جانب میلان ہوتا ہے، اور عورت میں مرد کی جانب، اس پس منظر میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تاکہ آپ ہمیں فتنہ سے خبردار کریں۔

اگر خواتین کو ''عورۃ'' (لائق ستر) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر ہی نہ نکلیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو غض بصر (نگاہیں نیچی رکھنے) کا حکم ہی کیوں دیا ہے! اور پھر ہم عہد نبوی اور اس کے بعد کے ان نمونوں کی بابت کیا کہیں گے جن کا تذکرہ ہم نے چند صفحات قبل کیا ہے!

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں: ''خواتین کو ''عورۃ'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ''عورۃ'' اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ظاہر ہونے سے حیا آئے اور خواتین کے بھی غیر کے سامنے آنے سے حیاء آتی ہے، بعض حضرات نے کہا کہ اس حدیث کا مطلب ہے "المرأة ذات عورة" (یعنی خواتین لائق ستر چیزوں کی حامل ہیں) "فإذا خرجت استشرفها الشيطان" یعنی شیطان اسے مردوں کی نظر میں دیدہ زیب بنا کر پیش کرتا ہے، بعض لوگوں نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ شیطان اسے دیکھتا ہے تاکہ اسے گمراہ کرے اور اس کے ذریعہ سے دوسروں کو گمراہ کرے، ''استشراف'' کے اصل معنی ہیں: بھووں کے اوپر ہاتھ رکھ کر کسی چیز کو دیکھنا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خاتون کا سامنے آنا قبیح ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے غور سے دیکھتا ہے تاکہ اسے دوسروں کے ذریعہ اور دوسروں کو اس کے ذریعہ گمراہ کر کے مرد وزن دونوں کو یا کسی ایک کو فتنہ میں مبتلا کرے، یا پھر اس حدیث میں شیطان سے مراد فاسق وفاجر انسان ہے، ایسے انسان کو شیطان سے مشابہ ہونے کی بنا پر شیطان کہا گیا ہے''۔(۹۲)

الغرض یہ حدیث خاتون سے حیاء کا رویہ اختیار کرنے پر ابھارتی ہے، اور یہ بتاتی ہے کہ

خاتون کے جسم میں کچھ حصے لائق ستر ہیں، اسے گھر سے باہر نکلتے وقت ان حصوں کو مستور رکھنا چاہئے، اسی طرح یہ حدیث فاسق انسانوں کو شیطان کے پھندے میں پھنسنے اور گمراہ ہونے سے متنبہ کرتی ہے۔

ساتواں اعتراض: مرد ''قوام'' ہیں، تو پھر وہ عورت کے ماتحت کیسے رہ سکتے ہیں:

یہ غلط فہمی بہت لوگوں کو ہوتی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شریک خاتون ڈائریکٹر، ڈپارٹمنٹ کی سربراہ، وزیر یا قاضی بھی ہوتی ہے، اور اس کے ماتحتوں میں مرد بھی ہوتے ہیں، تو اس کے ماتحت مرد کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ} (نساء: ۳۴) ترجمہ: (مرد عورتوں کے نگہبان ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس لئے کہ انہوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے)۔

اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ نظریں صرف {الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء} پر جم جاتی ہیں اور اگلے حصہ {بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ} پر نہیں پہنچتیں۔

کیا مرد جس عورت کے ماتحت ہوتا ہے اس پر خرچ کرتا ہے؟ کیا قوامیت (نگہبانی) کی بھی کچھ حدود ہیں؟

قوامیت صرف اور صرف گھر کی چہار دیواری کے اندر ہے، گھر سے باہر کی بابت تو ہم سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ} (توبہ: ۷۱) ترجمہ: (مؤمنین ایک دوسرے کے اولیاء [مددگار ومعاون] ہیں، وہ معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں۔)

پھر بقول شیخ رشید رضا مصری کے گھر میں بھی قوامیت شورائی ہے استبدادی نہیں، اس لئے کہ گھر کے نظام میں شرعی قاعدہ یہ ہے کہ زوجین منصوص علیہ مسائل میں شریعت کی پابندی کریں، اور غیر منصوص علیہ مسائل میں باہم مشورہ سے کام کرتے ہوئے ایک دوسرے کو نقصانات سے بچائیں نیز کسی کو بھی ایسے کام کا ذمہ دار نہ بنائیں جو وہ انجام نہ دے سکتا ہو''۔(۹۳)

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ قرآن مجید نے ایک ایسے مسئلہ میں زوجین کے درمیان مشورہ کا حکم دیا ہے جو فی نفسہ یا اپنے انجام کے اعتبار سے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ یہ ہے کہ بچے کا دودھ کب چھڑایا جائے، جب اس مسئلہ میں قرآن کی یہ ہدایت ہے تو ان بڑے معاملات کی بابت تو بدرجۂ اولی یہ حکم ہوگا جو خانگی زندگی میں نہایت فیصلہ کن ثابت ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا} (بقرۃ: ۲۳۳) ترجمہ: (اگر وہ دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

اگر ایک جانب قرآن کے فرمان کے مطابق مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ برتری حاصل ہے تو دوسری جانب اس کے اوپر بہت سی ذمہ داریاں بھی ہیں، یہ ذمہ داریاں ہیں: خرچ چلانا، گھر کے نہایت اہم ادارے کا جواب دہ ہونا اور اس کی نگہبانی، شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں: ''ازدواجی زندگی ایک اجتماعی زندگی ہے، ہر اجتماعی ادارہ کا ایک سربراہ ہونا لازمی ہے، اس لئے کہ ایسے ادارہ کے افراد میں بعض معاملات کی بابت رایوں اور خواہشات کا اختلاف لازمی ہے، اس لئے یہ عین مصلحت ہے کہ ان افراد کا ایک سربراہ ہو جس کی رائے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک فرد دوسرے کے برخلاف راہ چلے اور اس طرح اس ادارہ کا شیرازہ منتشر ہو جائے نیز نظام بھی مختل ہو جائے، پھر مرد اس سربراہی کا زیادہ حق دار ہے، اس لئے کہ وہی مصلحت سے زیادہ واقف ہوتا ہے، اور اپنی طاقت اور مالی حیثیت کی بنا پر اپنی رائے کی تنفیذ کی بھی زیادہ استطاعت رکھتا ہے، اسی لئے شریعت نے مرد سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ عورت کی حفاظت کرے، اس پر خرچ کرے، اور عورت سے شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ معروف میں اس کی اطاعت کرے''۔(۹۴)

آٹھواں اعتراض: عورت کے باہر نکلنے سے بے حیائی پھیلتی ہے، اور زنا کے اسباب فراہم ہوتے ہیں:

عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور مختلف سماجی سرگرمیوں میں اس کی شرکت کے خلاف دلیل کے طور پر بعض حضرات بڑے زور وشور سے یہ کہتے بھی نظر آتے ہیں کہ گھر سے باہر عورت کا نکلنا مرد کے

لئے فتنہ اور نوجوانوں کی گمراہی نیز زنا کی کثرت کا بھی سبب ہے۔

اس اعتراض کی بابت ہمارا کہنا ہے کہ کیا مرد کا نکلنا عورت کے لئے فتنہ کا سامان نہیں ہے، تو پھر ہم اس کے ساتھ یہ امتیازی سلوک صرف اس لئے برت رہے ہیں کہ وہ عورت ہے؟ اگر بات ایسی ہی تھی تو پھر شریعت اسلامی نے عورت کے باہر نکلنے کے ضابطے کیوں تشکیل دیے تھے، لباس، گفتگو، کام کی نوعیت اور مردوں سے ملنے کی بابت احکام کیوں دیے تھے؟ مردوں کو غض بصر (نگاہیں نیچی رکھنے) کا حکم کیوں دیا گیا تھا؟ یہ درحقیقت کتاب وسنت کے دلائل سے محروم باتیں ہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی معاصر خواتین کو گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کر دی ہوتی، اور گھروں میں ہی رہنے کا حکم دیا ہوتا، ہم جانتے ہیں کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

بلکہ شیخ محمد حسین نے اسلامی ضابطوں کے ساتھ ہونے والے اس اختلاط کے وقت پائی جانے والی دلوں کی پاکیزگی اور نیت کی سلامتی کا تذکرہ کیا ہے، عہد نبوی کی خواتین کی مقدس مثالوں کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''عہد نبوی اور بعد کے زمانہ میں ایسے سیکڑوں واقعات ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت کا مسلم معاشرہ بلانفسیاتی و مادی رکاوٹوں کے ان اسلامی ضابطوں اور احکام کی پابندی کرتے ہوئے ترقی کر رہا تھا جو دونوں صنفوں کی زندگی کو باہم مربوط و نافع بناتے ہیں، اور ان دونوں کو معاشرہ کی خدمت میں لگا دیتے ہیں، نیز اس کا بھی خوب خیال رکھتے ہیں کہ فاسد خیالات سے سارے دل محفوظ رہیں''۔(۹۵)

اس اعتراض کی بنیاد غالباً سد ذرائع کا وہ اصول ہے جس کا غلط استعمال خیر کی بہت سی راہوں سے اور بڑے ثواب واجر سے ہم کو محروم کر دیتا ہے، یہ اصول سد ذرائع کے صحیح اجراء کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ یہ اس قاعدہ کی شرطوں اور اس کے قواعد وضوابط کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کی غلط تطبیق کا شاخسانہ ہے۔

اسی وجہ سے محترم عمر عبید حسنہ نے عورت کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''سد ذریعہ کے حدود نا آشنا استعمال نے عورت کو ان بہت سے خیروں سے محروم کر دیا ہے جن سے اللہ نے اسے نوازا تھا، اس اصول کے غلط استعمال کی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ ہم نے ''ذریعۂ فساد'' کا غلط اندازہ لگایا ہے اگر ہم نے اس کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقہ سے نہیں جانا اور نیز ماضی سے چلے آرہے اصولوں

کے تحت اس کی تطبیق نہ کی تو ہم عصر حاضر سے بے تعلق ہوجائیں گے، جمود کے شکار ہوجائیں گے نیز روح تجدید کو ختم کر بیٹھیں گے ...اس کے نتیجہ میں جو فقہ وجود میں آئیگی وہ ذرائع اور حیلوں پر نظر رکھنے والی فقہ ہوگی مقاصد اور اہداف پر نظر رکھنے والی نہیں....اللہ نے جو حقوق عورت کو دیے تھے اس میں سے کچھ سے اسے سدذرائع کے نام پر محروم کردیا گیا....فتنہ وفساد سے اس کی حفاظت کے نام پر اسے سماجی سرگرمیوں میں شرکت نیز عبادتگاہوں اور تعلیم گاہوں میں جانے سے روک دیا گیا، نتیجۃً جہالت عام ہوئی، تدین میں کمی آئی، عورت کی جہالت کی وجہ سے خاندانی اور معاشرتی تربیت کمزور پڑی، اس کی مثالیں پورے معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں، اس لئے ان کے ذکر کی یہاں کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ اس کا مقام ہے''۔(۹۶)

یعنی عورت کے گھر سے باہر نکلنے کو زنا و بے حیائی کے پھیلنے کا سبب بتا کر عورت کے گھر سے باہر نکلنے کو ممنوع قرار دینے والے لوگوں کے حق میں کوئی بھی صحیح وصریح دلیل نہیں ہے۔

نواں اعتراض: عورت منحوس ہے، اور جہنمیوں کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہوگی:

اس کی بنیاد پر بھی بعض حضرات خواتین کی معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت پر اعتراض کرتے ہیں نیز ایسی سرگرمیوں کے لئے عورت کی اہلیت پر انگلی اٹھاتے ہیں، امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے، گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں''۔(۹۷)

سندی اعتبار سے بخاری کی اس روایت کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود یہ بہت سی ان روایتوں کے معارض ہے جو نحوست اور فال سے منع کرتی ہیں، یہ حدیثیں اتنی مشہور ہیں کہ ان کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ابن قتیبہ نے اس اشکال کو دور کرتے ہوئے حضرت عائشہ کی طرح یہ بات کہی ہے کہ وہ احادیث جو مذکورہ بالا تین چیزوں میں نحوست بیان کرتی ہیں وہ درحقیقت اس جاہلیت کا ایک خیال ظاہر کرتی ہیں جس کو اسلام نے ختم کیا تھا، ابن قتیبہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ دو لوگ

حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آ کر کے یہ عرض کیا کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل کر رہے ہیں کہ: ''نحوست عورت، سواری اور گھر میں ہوتی ہے''۔ یہ سن کر حضرت عائشہ غصہ میں آ گئیں، پھر کہا: اس ذات کی قسم جس نے ابوالقاسم پر قرآن نازل کیا تھا جو شخص اس جملہ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر نقل کرے وہ غلط بیان کرتا ہے، آپ ﷺ نے تو یہ بیان فرمایا تھا کہ: ''زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ کہتے تھے کہ نحوست سواری، عورت اور گھر میں ہوتی ہے''۔ پھر حضرت عائشہؓ نے اپنی بات کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی: { مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا } (حدید:۲۲) ترجمہ: (جو مصیبت بھی زمین پر یا تم پر آتی ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے وجود میں لائیں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے) (۹۸)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث شروع سے نہیں سنی، بلکہ درمیان سے سنی اور جیسی سنی ویسی نقل کر دی، جب کہ حضرت عائشہ نے یہ حدیث ابتداء سے سنی تھی اور انہوں نے بھی جو سنا وہ روایت کیا۔

جہاں تک جہنم کی اکثریت کے عورت ہونے کا سوال ہے تو اس کا عورت کی سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ تو آخرت میں عورت کے حال کی بابت ایک غیبی پیشین گوئی ہے، ایسا مردوں کے مقابلہ میں ان کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے، اس لئے بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی اکثریت شرعی احکام کا التزام نہ کرے، یا پھر رسول اللہ ﷺ کے بیان کے مطابق اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ لعنت زیادہ کرتی ہیں اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔

دسواں اعتراض: میراث میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے:

اس کی بنیاد پر بھی عورت کی اہلیت اور نتیجۂ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں اس کی شرکت پر اعتراض کیا جاتا ہے، حالانکہ درحقیقت مرد عورت کے مقابلہ میں دوگنی میراث کا حق دار اس لئے ہے کہ وہ بعض دیگر ایسی چیزوں کا ذمہ دار ہے جنہیں وہ عورت کو دیتا ہے جیسے مہر، اور نفقہ وغیرہ۔

شیخ یوسف القرضاوی نے اس کی وضاحت کرنے کے لئے ایک مثال دیتے ہوئے لکھا ہے

کہ: اگر ایک والد کا انتقال ہو، اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو، ترکہ میں وہ فرض کر لیجئے ڈیڑھ لاکھ روپئے چھوڑتا ہے تو بیٹا ان میں سے ایک لاکھ کا حق دار ہوگا اور بیٹی پچاس ہزار کی، پھر بیٹا شادی کرے گا تو مہر اور دیگر ہدیے عورت کو پیش کرے گا ہم اسے ۲۵/ہزار کے بقدر مان لیتے ہیں، یعنی اب اس کے پاس صرف ۷۵ ہزار بچے، پھر جب اس کی بہن کی شادی ہوگی تو اسے مہر اور دیگر ہدیے شوہر سے ملیں گے، اس کو ملنے والے ان ہدیوں اور مہر کو بھی ہم ۲۵ ہزار کے بقدر مان لیں تو اس کا حصہ بڑھ کر اس کے پاس ۷۵ ہزار ہو جائیں گے، اب دیکھئے یہ دونوں برابر ہو گئے۔(۹۹)

اس کے علاوہ استاذ محترم ڈاکٹر صلاح الدین سلطان نے اس بابت ایک ایسا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا گیا تھا، موصوف نے ایسے علمی واستقرائی اعداد وشمار پیش کئے ہیں جن سے معترضین کی زبانیں گنگ ہو گئیں، اور وہ علماء جو اس سلسلے میں دفاعی رخ اختیار کرتے تھے اب اقدامی پوزیشن میں نظر آنے لگے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے آیات میراث میں ارشاد فرمایا ہے: { لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ } (نساء:۱۱) ترجمہ: (مردوں کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے) لیکن بہت سے وہ لوگ جو اسلام کی نگاہ میں عورت کی اہلیت پر انگلی اٹھاتے ہیں میراث میں پائے جانے والے اس فرق کو اپنے موقف کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ عورت کو مرد کے مقابلہ میں آدھی میراث دینا اسلام کے نظام میراث کا عام اصول وقاعدہ نہیں ہے کہ ہر عورت ہر مرد سے آدھی میراث پائے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: {يُوصِيكُمُ اللّهُ فِيْ أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ} (اللہ تمہاری اولادوں کی بابت تم کو نصیحت کرتا ہے کہ مردوں کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے) یعنی یہ اصول میراث کی تمام صورتوں سے متعلق نہیں ہے، بلکہ میراث کی مخصوص ومحدود صورتوں کی بابت ہے۔

اسلام کے فلسفۂ میراث کی صحیح سمجھ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مرد وخواتین ورثاء کے درمیان حصہ کے فرق کا کوئی تعلق مرد یا عورت ہونے سے نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب کچھ ربانی مقاصد وحکمتیں ہیں، ان مقاصد اور حکمتوں کا ادراک وہ حضرات نہیں کر سکے جنہوں نے میراث کے بعض مسائل اور صورتوں میں مردوں اور خواتین کے درمیان فرق کو عورت کی اہلیت پر اپنے اعتراض کی دلیل

بنایا ہے۔ درحقیقت اسلام کے نظام وراثت میں وارثوں کے حصوں میں پائے جانے والے فرق کے تین اصول ہیں۔

۱- ورثہ (خواہ مرد ہوں یا خواتین) اور مورث کے درمیان رشتہ کی نوعیت، رشتہ جس قدر قریبی ہوگا میراث کا حصہ زیادہ ہوگا، اور رشتہ جتنا دور کا ہوگا میراث میں حصہ میں بھی کمی ہوتی جائے گی، چاہے ورثہ کسی بھی صنف سے تعلق رکھتے ہوں۔

۲- زمانی اعتبار سے وارث کی نسل، یعنی وہ نسل جس کے سامنے لمبا مستقبل ہے، اور جس پر ذمہ داریاں ہیں عام طور پر میراث میں اس کا حصہ اس نسل سے زیادہ ہوگا جو عمر کے آخری مرحلہ میں ہے اور ذمہ داریوں سے سبکدوش ہے، بلکہ عام طور پر اس کی ذمہ داری دوسروں پر ہوتی ہے، اس سلسلہ میں ورثہ کی جنس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، اسی لئے میت کی بیٹی اپنی ماں سے زیادہ حصہ پاتی ہے، حالانکہ دونوں خاتون ہیں، بیٹی باپ کے مقابلہ میں بھی زیادہ میراث پاتی ہے، چاہے بیٹی شیر خوار ہی کیوں نہ ہو اور دوسری جانب باپ ہی بیٹے کی مالیات کا ذمہ دار رہا ہو تب بھی اس کے مال میں سے نصف حصہ بیٹی کا ہوگا۔ اسی طرح بیٹا اور باپ اگر چہ دونوں مرد ہیں لیکن بیٹا زیادہ حصہ پاتا ہے۔

اسلامی نظام میراث کے اس اصول میں ایسی حکمتیں اور ایسے عظیم ربانی مقاصد ہیں جن کا ادراک بکثرت لوگوں کو نہیں ہو پاتا ہے، ان اصولوں میں سے کسی بھی اصول کا کوئی تعلق ورثہ کے مرد یا عورت ہونے سے نہیں ہے۔

۳- دوسروں کے تئیں وہ مالی ذمہ داریاں جن کا ذمہ دار شریعت اسلامی بناتی ہے، یہ وہ اکیلا اصول ہے جو مرد وزن کے درمیان تفاوت کا سبب بنتا ہے، لیکن یہ تفاوت عورت کے ساتھ کسی ظلم یا کسی نا انصافی کا سبب نہیں بنتا ہے بلکہ شاید نتیجہ اس کے برعکس ہی سامنے آتا ہے۔

یعنی ورثہ کے درمیان میت سے ان کے رشتہ کی نوعیت یکساں ہو اور وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہوں (جیسے اولاد، مرد ہو یا عورت) تو ایسی صورت میں مالی ذمہ داری میراث کے حصوں میں تفاوت کا سبب ہوتی ہے، اسی لئے قرآن مجید نے مرد وزن کے درمیان میراث میں اس فرق کو تمام وارثوں کے ساتھ عام نہیں کیا ہے، بلکہ صرف اسی صورت کے ساتھ اسکو خاص کیا ہے، آیت قرآنی:

{يُوصِيُكُمُ اللّهُ فِيْ أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ} (ترجمہ: اللہ تمہیں اولاد کے سلسلے میں یہ حکم دیتا ہے کہ مرد کو عورتوں کے دو حصہ کے برابر ملیں) اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اللہ کا یہ حکم تمام وارثوں کی بابت ہے۔ میراث کی اس مخصوص صورت میں پائے جانے والے اس فرق کی حکمت یہ ہے کہ اس صوت میں مرد ایک عورت یعنی اپنی بیوی اور بچوں کا مالی طور پر ذمہ دار ہوتا ہے، جب کہ بہن کی مالی ذمہ داری کسی مرد پر ہی ہوتی ہے، اس طرح اگر چہ اس بہن کو اپنے بھائی کے مقابلہ میں میراث میں حصہ کم ملتا ہے، اور بھائی اس کے مقابلہ میں دو گنے حصہ کا حق دار ہوتا ہے لیکن پھر بھی عورت میراث میں زیادہ فائدہ میں رہتی ہے، چونکہ اس پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہوتی اس لئے میراث میں اسکا حصہ اس کے پاس محفوظ رہتا ہے، اس طرح عورت کے اندر جو فطری کمزوری پائی جاتی ہے اس کی تلافی ہو جاتی ہے، اور انقلابات زمانہ کی زد میں آنے سے اس کی زندگی بچ جاتی ہے، یہ وہ ربانی حکمت ہے جو بہت سے لوگوں پر پوشیدہ رہ جاتی ہے۔

ورثہ کے درمیان میراث کی بابت پائے جانے والے اس فرق کے اسلامی فلسفہ سے دیندار و بے دین دونوں طرح کے انتہا پسندوں نے غفلت برتی ہے، ان دونوں نے اس جزوی تفاوت کو اسلام کی نگاہ میں عورت کی اہلیت کم ہونے کی دلیل بنایا ہے، جب کہ علم فرائض کی کتابوں میں مذکور میراث کے مسائل اور حالات کا استقراء اس موضوع کی بابت بہت سے لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرتا ہے، اس استقراء کا نتیجہ یہ ہے:

۱-صرف چار صورتوں میں عورت مرد کے مقابلہ میں آدھے حصہ کی حق دار ہوتی ہے۔

۲- ان چار صورتوں سے کئی گنا صورتوں میں عورت مرد کے بالکل برابر حصہ کی حق دار ہوتی ہے۔

۳-دس یا اس سے بھی زائد صورتوں میں عورت مرد سے زیادہ حصہ کی وارث ہوتی ہے۔

۴-بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں عورت تو وارث ہوتی ہے، لیکن اس کا جیسا مرد وارث نہیں ہوتا۔

یعنی تیس سے زیادہ صورتوں میں عورت مرد کے برابر یا اس سے زیادہ حصہ کی مستحق ہوتی ہے،

یا پھر وہ وارث ہوتی ہے لیکن اس کے جیسے مرد وارث نہیں ہوتے، جب کہ صرف چار صورتوں میں عورت مرد کے مقابلہ میں نصف حصہ کی وارث ہوتی ہے...''!!(۱۰۰)

گیارہواں اعتراض: معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل خواتین کم اور کامیاب کمترین ہیں:

معترضین کہتے ہیں کہ: آپ معاشی وسماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی اہمیت اور ضرورت کی بات کرتے ہیں، حالانکہ اکثر عورتیں فطری طور پر صرف گھر کے کاموں کی ہی اہلیت رکھتی ہیں، اور مشاہدہ اس کی دلیل ہے، اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ کچھ عورتیں ان سرگرمیوں میں شرکت کی اہلیت رکھتی ہیں تو ان کی تعداد بہت ہی کم ہے، اور ان کم میں سے بھی چند ہی ہیں جو ان سرگرمیوں میں کامیاب ہوں، لہذا عورت کی اس طرح کی سرگرمیوں میں شرکت کی بابت غور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمیں عورت کی بابت گفتگوؤں کو صرف اس نکتہ تک محدود رکھنا چاہئے کہ گھر میں اس کا کردار کیا ہے، وہ اپنے شوہر اور اولاد کی خدمت نیز گھر کی حفاظت کیسے کرے گی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ: یہ بات تو صحیح ہے کہ ہر عورت ایسی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل نہیں ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس شرکت کی اہل ان خواتین کی بابت بھی ہم حکم واضح نہ کریں جو مذکورہ شرائط وضوابط کے ساتھ اس شرکت کی اہلیت رکھتی ہیں۔

ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ عوت اپنی فطرت کے خلاف کوئی کام کرے، اس لئے کہ ایسا کرنا شریعت وفطرت کے خلاف اور اس کی نسوانیت کے لئے ضرررساں ہے، ہمارے نزدیک عورت کو ان سماجی، سیاسی، رفاہی اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہئے جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہوں اور اس کے نیز معاشرہ کے لئے مفید ہوں۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ان کاموں کے لئے اہل خواتین کی تعداد مردوں کی بہ نسبت کم ہے، اس لئے کہ عورت کی اصل ذمہ داری اس کے گھر، شوہر اور بچوں سے متعلق ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل خواتین ناپید ہیں، ہم پیچھے اس طرح کی خواتین بالخصوص عہد

نبوی کی اس طرح کی خواتین کی کچھ مثالیں ذکر کرآئے ہیں۔

پھر اس بات سے بھی انکارنہیں کیا جاسکتا کہ بعض خواتین فہم وفراست اور صلاحیتوں میں مردوں کی ایک تعداد سے فائق ہوتی ہیں، اسی وجہ سے چوتھی صدی ہجری کے مشہور شافعی عالم قفال شاسی کبیر نے حدیث نبوی: ''ناقصات عقل و دین ''پر کلام کرتے ہوئے لکھا تھا: یہ حکم تمام خواتین کی بابت ہے، اگر چہ ان میں کی بعض مردوں کی ایک تعداد کے مقابلہ میں عقل وفراست میں فائق ہوتی ہیں''۔(۱۰۱)

ڈاکٹر عوا نے لکھا ہے کہ: ''جن ممالک میں تحریک اسلامی نے علانیہ سیاسی عمل میں بالخصوص پارلیمنٹ اور لیبر یونینس کے الیکشنوں میں حصہ لیا ہے وہاں تحریک اسلامی کے ذریعہ عورت کے سیاسی وعام سماجی کردار کی تطبیق سامنے آئی ہے، یہاں تک کہ ان انتخابات میں تحریک اسلامی کے نمائندوں کی کامیابی میں بعض تجزیہ نگاروں نے خواتین کے سیاسی کردار کو بڑا اسبب قرار دیا ہے''۔(۱۰۲)

یہ صورت حال نئی نہیں ہے، قدیم زمانوں سے چلی آرہی ہے، ارسطو نے بھی لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں عورت کی صورت حال بہت خراب تھی، اگر چہ اس ناز ساز گار ماحول میں بعض خواتین فہم وفراست اور دور بینی میں نہایت ممتاز تھیں لیکن تمام عورتوں کی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا تھا، اور انہیں والد یا شوہر کی خادمہ ہی مانا جاتا تھا نیز ان کی بابت یہ تصور تھا کہ وہ صرف گھریلو کام ہی انجام دے سکتی ہیں۔(۱۰۳)

عصر حاضر میں عورت کے لئے کام کرنے، ترقی کرنے اور سماجی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے بہت سے امکانات روشن ہوگئے ہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان امکانات کے باوجود تعداد کی قلت (نیز عورت کی ذمہ داریوں کی نوعیت) کی وجہ سے اس کی جانب توجہ نہیں دی جاتی ہے، اسے ترقی کرنے کے مواقع نہیں ملتے ہیں اور سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اسے تربیت بھی نہیں دی جاتی ہے، عام طور پر ایسا معاشروں کی اپنی تہذیب اور آباء واجداد کے زمانہ سے چلے آرہیں ان روایات کی وجہ سے ہوتا ہے جو عورت کو شریعت کے عطا کردہ مقام سے بہت کم حیثیت دیتے ہیں، شریعت نے اس کی قدر و قیمت بلند کی ہے اور سماج میں اسکے لئے ایک کردار طے کیا ہے۔

اس موقع پر ہم اس پہلو کی جانب بھی توجہ دلانا چاہیں گے کہ بعض خواتین اپنی ازدواجی زندگی

کی ذمہ داریوں سے یا تو سبکدوش ہوچکی ہوتی ہیں یا ان کے اوپر یہ ذمہ داریاں بہت ہی کم ہوتی ہیں، جیسے وہ عورت جس کے یہاں ولادت نہ ہوسکے یا جو اپنی اولاد کے تئیں اپنی ذمہ داریاں مکمل طریقہ پر ادا کرچکی ہوں اور ان کی اولاد اب خود صاحب اہل وعیال ہو، یا جس کا شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہ ہو، یا جس نے شادی کرتو لی ہو لیکن اس کے یہاں اولاد نہ ہوئی ہو، یہ اور اس طرح کی خواتین کو ازدواجی تقاضوں اور معاشرتی تقاضوں کے درمیان کسی بھی طرح کے تعارض کے چیلنج کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس لئے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ہم عورت اور معاشرہ کو اس خیر سے محروم کردیں، ہاں شرط یہ ہے کہ خواتین کی اس طرح کی سرگرمیاں شریعت اسلامی کی پابند ہوں اور انسانوں کے مصالح کا سبب بنیں۔

بارہواں اعتراض: سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ہے:

تاریخ وسنت کی کتابوں میں ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ عورت نے معاصر مفہوم کے اعتبار سے اپنے سیاسی حق کا استعمال کیا ہو، اس کے باوجود معاشرہ نے ترقی کی اور محفوظ رہا، لہذا آج بھی اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب متعدد پہلوؤں سے دیا جاسکتا ہے: (۱۰۴)

۱- کسی چیز کا عدم وجود ممنوعیت کی دلیل نہیں ہے، تاریخ میں کسی چیز کا واقع نہ ہونا حرمت کی دلیل نہیں ہے، یہ جواب تو یہ تسلیم کرتے ہوئے ہے کہ واقعی کبھی ماضی میں ایسا نہیں ہوا، حلال وحرام کے سلسلہ ہماری بنیاد یہ نہیں ہے کہ جو ماضی میں ہوا ہو وہ حلال ہے اور جو نہ ہوا ہو وہ حرام ہے، بلکہ ان کی بنیاد دلائل پر ہے، اور دلیل ہمارے نزدیک یا تو نصی ہوتی ہے، یعنی قرآن وحدیث صحیح، یا پھر اجتہادی جیسے: اجماع، قیاس، مصلحت واستحسان وغیرہ۔

۲- زمانہ کے ارتقاء کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، امیدواری، انتخابات اور پارلیمنٹ وغیرہ کی ممبرشپ کا ماضی میں وجود ہی نہیں تھا، ہاں قانون سازی صرف اللہ کا حق ہے اس لئے انسانوں کے لئے ممنوع ہے، اس کے علاوہ انتظامی امور میں شرکت کے لئے حاکم کی جانب سے تعیین ہوا کرتی تھی،

لیکن ماضی کے طریقے حال سے مختلف ہیں، اور مستقبل کے طریقے حال سے مختلف ہوں گے۔

اسی طرح اس زمانہ میں حکمراں کا انتخاب اہل حل وعقد کیا کرتے تھے، جن میں خواتین نہیں ہوتی تھیں، اسی طرح وہ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت بھی نہیں کرتی تھیں، اس لئے کہ یہ صرف اجتہاد کی صلاحیتوں کے حامل مردوں کا حق تھا۔

۳-اس کے باوجود عورت بہت سے وہ امور انجام دیتی تھی جن کو ہم ''حقوق وولایات'' کی صنف میں شمار کرسکتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت، عورتوں کی امامت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں، شادی کی ولایت جو عورت اور اس کے ولی کے درمیان مشترک ہے۔

تیرہواں اعتراض: عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے:

معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کی عورت کی اہلیت اور صلاحیت پر اعتراض کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی گواہی مرد کی گواہی کے مقابلہ میں آدھی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاء أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى} (بقرة: ۲۸۲) ترجمہ: (اور دو مردوں کو گواہ بناؤ، اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہوئے، تاکہ اگر ایک عورت کچھ غلطی کرے تو دوسری اسے یاددہانی کرادے۔)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ ''عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے'' کی ماضی میں عملی تطبیق پر غور کریں تو ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ یہ بات از روئے مجاز ہے، بلکہ غور وفکر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ عورت کی امتیازی خصوصیت ہے اس کا عیب نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد سلیم العوا کہتے ہیں: جب سے یہ دنیا شرعی نظام قضاء سے واقف ہے تب سے تمام اسلامی عدالتوں میں اس کی تطبیق اس طرح ہوئی ہے کہ جب قاضی کے پاس دو عورتیں آتی ہیں تو وہ دریافت کرتا ہے کہ آپ دونوں میں سے گواہ کون ہے اور اس کو یاددہانی کرانے کون آیا ہے، پھر یہ دونوں اپنے بارے میں وضاحت کرتی ہیں، اس وقت قاضی گواہ خاتون سے کہتا ہے کہ وہ آگے آکر گواہ کے

مقام پر کھڑی ہو، اور یاد دہانی کرانے والی سے کہتا ہے کہ وہ گواہ خاتون کے پیچھے اس طور پر کھڑی ہو کہ اسے قاضی دیکھ سکے لیکن گواہ نہیں، اور جب کچھ کہنا چاہے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ کردے، پھر قاضی گواہ خاتون کی مکمل گواہی سنتا ہے، اگر یاد دہانی کرانے والی کچھ کہتی ہے اور گواہ خاتون اس کو صحیح قرار دیتی ہے تو قاضی اس کو مان لیتا ہے بصورت دیگر ان دونوں کے قول میں سے ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیتا ہے۔

اب اگر یاد دہانی کرانے والی خاتون گواہ خاتون سے کسی بھی سلسلہ میں اختلاف نہیں کرتی ہے تو گواہ خاتون کی بات مکمل طریقہ پر تسلیم کرلی جائے گی، اور اگر یاد دہانی کرانے والی خاتون کسی سلسلہ میں اس سے اختلاف کرے اور وہ اس کی بات مان لے تو بھی صورت حال یہی ہوگی، لیکن گواہ خاتون کو گواہ مرد کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ گواہی کے وقت اسے اس کی بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلانے والی ایک خاتون مہیا ہوتی ہے، اور اس کی ایسی گواہی قبول کرکے اس کی بنیاد پر فیصلہ سنایا جاتا ہے، جب کہ اس مرد کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے جس سے گواہی میں بھول چوک ہو، اب غور کریے تو یہ وہ اعزاز ہے جو اللہ نے صرف عورت کو دیا ہے مرد کو نہیں۔ مذکورہ بالا قرآنی آیت اس گواہی کی بابت ہے جس کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے، یعنی یہ ان حقوق کی گواہی کے سیاق میں ہے جو دستاویزات کی بابت دی جاتی ہیں، یہاں تذکرہ ان گواہیوں کا نہیں ہے جو اچانک پیش آنے والے ان واقعات کی بابت ہوتی ہیں جن کے سلسلہ میں پہلے سے گواہوں کو تیار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں تو اصل یہ ہے کہ جو موجود ہو وہی گواہی دے، پہلی قسم کی گواہی کے قانون کو دوسری قسم کی گواہی پر جاری کرنے کا فیصلہ فقہاء کا ایک ایسا اجتہاد ہے جو عورت کو ایک ایسا امتیاز دیتا ہے جو مرد کو حاصل نہیں ہے، یہ اجتہاد عورت کی سماجی یا قانونی حیثیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔(۱۰۵)

اسی لئے ابن قیم نے آیت دین میں مذکور گواہی پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یہ گواہی اس دستاویز کے بارے میں ہے جس کے ذریعہ صاحب مال اپنا حق محفوظ کرتا ہے، اس کا کوئی تعلق فیصلہ کے طریقۂ کار یا اس کی بنیاد سے نہیں ہے''۔(۱۰۶)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: '' جب کہ وہ طریقے جن کے ذریعہ فیصلہ کرنے والا فیصلہ

کرتا ہے ان طریقوں سے کہیں زیادہ وسیع ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے صاحب حق کو اپنے حق کی حفاظت کرنے کی راہ نمائی کی ہے''۔(۱۰۷)

اس سلسلہ میں ابن قیم نے گواہی کی ان متعدد کیفیتوں اور صورتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں حق کی حفاظت ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے علاوہ کی جاتی ہے، اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض صورتوں میں صرف ایک خاتون کی گواہی معتبر ہوتی ہے، فرماتے ہیں: '' یہ ایک عظیم اصل ہے، اس سے مکمل طور پر واقف ہونا چاہیئے، اس کے سلسلہ میں بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حق کی حفاظت کے ایک ایسے طریقہ کا حکم دیا ہے جس کے ساتھ قسم کی ضرورت نہ پڑے (یہ طریقہ ہے: نوشتہ اور گواہ) تاکہ حق کا انکار ممکن نہ رہے اور وہ بھول چوک سے بھی محفوظ رہے، صاحب حق کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اگر کوئی حق کی بابت جان بوجھ کر یا بھولنے کی وجہ سے غلط فہمی کرے تو اسے یاد دلادے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر اس طریقہ کے علاوہ حق کا کوئی اور ثبوت پایا جاتا ہوگا تو قبول نہیں کیا جائے گا''۔(۱۰۸)

اس سلسلہ میں ہمارے لئے وہ صورتیں ہی کافی ہیں جن کا تذکرہ ابن قیم نے اپنی کتاب ''الطرق الحکمیة'' میں کیا ہے کہ ان میں مرد کی گواہی معتبر نہیں ہے اور صرف ایک عورت کی ہی گواہی کا اعتبار کیا جاتا ہے''۔(۱۰۹)

چودہواں اعتراض: عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے:

عورت کی اہلیت پر اعتراض کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے، اس بابت فقہاء کا اجماع نقل کیا جاتا ہے۔

حالانکہ کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس مسئلہ میں اجماع نہیں ہے، قدیم فقہاء میں سے متعدد مرد وخواتین کی دیت میں برابری کے قائل ہیں، فقہاء معاصرین کی بڑی تعداد اس سلسلہ میں مساوات کی ہی قائل ہے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: ابن منذر اور ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے

کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، جب کہ ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء نے ابن علیہ اور اصم کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہر صاحب ایمان کی دیت سو اونٹ ہے''۔ یہ ایک شاذ نیز اجماع صحابہ وسنت نبوی کے خلاف قول ہے، عمرو بن حزم کے نام لکھے گئے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب میں یہ ہے کہ: ''عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے''۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول اوپر مذکور آپ کے ارشاد کے مقابلہ میں زیادہ خاص ہے، یہ دونوں ارشادات آپ ﷺ کے ایک ہی مکتوب سے ماخوذ ہیں، یعنی ہمارا ذکر کردہ ارشاد نبوی ان حضرات کے نقل کردہ ارشاد نبوی کی وضاحت وتخصیص کر رہا ہے، ہر دین کے پیرووں کی عورتوں کی دیت ان کے مردوں کی دیت کے نصف ہوگی۔(۱۱۰)

معاصر فقہاء میں سے علامہ شیخ محمد ابوزہرہ نے عورت کی دیت کے مرد کے دیت سے نصف ہونے کی نفی کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ دیت کی تعیین مقتول کی مالی حیثیت سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ سزا، انسانیت، ایک مؤمن کی جان پر سنگین جرم کے ارتکاب اور نفس انسانی پر ظلم وزیادتی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی تعیین ہوگی، اور یہ چیزیں تمام مقتولین میں قدر مشترک ہیں، جنس کی تبدیلی سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے، یعنی دیت بذات خود ظالم کی سزا اور مظلوم کے اولیاء یا اعضاء جسم کی دیت کی صورت میں خود مظلوم کو ملنے والا معاوضہ ہے۔

اس کے بعد شیخ ابوزہرہ نے ابن قدامہ کے حوالہ سے ابن علیہ اور اصم کے مذکورہ بالا اقوال کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: ''اس لئے زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہو، اس لئے کہ یہ انسان کو قتل کرنے کی سزا ہے، اور عورت کے قتل کا مرتکب مرد کو قتل کرنے والے جیسا ہی ظالم ہے، اس لئے ہمارے نزدیک ابوبکر الأصم کا قول راجح ہے، اس سلسلے میں مروی اکثر نصوص اخبار آحاد ہیں، اور ان کے درمیان تطبیق تو ممکن ہے، لیکن ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، قتل خطأ میں دیت کے احکام کے عام ہونے پر آیت بالکل صریح ہے، دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ} ترجمہ: (تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے اور خون بہا لازم ہے، جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے)۔ اور رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹ کے دیت ہونے کا

تذکرہ عام طور پر کیا ہے۔(۱۱۱)

اس رائے کے حامل دیگر علماء میں شیخ محمد شلتوت بھی ہیں، جنہوں نے اس موضوع پر اپنی مشہور کتاب ''الإسلام عقيدة وشريعة'' میں کلام کیا ہے۔

شیخ محمد الغزالی کی بھی یہی رائے ہے، ان کی رائے اس قدر مشہور ہے کہ اسکو یہاں نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان کی اس رائے کے لئے ملاحظہ ہو ان کی مشہور کتاب '' **السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث**''۔

عصر حاضر کے علماء میں سے دیت میں مساوات کے سب سے پہلے شیخ محمد عبدہ قائل تھے، شیخ محمد شلتوت، شیخ ابوزہرہ اور شیخ محمد الغزالی وغیرہ نے ان کا ہی اتباع کیا ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف عامر کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے، جس کا نام ہے: ''**أحكام المرأة في القصاص والدية**'' اس میں انہوں نے جمہور کی رائے پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد دوسری رائے کو راجح قرار دیا ہے، غالباً وہ اس موضوع پر مستقل کتاب لکھنے والے پہلے شخص تھے۔

اس موضوع پر جو مزید استفادہ اور اصولی گفتگو کے مطالعہ کا خواہاں ہو اسے علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی کتاب ''**دية المرأة في الشريعة الإسلامية، نظرات في ضوء نصوص الشريعة ومقاصدها**'' کا مطالعہ کرنا چاہئے، اس موضوع پر لکھی گئی اس مستقل تصنیف میں علامہ قرضاوی اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ قرآن وسنت اور اجماع وقیاس میں عورت کی دیت کے نصف ہونے پر کوئی بھی صحیح وصریح دلیل نہیں ہے، ماضی میں مرد وعورت کی دیت میں یکسانیت کے قول کے عام نہ ہونے کا سبب انہوں نے یہ بتایا ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں ایسے واقعات شاذ ونادر پیش آتے تھے اس لئے اس موضوع پر غور نہیں کیا گیا۔(۱۱۲)

عورت کے قاتل مرد کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، ''**المغني شرح متن الخرقي**'' میں ہے: ''مسألہ: صاحب متن نے لکھا: مرد کو عورت اور عورت کو مرد کے قصاص میں قتل کیا جائے گا، یہ عام اہل علم کا قول ہے، جن میں یہ حضرات بھی ہیں: نخعی، شعبی، زہری، عمر بن عبدالعزیز، مالک، اہل مدینہ، شافعی، اسحاق اور اصحاب رائے وغیرہ، حضرت علی سے یہ قول مروی ہے کہ: مرد کو عورت کے بدلے قتل

کیا جائے گا اور پھر مرد کے اولیاء کو نصف دیت دی جائے گی، حضرت علی کا یہ قول سعید نے روایت کیا ہے، یہی قول امام احمد سے مروی ہے، حسن وعطاء سے ایک روایت اسی کے مطابق ہے اور ایک روایت کے مطابق وہ جمہور کے ساتھ ہیں، غالباً دوسرے قول کے قائلین نے حضرت علی کے اس قول کے علاوہ اس کو بھی اپنے قول کی بنیاد بنایا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے، لہذا عورت کے قصاص میں مرد کے قتل کئے جانے کی صورت میں گویا کہ مرد کو نصف کے بدلے میں قتل کیا گیا ہے، لہذا اس کے اولیاء نصف دیت کے حق دار ہوں گے، لہذا یہ نصف دیت اس کو قصاص میں قتل کرنے والوں سے لی جائے گی''۔

پھر ابن قدامہ کہتے ہیں: '' ہماری دلیل ارشاد ربانی {النفس بالنفس} (جان کے بدلہ میں جان لی جائے گی) اور {الحر بالحر} (آزاد کے بدلہ میں آزاد کو قتل کیا جائے گا) سمیت اس سلسلہ کے تمام نصوص کا عموم ہے''۔ (۱۱۳)

ہمارا کہنا یہ ہے کہ جب عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جاتا ہے تو پھر عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف کیسے ہوسکتی ہے؟ اس لئے کہ دونوں انسان ہیں، اور اس سلسلہ میں اعتبار انسانی جانوں کی حرمت ہے، اس موقع پر شیخ ابوزہرہ کا یہ کلام ملاحظہ ہو: اللہ تبارک وتعالی نے بنی آدم کو جس مقام سے نوازا ہے اس میں مرد وعورت کی تفریق نہیں کی ہے، ارشاد ربانی ہے: {وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلا} (بنی اسرائیل: ۷۰) ترجمہ: (اور ہم نے بنی آدم کو عزت سے نوازا، بر وبحر میں ان کے لئے سفر کی سہولتیں مہیا کیں، انہیں پاکیزہ رزق عطا کئے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سوں پر ان کو فضیلت دی۔)

پندرہواں اعتراض: خاتون کی آواز کا پردہ شریعت میں ضروری ہے:

ہماری اس رائے پر ہونے والے ایک اعتراض کی بنیاد عوام اور بعض دین داروں کے درمیان مشہور ایک مسئلہ بھی ہے جو کہ ہماری بعض قدیم اسلامی کتابوں میں بھی مذکور ہے، یعنی یہ کہ شریعت کی نگاہ میں عورت کی آواز کا پردہ بھی ضروری ہے۔

جب ایسا ہے تو پھر عورت کے لئے تدریس، علاج، سیاسی وابلاغی کاموں جیسی ان سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا کیسے روا ہوگا جن میں عورت کی آواز ظاہر ہوتی ہے۔

قرآن وسنت کے بکثرت نصوص اس رائے کو مکمل طور پر غلط ثابت کرتے ہیں، مدین میں حضرت موسیٰؑ کو جو دو خواتین اپنے جانوروں کو لئے ہوئے ملی تھیں قرآن کا بیان ہے کہ آپ نے ان دونوں سے دریافت کیا: {مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاء وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌo فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ} (قصص: ۲۳-۲۴) ترجمہ: (تم دونوں کا کیا معاملہ ہے؟ دونوں نے عرض کیا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتے ہیں جب تک کہ یہ چرواہے واپس نہ ہو جائیں اور ہمارے والد بہت عمر رسیدہ ہیں، موسیٰؑ نے ان دونوں کے لئے پانی نکالا اور پھر سایہ میں آکر انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ: اے میرے رب میں آپ کے عطا کردہ خیر کا محتاج ہوں۔)

حضرت موسیٰؑ اور ان دونوں خواتین کی گفتگو پر غور کریے، قرآن نے اس گفتگو کو ذکر کرنے کے بعد ان کے اس طریقۂ کار کے حرام ہونے یا اس بنیاد پر ممنوع ہونے کا حکم نہیں لگایا کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔

ان دونوں خواتین نے گھر سے باہر نکلنے اور سماجی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے شرعی اصولوں کی پابندی کی تھی، وہ مردوں کے مجمع میں گھس نہیں گئی تھیں، بلکہ پاس ہی ایک جگہ پر رکی رہیں، یہاں تک کہ معاشرہ کا ایک پاکیزہ فرد (حضرت موسیٰ) نے ان کے تئیں اپنی ذمہ داری تو ادا کی، لیکن ان سے بے تکلفی نہیں کی، اور نہ ہی اپنی گفتگو کے ذریعہ ان کے دل میں جگہ پانے کی کوشش کی، اور نہ ہی کوئی اس طرح کی گفتگو کی یا قصے سنائے جس سے ان سے غیر پاکیزہ محبت کے رشتے استوار کرتے ہوئے ان کے ساتھ چلیں، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے، بلکہ یہ شخص بھی شرعی ضابطوں، انسانی فراست اور اسلامی مردانگی کی حدود میں رہا، {فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ} (انہوں نے ان دونوں کے لئے پانی نکالا اور پھر سایہ میں آکر انہوں نے اللہ سے یہ دعا کی کہ: اے میرے رب میں آپ کے عطا کردہ خیر کا محتاج ہوں) یہاں تک کہ پھر ان کی بغیر کسی طلب کے

اور ان کی اس شرافت کے ربانی انعام کے طور پر حلال وطیب رزق خود ان کے پاس آیا: {فَجَاء تْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاء قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاء هُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَo قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ o قَالَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَن تَأْجُرَنِيْ ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْراً فَمِنْ عِندِكَ وَمَا أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْ إِن شَاء اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ o قَالَ ذَلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيْلٌ} (سورۂ قصص: ۲۵-۲۸) ترجمہ: (ان دونوں میں سے ایک موسی کے پاس حیاء کے ساتھ چلتی ہوئی آئی اور بولی: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے لئے جو پانی کا انتظام کیا آپ کو اس کا بدلہ دیں، جب موسی اس کے والد کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: ڈرو مت، تم ظالم قوم سے نجات پا گئے ہو، ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ابا جان! ان کو ملازم بنالیجئے، اس لئے کہ آپ کا بہترین ملازم وہ ہوگا جو طاقت ور اور امین ہو، لڑکیوں کے والد نے موسی سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح اس شرط پر کردوں کہ تم آٹھ سال میرے یہاں ملازمت کرو گے، اور اگر تم نے دس برس پورے کئے تو یہ تمہاری جانب سے ہوگا، او میں تم کو مشقت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، تم ان شاءاللہ مجھے صالحین میں سے پاؤ گے، موسی نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے، ان دونوں میں سے کوئی سی بھی مدت پوری کردوں (اور پھر جانا چاہوں) تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو، اور اللہ ہماری گفتگوؤں کا نگراں ہے۔)

کوئی مسلمان جب تقویٰ شعار ہوتا ہے اور شریعت کی روشنی میں اللہ اور انسانوں کے تئیں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے غیب سے حلال طیب کا ایسا انتظام کردیتا ہے جو اسے حرام سے بالکل بے نیاز کردیتا ہے، ارشاد ربانی ہے {وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً o وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ} (طلاق: ۲-۳) ترجمہ: (جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کوئی سبیل نکال دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔)

امام بخاری نے اپنی سند سے محمد بن سعد کے حوالہ سے ان کے والد کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:
حضرت عمرؓ بن خطاب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، اس وقت آپ ﷺ سے کچھ قریشی خواتین بہت زیادہ مانگ رہی تھیں اور ان کی آواز بھی آپ ﷺ کی آواز پر غالب ہوگئی تھی، حضرت عمرؓ نے حاضری کی اجازت چاہی تو وہ فوراً پردوں میں چلی گئیں آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی، وہ حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کو ہنستا ہوا پایا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اللہ آپ کو یونہی ہنستا ہوا رکھے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے بڑا تعجب ہے کہ یہ خواتین جو میرے پاس تھیں انہوں نے تمہاری آواز سنی تو فوراً پردوں میں چلی گئیں، حضرت عمر نے عرض کیا کہ میرے مقابلے میں آپ سے انہں زیادہ ڈرنا چاہیے، پھر خواتین سے مخاطب ہوکر بولے: اے اپنی ذات کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتی ہو؟ خواتین نے کہا کہ تم سخت رو و درشت مزاج ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب جس ذات کے ہاتھ میں میری جان ہے شیطان تمہیں جس گلی میں چلتا دیکھے گا خود دوسری گلی سے گذرے گا۔ (۱۱۴)

اس روایت پر غور کریے! خواتین نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ سے گفتگو کی، اور آپ ﷺ نے ان کو اس بنیاد پر گفتگو کرنے سے نہیں روکا کہ خواتین کی آواز کا بھی پردہ ہے۔

قرآن وسنت میں مردوں اور خواتین کی گفتگوؤں کے بے شمار واقعات درج ہیں، یہاں بس اسی ایک مثال کو کافی سمجھتے ہوئے اس پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

یہاں پر اس پہلو کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ مردوں کے ساتھ عورت کی گفتگو شرعی اصولوں کے تحت ہونی چاہیے، جس کی ایک مثال حضرت موسیٰ اور دو خواتین کی گفتگو میں اوپر درج ہوئی اور جس کی بابت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ {فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفا} (احزاب: ۳۲) ترجمہ: (ایسے نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو اس کو برے خیالات آئیں، ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔)

یہ وہ چند اہم اعتراضات تھے جو معترضین کی جانب سے بہت زور وشور سے پیش کئے جاتے

ہیں، اور جن کو سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی ممنوعیت کے دلائل کے طور پر استعمال کر کے معاشرہ کو نیز اس کی خواتین اور اس کے مردوں کو خیر عظیم سے محروم کیا جاتا ہے، ان میں سے بعض اعتراضات عورت کی اہلیت کی بابت تھے، جیسے اس کی گواہی، دیت، میراث، اور دین وعقل کی بنیاد پر کئے جانے والے اعتراضات، بعض کی بنیاد غلط فہم یا پھر ضعیف وموضوع روایت تھی، بعض معاشرہ میں رائج ایسی اقدار تھیں جن پر غور وفکر نہیں کیا گیا تھا۔

ان اعتراضات کے علمی وفقہی جائزہ میں ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ ان اعتراضات کی نہ نصوص میں کوئی دلیل ہے اور نہ ہی عقل ان کی مؤید ہے، بلکہ ان میں سے کچھ ہمارے معاشروں اور ماحولوں میں چلی آرہی ایسی روایات پر مبنی ہیں جن سے شریعت بری ہے، کچھ اعتراضات کی دلیل موضوع وضعیف روایتیں ہیں، اور کچھ کی بنیاد شریعت خداوندی کا غلط فہم ہے۔

پانچویں فصل
معاشی وسماجی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کو درپیش اہم چیلنجز

۱-عالمی چیلنج اور مغربی مہم
۲-روایتیں اور معاشرہ میں رائج رسمیں
۳-شخصی ارتقاء اور حقوق وذمہ داریوں سے آگاہی
۴-عورت کی مختلف ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم کرنا
۵-کام کو منظم اور مسلسل کرنا

پچھلے صفحات میں مسلم خاتون معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت، اس کے نتائج ومقاصد نیز اس کی شرعی حیثیت سے واقف ہوچکی ہے، شریعت کے حرام کردہ کاموں کو بھی اس نے جان لیا ہے، معاشرہ کی ترقی میں تعاون کرنے والی سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے ہر زمانے کے وہ نمونے بھی پچھلے صفحات میں اس نے ملاحظہ کئے ہیں جن میں خواتین نے شرعی اصولوں کی پابندی کی ہے، اس کے علاوہ اس شرکت پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات بھی اس کی نظر سے گذرے ہیں۔

پچھلے صفحات میں ان سب چیزوں پر بحث کرنے کے بعد اب ہم اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ عورت کے لئے اس تہذیبی سفر کے اہم چیلنجز اور ان کے تئیں اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہونا ضروری ہے، اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ان چیلنجز کی حقیقتوں سے کیسے واقف ہوسکے گی، اور پھر ان کا اس طرح کیسے مقابلہ کرسکے گی کہ یہ اس کو کسی طرح کا نہ نقصان پہنچاسکیں اور نہ اسے شرکت سے روک سکیں اور نہ ہی اس کے اہداف اور اس کی خواہشات میں تبدیلی لاسکیں۔

ہمارے نزدیک ان چیلنجز میں سے اہم ترین یہ ہیں:

عالمی چیلنج اور مغربی مہم، آباء واجداد سے چلے آرہے رواج اور معاشرہ میں رائج رسمیں، شخصی ارتقاء اور حقوق وذمہ داریوں سے آگاہی کا چیلنج، عورت کی مختلف ذمہ داریوں کے درمیان توازن رکھنے کا چیلنج، اور کام کو منظّم کرنے نیز اس کے استمرار کا چیلنج۔

اگلے صفحات میں ہم ان چیلنجز کی نوعیت، ان کے پہلوؤں اور ان کی وسعت پر گفتگو کریں گے نیز خواتین کے لئے ان چیلنجز کو برتنے اور ان کو زیر کرنے کی راہ عمل بھی تجویز کریں گے، واللہ المستعان۔

۱-عالمی چیلنج اور مغربی مہم

یہ چیلنج متعدد صورتوں میں سامنے آتا ہے، جیسے عورتوں کے لئے بنائے جانے والے منصوبے، بیجنگ اور قاہرہ وغیرہ میں ہونے والی عالمی کانفرنسیں، وہ معاہدے اور قرار دادیں جن پر متعدد مما لک دستخط کرتے ہیں، مثلا معادۂ CEDAW کی بعض دفعات، (۱۱۵) یہ سب کچھ عورت کی مصلحت اور مشروع ومطلوب طریقہ پر اس کے کردار کی ادائیگی کے لئے نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ (ان کانفرنسوں اور کنونشنوں کی اکثر سرگرمیوں کا) مقصد عرب، مشرقی اور متدین مسلم خاتون کی زندگی کو مغربی سانچہ میں ڈھالنا اور اس کو مغرب کے رنگ میں رنگنا ہے۔

اسی طرح اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس حیاودین کے پابند نمونہ کو اس طرح فاسد کیا جائے کہ عورت کو مطلق آزادی دے دی جائے، عورت کو مطلق آزادی دینے کی بنیاد یہ نظریہ وتصور ہے کہ جسم انسان کی ملکیت ہے، اس لئے ہر انسان کو اپنے جسم پر تصرف کی مکمل آزادی ہے، (۱۱۶) حیاودین کے پابند اس نمونہ کو فاسد کرنے کا ہی ایک طریقہ یہ ہے کہ مرد وزن کو ہم سر ثابت کرکے اسے قائدانہ مناصب پر فائز کیا جائے، نیز معاشرہ میں فیصلہ کن کردار دیا جائے۔

درحقیقت آزادی اور بالخصوص عورت کی آزادی کا تصور (بقول ڈاکٹر محمد بن موسی الشریف) ایسے ظلم، موقعہ پرستی اور غلط استعمال کا سبب بنتا ہے جیسا کوئی تصور نہیں بنتا ہے، اسے بہت سے مفاسد کے ذریعہ کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے، اور ان اعمال اقوال نیز احوال کی دلیل بنایا جاتا ہے جن سے شرافت نفسی پانی پانی ہوجاتی ہے۔(۱۱۷)

مردوں اور عورتوں کے درمیان پائے جانے والے فطری، اور جسمانی فرقوں کے باوجود مردوں اور عورتوں کے درمیان مکمل مساوات کا یہ دعویٰ عورت کی ذات، فطرت اور ساخت کے لئے نہایت ضرر رساں ہے، اس لئے کہ ان دعووں کا ہدف یہ ہے کہ عورت کو مرد کا نقال بنادیا جائے، وہ

مردوں کی چال چلے، ان کا لباس پہنے، ان کی سی گفتگو کرے، حیاء سے اسے بے بہرہ کردیا جائے، وہ معاشرہ میں مردوں جیسی ہو کر ان کے مقابل اور ہم مرتبہ ہو جائے۔

جہاں اس آزادی کے نقصانات یہ ہیں کہ عورت کی فطرت فاسد ہو جاتی ہے، اس کی نسوانیت ختم ہو جاتی ہے، اور اس کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے، تو پھر نتیجتاً معاشرہ ایک صنف سے محروم ہو جاتا ہے، عورت مرد جیسی ہو جاتی ہے، وہ نہ نسوانیت کی حامل عورت ہوتی ہے اور نہ ہی مردی صفات وخصوصیات کا حامل مرد۔

آزادیٔ نسواں کے دعوے داروں کا ایک طریقۂ کار یہ ہے کہ اسلام کی بابت یہ جھوٹ خوب بولا جائے کہ اس نے عورت کو گھر کا قیدی بنا کر اس کی توہین کی ہے، وہ اسے تا زندگی گھروں میں محبوس کر کے معاشرہ سے کاٹ دیتا ہے اسے وہ نقاب پہنا کر بھی معاشرہ سے الگ تھلگ کر دیتا ہے جو ان لوگوں کے نزدیک عورت کو سماجی سرگرمیوں کی انجام دہی سے روک دیتا ہے، ان کے نزدیک نقاب عورت کی عقل گویا کہ ایک ڈھکن کا کام کرتا ہے نیز عورت کی عقل کو آزاد غور وفکر نہیں کرنے دیتا ہے۔

یقیناً یہ سب بالکل بے بنیاد باتیں ہیں، پچھلے صفحات میں عہد رسالت اور دیگر ان عہدوں کے متعدد نمونے دیکھنے کے بعد جن میں عورت نے نمایاں کردار ادا کیا ہے ان کو معقول دلائل کی حیثیت نہیں دی جا سکتی ہے۔

اس عالمی سازش اور مغربی مہم کا مقابلہ کرنے کے لئے عورت کو مندرجہ ذیل کام کرنے ہوں گے:

۱- اسے ان کانفرنسوں، مجلسوں اور معاہدوں کے پہلوؤں، وسیع آفاق، مقاصد ار عورت، خاندان ومعاشرہ کے اوپر اس کے خطرات سے مکمل طریقہ پر واقف ہونا چاہیئے، ''یہ جاننا عورت کے لئے ضروری ہے کہ حقیقی عزت، عظمت اور آزادی کے حصول کا یہی ایک طریقہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شرافت سے متصف کرے اور پاکدامنی سے اپنی عظمت کو چار چاند لگائے، اس کے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عصر حاضر کی تہذیب اس کے لئے جس آزادی کی بات کرتی ہے وہ اس کے لئے خوشنما غلامی کی باعث ہے، اور مرد یہ چاہتا ہے کہ وہ اسے اپنی مجلسوں کی تفریح اور اپنی محنتوں میں ذہنی سکون کے حصول کا ذریعہ بنائے۔(۱۱۸)''

۲ - اسے حقیقی شرعی ثقافت سے بہرہ ور ہونا چاہئے، وہ مختلف زمانوں کی نمایاں مسلم خواتین کی اس درخشاں تاریخ کا مطالعہ کرے جس کے کچھ نمونے ہم نے ذکر کئے ہیں، تا کہ وہ عورت کے تئیں اسلام کے حقیقی موقف کو جان سکے، اور تا کہ وہ ایسی ہر غلط فکر و کاوش کا مقابلہ کر سکے جو عورت کو خراب کر کے اسے اولا داور معاشرہ کی خواتین کی بابت اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہ کرنے دے، استاذ عمر عبید حسنہ کہتے ہیں: '' عصر حاضر میں قابل غور مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عورت کار گہ حیات میں شرکت کرے یا نہ کرے، اس وقت کا مسئلہ لگا تار کی جارہی وہ کاوشیں ہیں جو اس شرکت (حصہ داری) کے نام پر عورت کو اس کی اقدار نیز اسلام سے دور کرنے کی بابت ہو رہی ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ شرکت اسے اس کے دین سے بے تعلق کر دے؟ اس لئے کہ حالات اس بابت پر دلیل ہیں کہ اصل مسئلہ شرکت وعدم شرکت کا نہیں ہے، کتنی ہی ایسی خواتین ہیں جنہوں نے یہ شرکت کی، لیکن اسلامی اقدار کی پابندی کی وجہ سے انہیں ٹھکرا دیا گیا، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصل مسئلہ عورت کا اسلامی اقدار کا اتباع کرنا ہے''۔(۱۱۹)

۳- عورتوں کی بابت منعقد ہونے والی ان کانفرنسوں اور طے ہونے والے معاہدوں کے خطرات سے وہ دوسروں کو بالخصوص دیگر خواتین کو آگاہ کرے، انہیں بتائے کہ ان معاہدات پر عمل کے نتیجے میں کیسے سنگین مسائل پیش آئیں گے، اور عورت کی بابت صحیح شرعی موقف سے بھی انہیں آگاہ کرے، اس لئے کہ حلقہ علم وفہم کے ساتھ تبلیغ ورابطہ سے وجود میں آتا ہے۔

۴- چونکہ مغرب ان معاہدوں اور کانفرنسوں کے ذریعہ عورت کو مغربی سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے اس لئے مسلم خواتین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد کریں، اور معاہدے (خواہ وہ صرف عرفی ہی کیوں نہ ہوں) کریں، تا کہ واضح طور پر معلوم ہو سکے کہ مسلم خاتون اپنے دین پر متمسک ہے اور اس کے اصول ومبادی پر مضبوطی سے قائم ہے نیز اپنی فطرت اور نسوانیت کو سلامت رکھے ہوئے ہے۔

۵- چونکہ مغربی معاشرے تنظیموں، اتحادوں اور یونینس پر قائم ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ مسلم خاتون بھی مقابلہ مس خواتین کی جمعیتیں، یونینس اور تنظیمیں قائم کریں جو مغربی آئیڈیل کو مسلم معاشروں میں داخل کر کے انہیں فاسد کرنے کا مقصد رکھنے والے ان مغربی حملوں کا مقابلہ

کر سکیں، اسلامی خیمہ کو مخالف خیمہ کے مقابلہ میں بالکل برابر یا اس سے زیادہ طاقتور ہونا چاہئے۔ ان تجویزوں پر عمل کر کے مسلم خاتون اس چیلنج کا مقابلہ کر سکتی ہے اور عورت کے خلاف اس تہذیبی مہم سے نپٹ سکتی ہے۔

۲- قدیم روایتیں اور معاشرہ میں رائج رسمیں

یہ چیلنج پچھلے چیلنج سے کم خطرناک نہیں ہے، جہاں پچھلا چیلنج یہ چاہتا تھا کہ وہ عورت کو اس کے دینی اصول ومبادی سے بے تعلق کردے، وہیں یہ چیلنج یہ چاہتا ہے عورت کتاب وسنت کی راہ نمائی میں اپنے زمانہ کے مسائل کا مقابلہ نہ کرے اور پچھلی صدیوں میں زندگی گذارے۔

یہ رجحان خاتون کو شیطان رجیم تصور کرتا ہے، اس کے نزدیک خاتون ایسی قابل ستر چیز ہے جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے، پھر معاشرہ میں اس کے کردار کا کیا ذکر؟ اس کے نزدیک اسے گھر سے صرف قبر کے لئے ہی نکلنا چاہئے، مختصر الفاظ میں یہ عورت کو جنسی خواہشات اور گھریلو ذمہ داریوں کی تکمیل کا ہی صرف ذریعہ سمجھتی ہے۔

اس صورت حال پر افسوس کرتے ہوئے شیخ محمد الغزالی نے لکھا ہے: ''ہمارے یہاں عورت کا کوئی ثقافتی اور سیاسی کردار نہیں ہے، تربیت اور معاشرہ کے انتظام میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، مسجد اور میدان جہاد میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، اس کا نام لینا عیب ہے، اس کا چہرہ دیکھنا حرام ہے، اس کی آواز کا بھی پردہ ہے، غرض اس کی تمام تر ذمہ داری کھانا پکانا اور جنسی تسکین کا سامان کرنا ہے''۔(۱۲۰)

مسلم خاتون کی زندگی گھر کی حدود میں ایسی محدود نہیں تھی کہ وہ بس شوہر کے آنے پر اس کا استقبال کرے اور اس کے جاتے وقت اسے رخصت کردے، بلکہ وہ اپنے ایمان اور اپنی عفت کی حفاظت کے ساتھ وہ سب کچھ کرتی تھی جو مرد کرتے تھے''۔(۱۲۱)

عورت کی بابت افراط وتفریط کے ان رویوں سے ہونے والے نقصانات کا ایک مظہر یہ ہے کہ بسا اوقات ایک بیٹا اپنے گھر میں دیکھتا ہے کہ اس کے والد اس کی والدہ کے ساتھ نہایت حاکمانہ سلوک کرتے ہیں، وہ والدہ کو نہایت محدود پیمانے پر گفتگو کی اجازت دیتے ہیں، ورنہ اکثر اوقات وہ ان کی سنے بغیر ہی اپنا حکم سنا دیتے ہیں، ایسے گھرانے میں اس کا تو امکان ہی کیا ہے کہ باپ ماں کو شرعی

ضابطوں کے ساتھ سماجی سرگرمیوں میں شرکت اور معاشرہ کی کچھ خدمت کرنے کا موقع دے، نتیجتاً بیٹا اس ماحول میں پروان چڑھتا ہے، پھر ایک وقت وہ آتا ہے کہ اسکی شادی ہوتی ہے، تو وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو اس کے والد اس کی والدہ کے ساتھ کرتے تھے، وہ آباء واجداد کے طریقوں اور اپنے بچپن کے ماحول سے نجات حاصل نہیں کر پاتا ہے، بلکہ اگر وہ شریعت کا اتباع نہیں کرتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ بیوی یا عورت کے ساتھ یہی برتاؤ مناسب ہے، اس لئے کہ وہ ماحول کے اثرات سے باہر نہیں نکل پاتا ہے اور حقیقی شریعت خداوندی پر عمل کرنے سے عاجز رہتا ہے۔

دوسری طرف اگر کوئی بیٹی ایسے والدین کے زیر سایہ تربیت پاتی ہے جو احکام شریعت کا پاس نہیں رکھتے ہیں، ماں یا تو باپ پر حکمرانی کرتی ہے یا ہر طرح کی برابری کرتی ہے، گھر سے باہر نہایت نامناسب اور حیاء سے عاری کپڑوں میں باہر نکلتی ہے، بیٹی بھی اسی ماحول میں اسی طریقہ پر پروان چڑھتی ہے، اسی کو صحیح رویہ اور حقیقی زندگی خیال کرتی ہے، اسے نہ دین کی سمجھ ہوتی ہے اور نہ شریعت ربانی کا ادراک، وہ تو بس اپنے ماحول کے طریقوں ہی کی اسیر ہوتی ہے۔

ہم نہ اس افراط کو پسند کرتے ہیں اور نہ اس تفریط کو، بلکہ ہماری خواہش نصوص کتاب وسنت اور سلف صالح کے فہم کی روشنی میں شریعت کے اتباع کی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہم اتباع شریعت کے سلسلے میں ہر اس خارجی قید سے آزاد ہوں جو فہم دین کے سلسلے میں حارج ہو۔

تاریخ کے ہر حصہ میں عورت کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے، ایک صاحب قلم کے بقول: ''عورت کے ساتھ انصاف کا اصول ہمارے یہاں دینی رنگ میں پایا جاتا ہے، اسے شریعت کا تقدس حاصل ہے، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے یونانی فلسفہ کی عظیم شخصیتوں کے یہاں یہ تصور پایا جاتا تھا ان کا یہ تصور اس فلسفہ کا ایک حصہ تھا جس کی وراثت بعد میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے حصہ میں آئی، اس کا زبردست استقبال ہوا اور دینی نقطۂ نظر سے اس کو طاقت پہنچائی گئی''۔ (۱۲۲) اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اس کی طرف پیش قدمی کریں، بالخصوص اس لئے کہ اسلام نے عورت کو اس عزت سے سرفراز کیا ہے جو اسے کسی دین وقانون میں نہیں ملی۔

اس چیلنج کا ایک منفی نتیجہ واضح ترین شرعی وتاریخی حقائق کو غلط طریقہ سے پیش کرنا یا ان سے

دانستہ ونادانستہ غفلت ہے، اس لئے کہ متعدد ذہنوں میں یہی خیالات جاگزیں ہیں جس کے نتیجہ میں وہ صریح قرآنی وحدیثی دلائل سے نظریں پھیرتے ہیں۔

اس کے کچھ اور بھی منفی نتائج ہیں، جیسے: گھر سے باہر عبادات کی ادائیگی سے عورت کی محرومی، ثقافتی، شرعی اور علمی طور پر عورت کا ترقی نہ کرپانا، اور مشروع اعمال کی مختلف قسموں (جن پر ہم پیچھے گفتگو کرچکے ہیں) میں عورت کی شرکت کے مقاصد سے معاشرہ کا محروم ہونا۔

اس نہایت سنگین چیلنج کے مقابلہ کے لئے بھی عورت کو ان ہی جیسے اوصاف سے متصف ہونا پڑے گا، جن سے متصف ہونا پچھلے چیلنج کے مقابلہ کے لئے ضروری تھا، مثلاً:

۱- اس فکر، اس کے دلائل، اس کی غلطیوں اور فرد، خاندان نیز معاشرہ پر اس کے منفی اثرات سے واقف ہونا۔

۲- دین کے صحیح تفقہ کے ساتھ ساتھ اسلام کی نگاہ میں عورت کا مقام بھی جاننا، تاکہ عورت اس غیر اسلامی فکر کی شکار نہ ہوجائے۔

۳- اسلام کے صحیح فہم اور عورت کے تئیں اسلام کے صحیح موقف کے علم کی بنیاد پر لوگوں کو اس فکر اور چیلنج سے آگاہ کرنا، اور صحیح صورت حال سے واقف کرانا۔

۴- معاشرہ کی سرگرمیوں میں ضابطوں کی پابندی اور ترجیحات کی رعایت کے ساتھ عورت کی شرکت کے مقاصد واہداف نیز اس کی اہمیت کا ادراک۔

ہمارے عربی اسلامی معاشروں کو پچھلے چیلنج کے مقابلہ میں اس چیلنج کا سامنا زیادہ کرنا پڑتا ہے، اس لئے اس پہلو پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے، بالخصوص ان اسلامی تنظیموں کے اندر عورت کی صورت حال کے اس پہلو پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے جن کی بابت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ معاشرہ میں قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے اسلام کا مناسب نمونہ پیش کریں گی۔

اس چیلنج اور پچھلے چیلنج کے موضوع پر داعیٔ کبیر شیخ محمد الغزالی نے ایک کتاب: ''**قضايا المرأة بين التقاليد الراكدة والوافدة**'' تحریر فرمائی ہے، اس کتاب میں انہوں نے ان مسائل پر افراط وتفریط سے محفوظ رہتے ہوئے قلم اٹھایا ہے۔

۳-شخصی ارتقاء اور حقوق وذمہ داریوں سے آگاہی

عصر حاضر کا امتیازی وصف دائمی ارتقاء اور تغیر مسلسل ہے، ہر دن ہم نئے آفاق نئے وسائل اور نئی ثقافتوں سے واقف ہوتے ہیں، عورت کو بھی دائمی ارتقاء اور تجدید مسلسل کی ضرورت ہے تاکہ وہ زمانہ کا ساتھ دے سکے اور انسانی معاشرہ میں مناسب مقام ومرتبہ حاصل کر سکے۔

مسلمان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کرے: {وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ} (انعام: ۱۶۳) ترجمہ: (اور میں سب سے پہلا مطیع وفرمانبردار ہوں) اسی طرح اس کو یہ بھی حکم ہے کہ وہ کامیابی وکامرانی نیز ترقی کے تمام وسائل استعمال کرے تاکہ اپنے میدان میں ممتاز ترین ہو، مسلمانوں کی کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ وہ اعلی ترین اسباب زندگی اختیار کریں، اس لئے کہ جو غالب نہیں آتا وہ مغلوب ہوجاتا ہے۔

سماجی سرگرمیوں میں شریک خاتون کے لئے یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ وہ نفسیاتی، سماجی اور اقتصادی دباؤ کا سامنا کرتے ہوئے نیز ان متنوع ذمہ داریوں کو اٹھاتے ہوئے اپنی شخصیت کا ارتقاء کرے جن کے درمیان بلا افراط وتفریط توازن قائم کرنا اس کے لئے واجب ہے تاکہ وہ شریعت کی نگاہ میں کسی ممنوع کام کے ارتکاب سے بچ جائے، ان سب کے ساتھ اپنی شخصیت کے ارتقاء کے لئے اس کی کوششیں اس کے لئے نہایت مشکل ہوجاتی ہیں۔

لیکن اگر کوئی عورت یہ طے کرلے کہ وہ اپنے گھر اور خاندان کی ذمہ داری اٹھانے کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرہ کی بھی خدمت کرے گی اور اپنی شخصیت کا ارتقاء بھی کرے گی تو اس کے لئے مندرجہ ذیل امور مفید ہوں گے:

۱-عورت کو شخصی ارتقاء اور حقوق وذمہ داریوں سے آگاہی کی اہمیت کا ادراک ہو، تاکہ وہ اپنے واجبات کی ادائیگی کرتے ہوئے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے وقت ہر پہلو سے بخوبی واقف ہو۔

۲- خاندانی نظام کو محکم کرنا اور ازدواجی تعلقات کو مضبوط کرنا، اس لئے کہ یہ محکم بنیاد ہے، اگر یہ بنیاد صحیح طریقہ پر اور مضبوط رکھی گئی تو عورت اپنی سرگرمیوں کو مستقل جاری رکھ سکے گی، اس لئے کہ اس صورت میں شوہر آپسی مفاہمت کے اس رویہ کے ساتھ جو ان دونوں کے درمیان مستقل پایا جانا چاہئے بیوی کی مسلسل ہمت افزائی کرے گا اور اسے تقویت پہنچائے گا۔

۳- اپنی ذات، اپنے خاندان اور معاشرہ کی خدمت کرنے والی خاتون کی مشغولیت اور وقت کی کمی کے پیش نظر ایسی خاتون کو شخصی ارتقاء کے وہ ذرائع استعمال کرنے چاہئیں جو اس کے لئے مناسب ہوں، اس زمانہ میں جو کہ معلومات کے انقلاب کا بلکہ اس کے بھی بعد کا زمانہ ہے عورت کو اپنی شخصیت کے ارتقاء کے لئے ایسے مختصر وقتی طریقے ضرور مل جائیں گے جو اس کا وقت بھی بچائیں اور مختلف ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم کرنے کو بھی یقینی بنائیں۔

۴۔عورت کی مختلف ذمہ داریوں کے درمیان توازن

سماجی سرگرمیوں میں شریک اپنی شخصیت کا ارتقاء کرنے والی اور اپنے خاندان ومعاشرہ کو فائدہ پہنچانے والی خاتون کوجن اہم چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ چیلنج بھی ان میں سے ایک ہے۔

ایسا اس لئے ہے کہ خاتون کی اولین اور بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی نگہبانی کرے، اپنے شوہر کوخوش رکھے اور اپنے گھر اور خاندان کی ہر طرح حفاظت کرے، یہ ذاری عورت کی محنت، اس کے وقت اور اس کی نفسیاتی، بدنی اور عقلی صلاحیتوں کو نچوڑ لیتی ہے، اب ہم اگر اس ذمہ داری کے ساتھ ساتھ گھر کے باہر کی بھی کچھ سماجی ذمہ داریاں اور سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی ذمہ داریاں عورت کے اوپر ڈال دیں تو پھر اس کے لئے بہت مشکل کام ہوجائے گا، اگر ہم اس کے اوپر شخصی ارتقاءاو زمانہ سے ہم آہنگی کا بوجھ بھی ڈال دیں تو کیا ہوگا؟ اس سوال پر غور کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہے کہ عورت فطری طور پر کام کے بوجھ اور سماجی زندگی کے مسائل کو اٹھانے کی ویسی صلاحیت نہیں رکھتی ہے جیسی مرد رکھتا ہے!!! یہ وہ ذمہ داریاں ہیں جو اولوالعزم خواتین ہی اٹھا سکتی ہیں، اور ایسی خواتین شاذ و و نادر ہی ہوتی ہیں۔(۱۲۳)

یقناً اگر عورت کو پہلے اپنے شوہر سے، پھر اپنی اولاد سے اور پھر معاشرہ سے مدد نہ ملے تو یہ کام نہایت مشکل اور عظیم ہوگا۔

ان تمام ذمہ دریوں کے ساتھ ساتھ عورت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سب کے درمیان توازن پایا جائے، گھر اور خاندان کا خاص طور پر خیال رکھا جائے، اس لئے کہ گھر کے باہر کی سماجی سرگرمیوں اور شخصی ارتقاء کے کچھ اپنے تقاضے ہیں تو گھر اور خاندان کے کچھ اپنے تقاضے، اور ان کے درمیان بلاافراط وتفریط توازن قائم کرنا ہے۔

اگر گھر کے باہر کی ذمہ داریاں گھریلو ذمہ داریوں پر اثر انداز ہورہی ہوں یا مکمل طریقہ پر

توازن قائم نہ ہو پا رہا ہوتو ایسی صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ نہایت عقل مندی اور جرأت کے ساتھ خاندان ،شوہر اور اولاد کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کی صحیح طریقہ پر ادائیگی کے لئے فوری اقدام کرے، اس لئے کہ شریعت نے اس کو یہ اجازت نہیں دی ہے کہ وہ اپنے گھر اور خاندان کی ضرورتوں سے اس بنیاد پر صرف نظر کرے کہ اسے اپنی شخصیت کا ارتقاء کرنا ہے، اور مسلسل سماجی سرگرمیاں انجام دینی ہیں۔

سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کا ایک ضابطہ اور اس کی ایک شرط ہم پہلے ہی یہ بیان کر چکے ہیں کہ عورت کو شوہر کی اجازت حاصل ہو، اور وہ یہ شرکت اپنے گھر کی قیمت پر نہ کرے، اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ بڑے گناہ کی بات ہے، نیز یہ ایسا خطرناک شر اور فساد ہے جو معاشرہ کے سب سے اہم ادارہ (خاندان) کو ختم کردے گا، خاندان جیسی اہمیت عورت کو کسی اور چیز کو نہیں دینی چاہئے، اور نہ خاندان کی مصلحت پر کسی اور چیز کی مصلحت کو ترجیح دینی چاہئے، چاہے یہ دوسری چیز کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو۔

اسی لئے سالم بھنساوی نے لکھا ہے: عورت کے لئے صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد اور شوہر کے تئیں اپنی ذمہ داریوں نیز سماجی عمل میں اپنی شرکت کے درمیان توازن قائم رکھے، تنہا عورت کے لئے یہ واحد شرط ہے، اس کے علاوہ جو اخلاقی شرطیں ہیں وہ صرف عورتوں کے لئے نہیں ہیں بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں طور پر ہیں۔(۱۲۴)

اس سے اگلی بات یہ ہے کہ ان دونوں طرح کی ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم کرنا بس اسی قدر واجب ہے جتنا کہ وہ کر سکے، لیکن اگر ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا تعارض پیش آئے جس کو دور کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو پھر عورت اپنے باہری کاموں میں کمی کرے گی تا کہ وہ گھر کو بچا سکے اس لئے کہ گھر بہر اعتبار زیادہ اہم اور مفید ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ پر سواری کرنے والی بہترین خواتین قریشی خواتین (اور ایک روایت میں ہے قریش کی صالح خواتین) ہیں، وہ اولاد کی کم عمری میں اس پر بہت شفقت کرتی ہیں اور شوہر کے مال کی نگہبانی کرتی ہیں''۔(۱۲۵)

ابن حجر نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس حدیث میں اشراف میں شادی

کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ...شفقت، محبت، اولاد کی ذمہ داریاں بخوبی اٹھانے، ان کی اچھی تربیت کرنے، شوہر کے مال کی حفاظت نیز اس کی بابت اچھی تدبیر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے''۔(۱۲۶)

شیخ عباس محمود العقاد لکھتے ہیں: ''عقل یا اخلاق خاتون کو ان سیاسی وسماجی حقوق کو حاصل کرنے سے نہیں روکتے ہیں جو مالی نظام، سماجی نظام اور معاملات کے طریقے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، اس کو ہر وہ حق حاصل ہے جو اسے اس کی اولین ذمہ داری کی ادائیگی سے نہ روکے، اس لئے کہ اس ذمہ داری کو اس کے علاوہ کوئی اور بہتر طریقہ پر انجام نہیں دے سکتا اور نہ وہ خود بھی کسی اور ذمہ داری کو بخوبی ادا کرسکتی ہے، یہ ذمہ داری گھر اور نئی نسل سے متعلق ہے، اس بے سکون دنیا میں ماں ایک ایسی پناہ گاہ تشکیل دیتی ہے جس میں انسانیت زندگی کی پریشانیوں سے تھوڑی دیر کے لئے نجات پاتی ہے، وہ اس نسل کو پروان چڑھاتی ہے جسے مستقبل میں ان پریشانیوں کا مقابلہ کرنا ہے، یہ والدوں کے کام نہیں ہیں، صرف ماؤوں کے ہی ہیں، اگر وہ اس ذمہ داری سے صرف نظر کرتی ہیں تو اس سے زیادہ بہتر طریقہ پر کسی اور ذمہ داری کو ادا نہیں کرسکتی ہیں، اور نہ ہی کوئی اور اس ذمہ داری کو عورت سے بہتر طریقہ پر ادا کرسکتا ہے، یعنی اس ذمہ داری سے عورت کی دست برداری کی صورت میں وہ نقصان ہے جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے۔(۱۲۷)

یہ نہایت مناسب کلام ہے، لیکن ہمیں شیخ عقاد کے اس جملہ سے اختلاف ہے: ''اس ذمہ داری کو اس کے علاوہ کوئی اور بہتر طریقہ پر انجام نہیں دے سکتا اور نہ وہ خود بھی کسی اور ذمہ داری کو بخوبی ادا کرسکتی ہے''۔ یہ کہنا تو بالکل صحیح ہے کہ اس کی اس ذمہ داری کو کوئی اور بہتر طریقہ پر انجام نہیں دے سکتا، لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ وہ کسی اور ذمہ داری کو بخوبی ادا نہیں کرسکتی، اس لئے کہ عورتیں گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ اپنی دیگر ذمہ داریوں کو بھی بخوبی انجام دے لیتی ہیں۔ ماضی کی تاریخ میں اور موجودہ معاشرہ میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں، اور عقل وشریعت بھی اس کو ممکن مانتے ہیں۔

گھر اور باہر کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں توازن قائم رکھنے کے سلسلے میں عورت کے لئے مندرجہ ذیل امور مفید ہوں گے:

۱-وہ اچھی منصوبہ بندی جو اہداف اور ترجیحات کی تعیین کریں۔

۲ – وقت کو منظّم کرنا، اس کی قیمت جاننا اور اس کو استعمال کرنے کا فن جاننا کہ وقت ہی زندگی ہے۔

۳– اس منصوبہ بندی اور منظّم کرنے کے عمل میں اپنے شوہر کو شریک کرے کہ اس سے شرکت، توازن، تعاون اور استمرار میں مدد ملے گی۔

۴– اگر اولاد منصوبہ بندی کے عمل میں شریک ہونے کی اہل ہو تو اسے بھی شریک کرے، اس سے اولاد کی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے اور مطلوبہ توازن حاصل ہوتا ہے۔

۵-کام کومنظّم اور مسلسل کرنا

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے کام کو اس طرح منظّم کر دیا جائے کہ وہ مستقبل میں استمرار کے ساتھ عورت کی صلاحیتوں کو سرگرم کر سکے، عورتیں بکثرت وقتی سماجی سرگرمیوں میں شریک ہوتی ہیں، جیسے پارلیمانی و بلدیاتی انتخابات میں یا امت کو درپیش بحرانوں میں مثلاً قوم پر حملہ کے وقت، اس کی ناکہ بندی کے وقت، کسی مسلمان ملک پر قبضہ کے وقت، مسلم ملک کی جانب سے اسلامی شعائر کے ساتھ گستاخی کئے جانے کے وقت، لیکن ان وقتی سرگرمیوں کے بعد اس کی سرگرمیاں ماند پڑ جاتی ہے، عزائم میں وہ بلندی نہیں رہتی اور عورت متحرک نہیں رہتی۔

یہ رویہ اسلامی راہ نمائی کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: اللہ کو سب سے زیادہ محبوب کون سا عمل ہے؟ فرمایا: وہ عمل جس پر سب سے زیادہ مداومت کی جائے، خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو، اس کے بعد آپ نے فرمایا: جن اعمال کی ادائیگی پر قادر ہو بس وہی اعمال ادا کرو۔ (۱۲۸)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عمل کی مداومت کی ترغیب دیتا ہے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ مداومت سے کام بہت ہو جاتا ہے، مسلسل نتیجہ برآمد ہوتا ہے، ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے، شخصیت کا ارتقاء ہوتا ہے، معلومات وسیع ہوتی ہیں، اور صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے، غرض مداومت سراپا خیر ہے۔

یہ بھی سماجی سرگرمیوں میں شریک مسلم خاتون کو درپیش ایک اہم چیلنج ہے، وہ اس چیلنج کا مندرجہ ذیل امور کی مدد سے مقابلہ کر سکتی ہے:

۱-سلسلہ کے منقطع ہونے سے اپنی ذات اور معاشرہ کو پہنچنے والے نقصان کا ادراک، نیز ذات اور معاشرہ پر مرتب ہونے والے مداومت کے مثبت نتائج کی اہمیت کا ادراک۔

۲-عورت اپنی ذمہ داریاں کم کرے، اپنے آپ کو اپنی استطاعت سے زیادہ کا مکلّف نہ بنائے، اگر وہ اپنے آپ کو اپنی استطاعت سے زیادہ کا مکلّف بنائے گا تو پھر ایک وقت اسے مجبوراً مکمل کام چھوڑنا پڑے گا۔

۳-ان سرگرمیوں میں عورت رفتہ رفتہ شریک ہو، ایسا نہ ہو کہ ابتداء میں تو نہایت جذباتی طور پر بہت سا کام کرے اور پھر رفتہ رفتہ کام کم کر کے ہر طرح کی سرگرمی سے دستبردار ہو جائے، عورت کو چاہئے کہ وہ ابتدا بتدریج کرے اور پھر نہایت حکمت اور بہتر واقفیت کے ساتھ اپنی سرگرمیاں بڑھاتی چلی جائے، اس میں بہت سے فوائد ہیں، جیسے: عمل کا استمرار اور اس کا سلسلہ منقطع نہ ہونا، مداومت کے ذریعہ عورت کو کام کے بارے میں معلومات ہونا، اس سے اس کو اور معاشرہ دونوں کو فائدہ ہوگا۔

چھٹی فصل

سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے میدان

۱-دعوت الی اللہ

۲-میڈیا

۳-رفاہی سرگرمیاں

۴-سیاسی سرگرمیاں

۵-معاشی سرگرمیاں

۶-سماجی سرگرمیاں

۷-ادبی سرگرمیاں

۸-شرعی علوم

ہم نے پیچھے بعض ان اعمال کا تذکرہ کیا تھا جن میں شرکت عورت کے لئے مشروع ہے، اور جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہیں، اسی طرح ہم نے بعض ان اعمال کا بھی تذکرہ کیا تھا جو اس کے لئے نامناسب ہیں، جن سے اس کی فطرت اور نسوانیت کو نقصان پہنچتا ہے، یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ شریعت عورت کی حفاظت کر کے اسے اپنی نسوانیت وفطرت پر برقرار، نیز اپنی ذات، اپنے شوہر، اپنی اولاد، اپنے معاشرہ اور اپنی امت کے لئے مفید بنانا چاہتی ہے، ہم نے ان سب کی واضح مثالیں پیش کی تھیں، پھر ان پر ہونے والے اعتراضات کر کے ان کا جواب دیا تھا، اور آخر میں عورت کو درپیش چیلنجز پر گفتگو کی تھی۔

اس فصل میں ہماری کوشش ہوگی کہ ہم ان اعمال کو مختلف میدانوں میں تقسیم کر کے تفصیل سے گفتگو کریں، اور ان اعمال کی واضح تقسیم کریں، تاکہ عورت اپنی صلاحیتوں کو اپنے لئے مناسب اس میدان میں استعمال کرے جس میں وہ اپنی امت اور اپنے معاشرہ کی خدمت کر سکے، خاص طور پر اس لئے کہ یہ بات قطعی دلیل سے ثابت ہو چکی ہے کہ عورت کی سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں شرکت کبھی جائز ہوتی ہے، کبھی مکروہ، کبھی حرام اور کبھی مستحب، اور جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے بسا اوقات واجب بھی، حکم میں یہ تبدیلی حالات، کام کی نوعیت، عورت کی ذاتی ضرورت، خاندان کی ضرورت اور معاشرہ کی ضرورت کے زیر اثر ہوتی ہے، اس سلسلے میں مختلف زمانوں کی ممتاز خواتین کے طریقۂ عمل سے بھی مدد لی جاتی ہے۔

ا-دعوت اِلی اللہ

اسلام نے خاتون کوعروجِ اسلامی کے آخری مقام یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی اجازت دی ہے، عہد نبوی اور اس کے بعد کی تاریخ میں ہم نے اس کی روشن مثالیں دیکھی ہیں، مثلاً حضرت ام عمار سمیہ بنت خیاط، ام عمارہ نسیبہ بنت کعب، احد کی بہادر خواتین، اسماء بنت یزید وغیرہ، جب عورت کو جہاد میں شرکت کی اجازت ہے تو پھر دعوت الی اللہ جیسے میدانوں میں اس کی سرگرمیاں کیوں کر ممنوع ہوں گی؟!

بلکہ اسلام نے دعوت الی اللہ کوعورتوں کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ ضابطہ کے اعتبار سے شرعی خطاب مردوں اورعورتوں کو یکساں طور پر مکلّف بناتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ} (توبہ: ۷۱) ترجمہ: (مومنین ومومنات آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، وہ معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں زکاۃ ادا کرتے ہیں اوراللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں۔)

شیخ فیصل مولوی کہتے ہیں: ''اسلامی سرگرمیاں اس عمل صالح کے تحت آتی ہیں جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اورعورتوں سے کیا ہے، یہ عمل صالح ایمان کا لازمی نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {الذين آمنوا وعملوا الصالحات} (جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے) یعنی عمل صالح مرد وزن دونوں سے مطلوب ہے، اور دعوت اِلی اللہ سمیت تمام شرعی تکلیفات مرد وزن سے مطلوب ہیں۔(۱۲۹)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سوئے، پھر آپ جاگے تو مسکرا رہے تھے، وہاں حضرت ام حرام بھی موجود تھیں، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ آپ کیوں مسکرا رہے ہیں، آپ نے فرمایا: مجھے میری

امت کے کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے جو اس سمندر میں تخت شاہی پر بیٹھے بادشاہوں کی طرح سفر کرتے ہوئے جہاد کریں گے، ام حرام کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریے کہ وہ مجھے ان میں شامل فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا کردی، پھر آپ سو گئے، تھوڑی دیر بعد پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ اسی طرح جہاد کرتے ہوئے مجھے دکھائے گئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے، فرمایا تم پہلے والوں میں سے ہو، ایسا ہی ہوا، حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے عہد خلافت میں ام حرام نے بحری غزوہ میں حصہ لیا اور سمندر سے نکلتے ہوئے اپنی سواری پر سے گر پڑیں اور ان کا انتقال ہو گیا۔

ذرا اس روایت پر غور کریے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ڈانٹا نہیں، یہ نہیں کہا کہ تم ایک عورت ہو، تمہاری جگہ گھر میں ہے گھر سے باہر نکلنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ آپ نے ان کی رغبت کو بنظر تحسین دیکھا، ان کے لئے دعائے خیر کی، اور ان کو یہ خوشخبری دی کہ وہ پہلی جماعت سے تعلق رکھتی ہیں، آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری بھی ہوئی۔

حضرت ام شریک غزیہ بنت جابر بن حکیم دوسیہ مکہ میں اسلام لائیں، تو قریش کی خواتین کو خفیہ طور پر اسلام کی دعوت دینے لگیں، یہاں تک کہ اہل مکہ کو ان کی اس سرگرمی کا پتہ چل گیا، اہل مکہ نے ان کو پکڑ کے ان سے کہا اگر تمہاری قوم کا خیال نہ ہوتا تو ہم تمہیں نہایت دردناک سزا دیتے، لیکن اب ہم تمہیں ان کے پاس پہنچا دیں گے، خود ام شریک کا بیان ہے کہ اہل مکہ نے مجھے اونٹ کی ننگی کمر پر سوار کیا، پھر مجھے تین دن تک بنا کھلائے پلائے رکھا، کہتی ہیں کہ تین دن کے بعد میرا حال ایسا ہو گیا کہ میں کچھ بھی سن نہیں پاتی تھی، سفر کے دوران وہ جب بھی کسی منزل پر اترتے مجھے دھوپ میں باندھ دیتے اور خود سایہ میں رہتے، مجھے کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں دیتے، مستقل انہوں نے میرے ساتھ یہی کیا، ایک منزل پر جب انہوں نے اتر کر مجھے دھوپ میں باندھا، اور خود سایہ میں چلے گئے تو اچانک مجھے اپنے سینہ پر ایک نہایت ٹھنڈی چیز محسوس ہوئی، میں نے اسے پکڑا تو وہ پانی کا ایک ڈول تھا، میں نے اس سے تھوڑا سا پیا پھر وہ اٹھ گیا، پھر آیا اور میں نے اس سے پانی پیا اور وہ پھر اٹھ گیا، پھر وہ آیا میں نے اس کو پکڑ کر تھوڑا سا

پانی پیا اور وہ اٹھ گیا، ایسا بار بار ہوا، یہاں تک کہ میں نے خوب پیا اور میں سیراب ہوگئی، پھر میں نے پورا پانی اپنے جسم اور اپنے کپڑے پر ڈال دیا، پھر جب وہ جاگے تو انہوں نے پانی کے نشانات دیکھے اور مجھے بھی بہتر حال میں پایا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تم کھل گئی تھیں، اور تم نے ہمارے پانی کے برتن سے پانی پیا ہے؟ میں نے کہا: بخدا میں نے ایسا نہیں کیا تھا، بلکہ ایسا ایسا ہوا تھا، یہ سن کر وہ بول پڑے کہ اگر تم سچی ہو تو پھر اس کا مطلب یہ کہ تمہارا دین ہمارے دین سے بہتر ہے، پھر انہوں نے اپنے برتن دیکھے تو انہیں جیسا چھوڑا تھا ویسا ہی پایا، نتیجتاً وہ مسلمان ہوگئے، پھر وہ (ام شریک) رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے بلا مہر کے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے ان کی پیش کش قبول کر لی۔(۱۳۰)

دیکھئے عہد نبوی میں عورت دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے رہی ہے، سمندر میں جہاد کر رہی ہے، رسول اللہ ﷺ سے اس دعا کی استدعا کر رہی ہے کہ وہ سمندر میں جہاد کرنے والوں میں سے ایک ہوں، آپ اس درخواست کو قبول فرما رہے ہیں، دعا کر رہے ہیں اور انہیں خوش خبری دے رہے ہیں۔

اسی لئے علامہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے ہجرت کے وقت حضرت عائشہ اور حضرت اسماء کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے عورتوں کے اندر دعوتی واصلاحی سرگرمیاں جاری رکھنے کا ثبوت ملتا ہے، عورتیں زیادہ نرم دل، زود تأثر، پاک نفس اور پاک دل ہوتی ہیں، وہ جب کسی چیز پر ایمان لے آتی ہیں تو اس کی نشر واشاعت اور دعوت میں کسی بھی مشکل کی پرواہ نہیں کرتی ہیں، اور اپنے شوہر، بھائیوں نیز اپنی اولاد کو بھی اس پر مطمئن کرنا چاہتی ہیں...ان میں ان اقدار کی نشر واشاعت کی زبردست صلاحیت پائی جاتی ہے جن کی آج کے ہمارے معاشرہ میں عورتوں کو مردوں سے زیادہ ضرورت ہے، پھر وہ بیویاں اور مائیں بنیں گی، کبار صحابہ اور پھر تابعین کی تربیت میں ان اسلامی خواتین کا بڑا کردار ہے جنہوں نے ان نسلوں کو اسلامی اخلاق وآداب اور محبت اسلام ورسول کی تربیت دی تھی، انسانی تاریخ میں بلند ہمتی، کردار کی پائیداری اور پختگی نیز دین ودنیا کے صلاح کے اعتبار سے یہ سب سے عظیم نسل تھی، ہمیں اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہئے، اور اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آج کی نوجوان لڑکیاں اور بیویاں عورتوں میں دعوت کا کام کریں''۔(۱۳۱)

سیرت نبوی کے موضوع کے ممتاز مصنف منیر محمد غضبان نے عہد نبوی کے خفیہ دور میں عورت کے کردار پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس معاشرہ کا ایک چوتھائی حصہ عورتوں پر مشتمل تھا، اکثر شادی شدہ جوانوں کے ساتھ ان کی بیویاں بھی اسلام لائی تھیں، اس خفیہ مرحلہ میں کسی کو ان کے اسلام کی بابت علم بھی نہ ہوسکا تھا، انہوں نے رازداری کا زبردست ثبوت دیا تھا، ان میں سے کسی ایک نے بھی راز ظاہر نہیں کیا تھا، دعوت کے اس مرحلہ میں ہمیں عورت کو بھی اہمیت دینی چاہئے''۔(۱۳۲)

متعدد علماء و محققین نے عورت اور دعوت إلی اللہ کے موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، مثلاً ''دور المرأة الرسالية في الدولة النبوية'' از ڈاکٹر سعید ہاشم، اس کتاب میں انہوں نے عورت کے اس کردار پر کلام کرتے ہوئے اس کی بہت سی مثالیں تین سو ساٹھ سے بھی زائد صفحات دی ہیں(۱۳۳)۔''نساء داعيات'' (۱۳۴) از ڈاکٹر توفیق الواعی ''المرأة المسلمة المعاصرة إعدادها ومسئولياتها في الدعوة'' (۱۳۵) از ڈاکٹر احمد بن محمد ابابطین، ''المرأة المسلمة وفقه الدعوة إلى الله'' (۱۳۶) از ڈاکٹر علی عبدالحلیم، ''المرأة في موكب الدعوة'' (۱۳۷) از مصطفیٰ الطحان ''المرأة الداعية معالم وعقبات ومحاذير'' (۱۳۸) از ڈاکٹر محمد بن موسیٰ الشریف۔

بلکہ عہد نبوی میں خاتون اپنے پورے خاندان کو دین جدید کی دعوت دیتی تھی، امام بخاریؒ نے اپنی سند سے حضرت عمران کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے... آپ چلے تو لوگوں نے پیاس کی شکایت کی، آپ ﷺ ٹھہرے اور آپ نے ایک شخص کو (اس شخص کا نام ابورجاء نے ذکر کیا تھا، لیکن ان کے شاگرد عوف اس شخص کا نام بھول گئے) اور حضرت علیؓ کو بلایا، اور فرمایا جاؤ پانی تلاش کرو، وہ دونوں نکلے، ان کو ایک عورت ملی جو اپنے اونٹ پر دو پانی بھری مشکوں کے درمیان بیٹھی تھی، ان دونوں حضرات نے اس سے کہا: پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا اتنی دور کہ میں کل اس وقت لے کر چلی تھی، او ہمارے لوگ پیچھے آرہے ہیں، ان دونوں صحابہ نے کہا پھر تم ہی پانی لے کر چلو! اس نے پوچھا: کہاں چلوں؟ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں، اس نے کہا کیا اس شخص کے پاس جس کو صابی کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا تم صحیح سمجھیں، چلو، وہ دونوں حضرات اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے، اور آپ کو پورا قصہ سنایا، آپ نے فرمایا اسے اس کے اونٹ سے اتارو،

پھر آپ ﷺ نے برتن منگایا، اوراس میں مشکوں سے پانی انڈیلا، اوران دونوں کے منھ باندھ دیے، اور نیچے سے پانی نکلنے کی جگہیں کھول دیں، اور یہ اعلان کردیا گیا کہ جانوروں کو بھی پلاؤ اور خود بھی پیو، پس جس کی بھی خواہش ہوئی اس نے پیا اور جس کی بھی خواہش ہوئی اس نے پلایا، پھر آخر میں آپ نے جنبی شخص کو بلایا اور پانی کا ایک برتن دیا، اور فرمایا: جاؤ اسے اپنے اوپر ڈال لو، وہ عورت کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، اور اللہ کی قسم پھر جب اس کی مشکیں اسے واپس کیں تو وہ پہلے سے زیادہ بھری ہوئیں معلوم ہورہی تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشادفرمایا اس عورت کے لئے کھانے وغیرہ کی چیزیں جمع کرو، کسی نے کھجور دی، کسی نے ستو دیا، اور کسی نے آٹا دیا، ان سب کو جمع کر کے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا، اوراس کے اونٹ پر اسے بٹھا کر کپڑے کی یہ گٹھری بھی اس کے سامنے رکھ دی، اس واقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی میں ذرہ برابر کمی نہیں کی ہے، اللہ ہی نے ہم کو پلایا ہے، وہ خاتون اپنے گھر والوں کے پاس گئی اوراسے پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی، ان لوگوں نے اس سے پوچھا کہاں رہ گئی تھیں؟ اس نے کہا میرے ساتھ عجب بات ہوئی، مجھے دولوگ ملے، اور مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے صابی کہتے ہیں، اوراس نے ایسا ایسا کیا، بخدا یا تو وہ آسمان وزمین کے درمیان رہنے والا سب سے بڑا جادوگر ہے یا پھر واقعی اللہ کا رسول ہے، اس کے بعد مسلمان اس کے اردگرد کے مشرکین پر تو حملہ کرتے تھے، لیکن اس کے محلّہ پر حملہ نہیں کرتے تھے، ایک دن اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا: میرے نزدیک تو یہ لوگ تم کو جان بوجھ کر چھوڑ رہے ہیں، تو کیا تم اسلام قبول کرسکتے ہو؟ لوگوں نے اس کی بات مان لی اوراسلام میں داخل ہوگئے۔ (۱۳۹)

آج کی مسلم خاتون بھی مساجد میں یہ کردار ادا کررہی ہے، کانفرنسوں اور جلسوں میں بھی یہ کام کررہی ہے اوراس کے اس عمل پر کوئی معتبر عالم نکیر نہیں کررہا ہے۔

درحقیقت آج ہمیں ایسی مسلم داعی خاتون کی بہت ضرورت ہے جو اپنے دین کا فہم رکھتی ہو، اپنی ذمہ داری کو سمجھتی ہو، تاکہ وہ اپنی ہم جنسوں کو (جیسا کہ اوپر ہم نے ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی تحریر میں پڑھا تھا) دعوت دے، وہ اس دعوت کا آغاز اپنی ماں، بہنوں اوراولاد سے کرے اور پھر پڑوس کی خاتون کو دعوت دے اور آخر میں تمام خواتین کو دعوت دینے لگے، معاشرہ اور خاندان پر اس کے ناقابل تردید

اچھے نتائج مرتب ہوں گے عورت کو اس سلسلے میں جو طریقے اختیار کرنے چاہئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو دعوت دے جن سے اسے اپنی روزانہ کی زندگی میں سابقہ پڑتا ہے، تا کہ وہ اپنی زندگی کی مشغولیات میں دعوت الی اللہ کو بھی وقت دے سکے، اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

١-اپنے گھر والوں، بھائیوں، بہنوں اور شوہر کو حکمت کے ساتھ دعوت دینا۔

٢-اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو اسلامی عقائد، عبادات، اقدار اور اخلاق کی دعوت دینا۔

٣-مسجدوں کے تعلیمی حلقوں اور عورتوں کی مجلسوں میں بقدر استطاعت شرکت، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ عورت اپنے اندر ایسی علمی ودعوتی صلاحیت پیدا کرے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کا سامنا کر کے ان کو تعلیم دے سکے۔

٤-اگر عورت معلم ہو تو اسے تعلیمی نصاب کو اسلام کی عظیم اقدار سے مربوط کرنا چاہئے۔

٥-جن کی ذمہ دار ہے ان کو بالعموم اور اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو بالخصوص امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا۔

٦-اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور بہنوں کی اسلامی اقدار واخلاق کے مطابق تربیت کرنا۔

٧-مسلم خاتون کو تبلیغ، دینی بات کہنے اور نصیحت کرنے کا جو بھی موقع ملے وہ مناسب حال طریقہ پر اس کا ضرور استعمال کرے۔

۲-میڈیا

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ موجودہ زمانہ میں میڈیا کے الفاظ جیسی کسی بھی چیز میں تاثیر نہیں ہے، ہم اس زمانہ کو میڈیا کا زمانہ کہہ سکتے ہیں، یہ بات تقریباً تمام ذرائع ابلاغ پر صادق آتی ہے، جیسے اخبارات، ٹیلی ویژن، چینلس، اور انٹرنیٹ، اور خدا جانے کہ مستقبل میں کیسے کیسے ذرائع ابلاغ وجود میں آئیں گے۔

عصر حاضر میں میڈیا جمہور کی راہ نمائی کرتا ہے، جوانوں کو ابھارتا ہے، رائے عامہ ہموار کرتا ہے، حقائق کو اوہام، اوہام کو حقائق، باطل کو حق اور حق کو باطل بنا کر پیش کرتا ہے، لہذا مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بھی اس میدان میں محنت اور پہل کرنے کا مظاہرہ کریں۔

ہم یہ بات پچھلے صفحات میں واضح کر چکے ہیں کہ مرد اور خواتین تکلیف شرعی اور ثواب میں برابر ہیں، اگر مرد اس کے مکلّف ہیں کہ چینلس، ٹیلی ویژن، اخبارات و جرائد اور انٹرنیٹ کے ذریعہ زبردست میڈیائی مہم چلائیں تو پھر یہ تصور کیسے کیا جائے کہ عورتیں اس منظرنامہ سے غائب ہوں۔

عصر حاضر میں میڈیا جہاد کا ایک میدان ہے، اور جب ماضی میں عورت نے خونریز جہاد میں شرکت کی ہے تو وہ اس پرامن جہاد میں شرکت کیوں نہ کرے۔ علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے میڈیا یا انٹرنیٹ کو عصر حاضر کا جہاد کہا ہے، اس لئے کہ جیسا کہ اوپر لکھا گیا آج میڈیا کے الفاظ کی جو تاثیر ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے۔

لیکن اس موقع پر اس بات کی جانب توجہ دلانا ضروری ہے کہ اس میدان میں شرکت کرنے والی عورت جب اسکرین پر آئے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ لباس، گفتگو اور چال میں شرعی ضابطوں کی رعایت کرے، اور اگر مردوں کے ساتھ اختلاط کی صورت پیش آئے تو اس سلسلہ کی شرعی ہدایات کا خیال رکھتے ہوئے ملاقات میں سنجیدگی کا التزام کرے۔

عورت کواس بات کی ضرورت ہے کہ وہ خود عورتوں سے اپنی مشکلات کا حل سنے، اس کے سوالات کا جواب عورتیں دیں، اس کے غم ومسرت میں عورتیں اس کے ساتھ ہوں، اور وہ مستقبل کی منصوبہ بندی عورتوں کے ساتھ کرے، اس لئے کہ عورتوں کی کچھ ایسی مخصوص باتیں ہوتی ہیں جن کی بابت مرد اچھی طرح گفتگو نہیں کر سکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں عورت مندرجہ ذیل امور انجام دے سکتی ہے:

۱-مضامین، تجزیے اور خبریں تحریر کرنا نیز انٹرویو لینا۔

۲-رپورٹس تیار کرنا، مباحثوں میں شرکت کر کے اعتراضات کا جواب دینا۔

۳-انٹرنیٹ کے ذریعہ لوگوں کی رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرنا۔

۴-ٹیلی ویژن کے لئے ایسے پروگرام تیار یا پیش کرنا جن کا مقصد عورتوں کی ترقی اور راہ نمائی ہو اور جو معاشرہ کو اخلاقی انحطاط نیز تباہ کن رجحانات سے نجات دلائیں۔

۵-ڈرامے بنانا، اور اس کے قوانین کے ساتھ اس میں سرگرم شرکت، اس لئے کہ ایک ڈرامے میں دسیوں کتابوں اور سیکڑوں تقریروں سے زیادہ تاثیر ہوتی ہے، ڈاکٹر محمد سلیم العوا نے لکھا ہے: ''ہمارے یہاں مصر میں صرف عورتوں کے لئے مخصوص ایسے مقامات تھے جہاں صرف خواتین اچھے اور بے نظیر ملکی وغیر ملکی ڈرامے دیکھتی تھیں، وہ ان سے لطف اندوز ہوتیں، تہذیب سیکھتیں، ان کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا، ان کے آفاق وسیع ہوتے، اور انہیں صحبت صالح ملتی، نیز شوہر، گھر، بچوں اور معاشرہ کے لئے نافع کام کرنے کی استطاعت ان میں پیدا ہوتی۔''(۱۴۰)

۶-بچوں کی اسلامی تربیت کے نقطۂ نظر سے ٹیلی ویژن کے پروگرام تیار کرنا، ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والا ایک پروگرام لاکھوں لوگ دیکھتے ہیں، کسی مجلّہ یا اخبار یا ویب سائٹ پر شائع ہونے والا مقالہ ہزاروں لوگ دیکھتے ہیں، اس لئے یہ براہ راست دعوت دینے کے عمل سے بہتر ہے، لیکن براہ راست دعوت دینے کی اپنی جگہ اہمیت بہرحال مسلم ہے، ہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ویڈیو پروگرام پڑھی جانے والی چیزوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔

۷-خواتین، خاندان، بچوں اور ان پیشوں سے متعلق ابلاغی وثقافتی لیفلٹس اور پلے کارڈ تیار

کرنا جو عورتیں انجام دے سکتی ہوں۔

۸-ایمانی، تربیتی، اور دعوتی معانی کے حامل آرٹس بورڈ بنانا

اس طرح میڈیا کے میدان میں سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل خاتون کی تمام صلاحیتیں اس طور پر استعمال ہوسکتی ہیں کہ اس طرح کی سرگرمی اور اس کی اصل ذمہ داری کے درمیان کوئی تعارض نہ پایا جائے، یہاں پر ہم یہ کہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میدان میں خاص طور پر شرعی ضابطوں اور اخلاقی آداب کی رعایت بہت ضروری ہے، اس لئے کہ اس میدان میں دینی بے راہ روی اور منکرات کے ارتکاب کا سب سے زیادہ امکان ہے، لیکن مسلم خاتون اپنے اخلاق، اپنی اقدار اور اپنی صحیح تربیت کی بنیاد پر اس کی ذمہ دار ہے کہ وہ معاشرہ پر مؤثر ہو اس سے متأثر نہیں، اگر وہ اپنے آپ کو اس مطلوبہ معیار پر نہیں رکھ سکتی ہے یا پھر وہ رفتہ رفتہ شرعی محرمات کی یا کم از کم مشتبہ امور سے سمجھوتہ کرنے لگے تو پھر وہ ایک لمحہ بھی اس میدان میں رہ کر اپنے دین کو نقصان نہیں پہنچائے گی، اس کی صلاحیتوں کے استعمال کے اور بھی بہت سے میدان ہیں۔

۳- رفاہی سرگرمیاں

مختلف قسموں کی رفاہی سرگرمیاں میں بھی ان سرگرمیوں میں سے ہیں جن میں عورت امتیازی کردار ادا کرسکتی ہے، اس لئے کہ عورت کچھ مخصوص شخصی، نفسیاتی، جذباتی اوصاف سے متصف ہوتی ہے، نیز اس کے اندر کسی بات کو جلد ماننے کا جوہر پایا جاتا ہے، متعدد سائنسی تحقیقات اور انفرادی مشاہدات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عورت کا اصلی وصف جذبہ ہے، اس کے اس وصف کو خواتین کے درمیان کئے جانے والے رفاہی کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ وہ یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے، ایسا اس لئے ہے کہ وہ ان کے اوپر زیادہ مؤثر ہوسکتی ہے، انہیں زیادہ اطمینان دلاسکتی ہے، ان کے جذبات کا زیادہ خیال رکھ سکتی ہے اوخود اس میں رفاہی سرگرمیوں میں شرکت کی زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔

رفاہی سرگرمیوں کی عورت میں خصوصی صلاحیت پائے جانے کی دلیلیں عہد نبوی میں بھی ملتی ہیں، اس کی سب سے واضح مثال حضرت زینب بنت جحش ہیں، آپ امہات المؤمنین میں سب سے سخی تھیں، وہ کھالوں کو دباغت دیتیں اور سیتیں پھر انہیں یا ان سے حاصل ہونے والے نفع کو اللہ کی راہ میں صدقہ کردیتیں (۱۴۱)، میدان جنگ میں صحابیات کے ذریعہ زخمیوں کو پانی پلانے اور ان کا دوا علاج کرنے کو بھی رفاہی سرگرمیوں میں شامل مانا جاسکتا ہے۔

آج مسلم معاشروں کے خلاف جنگیں اور حملے جاری ہیں، ان جنگوں اور حملوں کے نتیجے میں نہ جانے کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہوتی ہیں، ان مسائل میں عورت کا کردار واضح ہوکر سامنے آتا ہے، اسے خواتین کی رفاہی تنظیمیں بنا کر ضرورت مند خواتین کی مدد کے لئے رفاہی سرگرمیاں انجام دینی چاہئیں۔

جب کبھی بھی امت کسی بحران میں بالخصوص انسانی بحران میں مبتلا ہوئی ہے عورتوں نے اس

بحران سے امت کو نکالنے میں سب سے زیادہ تعاون دیا ہے، وہی سب سے پہلے آگے آئی ہیں، خواتین کی رفاہی سرگرمیاں کمیت اور کیفیت دونوں اعتبارات سے ممتاز رہی ہیں، اس کی سب سے قریبی مثال فروری ۲۰۰۸ء میں کیا گیا غزہ کا وہ محاصرہ ہے جو'' محرقۃ غزۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس موقعہ پر رفاہی کام بری طرح متأثر تھا، رفاہی کام کرنے والوں کی اکثریت کویت، قطر، بحرین، مصر اور دیگر اسلامی ممالک کی خواتین پر مشتمل تھی، یہاں تک کہ بحرین کی کچھ خواتین دس ٹرک سامان لے کر غزہ پہنچ گئی تھیں۔

مغرب کے رفاہی کاموں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ امریکی رفاہی تنظیموں میں کام کرنے والوں میں دو تہائی سے زیادہ خواتین ہیں، بلکہ پچاس فیصد مالی معاونین بھی خواتین ہوتی ہیں، امریکہ کے بعض اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ رفاہی کاموں میں ۷۰٪ خواتین کام کرتی ہیں۔

رفاہی تنظیموں اور اداروں کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ رفاہی سرگرمیوں میں خواتین ۲۸ بلین ڈالر سالانہ مالی تعاون کرتی ہیں، اور رفاہی تنظیموں میں مالی تعاون جمع کرنے والوں میں خواتین ۵۲٪ ہیں۔

مغربی رفاہی تنظیمیں اپنے رفاہی ورضا کارانہ کاموں میں عورتوں کی صلاحیتوں کا بہت استعمال کرتی ہیں، ہماری اسلامی رفاہی تنظیموں کو بھی مسلم خواتین کو رفاہی سرگرمیوں پر ابھارنا چاہئے، اس لئے کہ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا عہد نبوت سے ہی رفاہی کاموں میں ہم عورتوں کی شرکت دیکھتے چلے آرہے ہیں۔

ہمارے رفاہی اداروں کو اپنے یہاں مسلم خواتین کا زوردار استقبال کرنا چاہئے، نیز انہیں ایسا پاکیزہ ماحول فراہم کیا جائے جو دیندار مسلم خاتون کے لئے دینی احکام کی عمل آوری میں معاون ہو۔

عورت رفاہی عمل کے سلسلے میں مندرجہ ذیل طریقے اختیار کرسکتی ہے:

۱-ضرورت مند خاندانوں کی فکر

۲-بیواؤں اور یتیموں کی فکر

۳-مالی تعاون جمع کرنا اور رفاہی مارکیٹس قائم کرنا

۴- رفاہی کھانوں، امدادی ہفتوں، خاندان، بچپن اور مامتا سے متعلق ہونے والے پروگراموں میں شرکت

۵- ہنگامی حالات کے وقت مالی جہاد میں حصہ لینے پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور صلاحیتوں کو استعمال کرنا

۶- اپنے متعلقین کو ان مظلوم ومغلوب مسلم قوموں کے مسائل کے حل کے لئے مالی امداد اور دیگر ذمہ داریاں یاد دلانا جن کا محاصرہ کر کے انہیں بھوکا رکھا جاتا ہے، اور ان کا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔

۴- سیاسی سرگرمیاں

عام طور پر ہم سیاسی سرگرمیوں کو بلدیاتی اداروں اور پارلیمنٹ وغیرہ میں نمائندہ بننے یا بنانے اور وزارت وغیرہ کے مناصب حاصل کرنے تک محدود مانتے ہیں، جب کہ سیاسی سرگرمیوں کا اسلامی تصور اس سے کہیں زیادہ وسیع اور عمیق ہے۔

بعض لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ خواتین سیاسی گرمیوں کے لئے اور سیاسی سرگرمیاں ان کے لئے کیسے مناسب ہوسکتی ہیں، اس موضوع پر گفتگو کو ہم اس وقت تک آگے نہیں بڑھا سکتے جب تک عہد نبوی میں سیاسی سرگرمیوں کے وسیع تر مفہوم کے مطابق ان میں خواتین کی شرکت پر گفتگو نہ کرلیں، اگر یہ بات یعنی عہد نبوی میں سیاسی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت ثابت ہوجائے گی تو پھر یہ ایک ایسی دلیل ہوگی جس سے اختلاف کسی بھی مسلمان کے لئے روا نہ ہوگا۔

عورتوں کے ذریعہ مدینہ کی جانب ہجرت کرنے پر خود نص قرآنی مشاہد ہے، {يا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ} (أحزاب:۵۰) ترجمہ: (اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کردی ہیں جنہیں آپ مہر دے چکے ہیں، اور وہ باندیاں بھی جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دی ہیں، اور آپ کی وہ چچازاد بہنیں، پھوپھی زاد بہنیں، ماموں زاد بہنیں، خالہ زاد بہنیں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔)

امام بخاری نے اپنی سند سے امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھے حضرت عروہ بن زبیر نے بتایا کہ انہوں نے حضرات مروان ومسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کو صحابہ کے حوالہ سے یہ بتاتے ہوئے سنا کہ جب (صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے نمائندہ) سہیل بن عمرو نے معاہدہ کیا تو اس میں ایک شرط

سہیل نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی لگائی کہ ہمارے یہاں سے جوکوئی بھی آپ کے یہاں آئے گا خواہ وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو آپ اس کو ہمارے پاس لوٹا کر ہمارے سپرد کردیں گے، مؤمنین نے اس شرط کو ناپسند کیا اور وہ اس سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے، لیکن سہیل نے اس پر اصرار کیا تو آپ ﷺ نے یہ شرط مان لی، اسی شرط کے نتیجہ میں اسی دن آپ ﷺ نے ابوجندل کوان کے والد سہیل بن عمرو کے سپرد کردیا، اس مدت میں جو مرد بھی آپ کے پاس مکہ سے آیا وہ خواہ مسلمان ہی کیوں نہ تھا آپ نے اسے واپس کردیا، کچھ مؤمن خواتین بھی ہجرت کر کے آئیں، حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی اس دن آپ کی خدمت میں آنے والوں میں سے ایک تھیں، وہ کنواری تھیں، ان کے گھر والے آئے، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے انہیں واپس کرنے کو کہا، لیکن آپ نے انہیں واپس نہیں لیا، اس لئے کہ خواتین کی بابت اللہ کی یہ ہدایت آچکی تھی {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ} (ممتحنہ:۱۰) ترجمہ: (اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے، لیکن اگر وہ تمہیں مومن معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لئے حلال نہیں اور وہ ان کے لئے حلال نہیں ہیں۔)(۱۴۲)۔

عہد نبوی میں خواتین امام المسلمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھیں، قرآن میں اس کا تذکرہ موجود ہے، خیال رہے کہ بیعت ایک خالص سیاسی عمل ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئاً وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيم} (ممتحنہ:۱۲) ترجمہ: (اے نبی! جب اہل ایمان خواتین آپ کے پاس اس بات کی بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، خود ساختہ بہتان کسی پر نہیں لگائیں گی اور معروف کے سلسلہ میں آپ کی

نافرمانی نہیں کریں گے، تو آپ ان کو بیعت کر لیجئے اور ان کے گناہوں کی معافی کے لئے اللہ سے دعا کیجئے، بلا شبہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی ہے، یہ تمام حضرات خطبہ سے پہلے عید کی نماز پڑھتے تھے، اور نماز کے بعد خطبہ دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہو کر نکلے تو اس وقت کا یہ منظر اب تک میری نگاہوں میں ہے کہ آپ لوگوں کو اپنے ہاتھ سے بیٹھنے کو کہہ رہے تھے، پھر آپ ان کے درمیان سے نکلے اور عورتوں کے مجمع میں آئے، آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے۔ آپ نے عورتوں کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئاً وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ} ترجمہ: (اے نبی جب آپ کے پاس اہل ایمان خواتین اس بات کی بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر خود ساختہ بہتان نہیں لگائیں، اور معروف کے سلسلہ میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، تو آپ ان کو بیعت کر لیجئے اور ان کے گناہوں کی معافی کے لئے اللہ سے دعا مانگئے بلا شبہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے) پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد کہا کہ اے خواتین کیا تم یہ معاہدہ کرتی ہو، ایک خاتون نے کہا اور سب خاموش رہیں: جی ہاں! حسن (حدیث کے ایک راوی) کو اس خاتون کا نام نہیں معلوم تھا، پھر آپ نے فرمایا: تو اے عورتو! صدقہ کرو! پھر حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلایا، اور کہا لاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان، خواتین اپنے زیورات حضرت بلالؓ کے کپڑوں میں ڈالنے لگیں''۔(۱۴۳)

شیخ ابوشقہؒ نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عورتوں کی بیعت سے متعدد باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱-عورت کا مستقل حیثیت کا حامل ہونا، یعنی وہ محض مرد کی تابع نہیں ہے، بلکہ وہ مردوں کی

طرح بیعت بھی کرتی تھی۔

۲-عورتوں کی بیعت اسلام اور اطاعت نبوی کی بیعت، اس بیعت کے بارے میں مرد اور عورت یکساں ہیں۔

۳-رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عورتوں کی بیعت کی دو بنیادیں ہیں: الف: آپ ﷺ کے رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے، ب: آپ ﷺ کے امام المسلمین ہونے کی حیثیت سے، دوسری حیثیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: {ولا يعصينك في معروف} (اور معروف کے سلسلے میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی)۔(۱۴۴)

اس کی دلیل عہد نبوی کے بہت سے وہ واقعات بھی ہیں جو سیاسی منظر نامہ پر عورت کے وجود کی اہمیت واضح کرتے ہیں جیسے جہاد میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت، جہاد بھی سیاست شرعیہ کی ایک قسم ہے، عورت کے ذریعہ مردوں کو پناہ دینا اور آپ ﷺ کا اس کو برقرار رکھنا، صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کو حضرت ام سلمہ کا مشورہ وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد سلیم العوا لکھتے ہیں: ''اپنے حقوق وعام آزادی سے بہرہ ور ہونے نیز سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کے اعتبار سے مرد وخواتین بالکل یکساں ہیں، اس کی سیاسی ذمہ داریوں کی ادائیگی اور دیگر ذمہ داریوں کی ادائیگی کے درمیان تعارض اسی قدر پایا جاتا ہے جس قدر مرد کی سیاسی ذمہ داریوں اور دیگر ذمہ داریوں میں پایا جاتا ہے، اور یہ وہ تعارض ہے جو ہر حالت میں ایک مناسب طریقہ سے زائل ہو جاتا ہے، اس تعارض کو ختم کرنے کے ذرائع میں عورت کو سماجی سرگرمیوں سے روکنے والے قواعد یا دوسروں کے وضع کردہ قواعد کو قبول کرنا نہیں ہے''۔(۱۴۵)

سیاسی سرگرمی وہ شرعی فریضہ ہے جس سے کوئی شخص بے تعلق نہیں رہ سکتا ہے، کبھی یہ فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ، سیاسی سرگرمی کوئی نفل عمل نہیں ہے، بلکہ وہ ایک فرض ہے، جس کی بنیاد وہ تصور استخلاف ہے جو ہر مسلمان کے ایجابی وسلبی واجبات کا سرچشمہ ہے۔(۱۴۶)

یہاں تک کہ سیاسی سرگرمیوں کے اس تنگ مفہوم کی بابت بھی جس کو بعض لوگ صرف نمائندہ بننے اور بنانے تک محدود کرتے ہیں، اس کی بابت ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کہتے ہیں: ''اسلام عورت کو اس

اختیار دینے سے منع نہیں کرتا ہے، انتخابات کے ذریعہ درحقیقت امت قانون سازی اورحکومت کی نگہبانی کے لئے اپنے وکیل منتخب کرتی ہے، یعنی انتخاب کا عمل وکیل بنانے کا عمل ہے، ایک شخص پولنگ بوتھ پر جا کر اپنا ووٹ ڈالتا ہے اور پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے منتخب کرتا ہے جو اس کی جانب سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے حقوق کا دفاع کرتا ہے، اسلام عورت کو معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنے حقوق کا دفاع اور اپنی بات کہنے کے لئے ایک وکیل نامزد کرنے سے نہیں روکتا ہے۔'' (۱۴۷)
آگے چل کر شیخ سباعی نے ایسی تدابیر اختیار کرنے کی بھی تاکید کی ہے جو عورت کو اختلاط اور شرعی ممنوعات کے ارتکاب سے محفوظ رکھے۔

بلکہ ڈاکٹر محمد فرید صادق نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں سیاسی سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کو ممنوع قرار دینے والوں کے دلائل سے بحث کرنے کے بعد لکھا ہے: ''سیاسی حقوق کو مردوں تک محدود رکھنے اور عورتوں کو ان سے محروم رکھنے سے حقیقی اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے، حقیقی اسلام تو ان سیاسی حقوق میں مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر مساوی رکھنا چاہتا ہے، یعنی اس سلسلے میں قصور اسلام کا نہیں اس کے بعض نام لیواؤں کا ہے''۔ (۱۴۸)

تاریخ اسلامی کے تمام عہدوں میں یہاں تک کہ ان عہدوں میں بھی جنہیں ہم عہد انحطاط کہتے ہیں عورت نے سماجی سرگرمیوں میں سرگرم شرکت کی ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر نریمان عبدالکریم احمد (مدرسۃ التاریخ الإسلامي بآداب المتوفیہ) کی کتاب کا مطالعہ کافی ہے، اپنی اس کتاب میں انہوں نے فاطمی عہد کے حوالہ سے ان موضوعات پر گفتگو کی ہے: عورت کی صورت حال، سماجی، سیاسی اور اقتصادی سرگرمیوں میں اس کی شرکت، قحط کے زمانہ میں عورت کا کردار، اس کے اختیار کردہ مختلف پیشے، اور ''حاکم بأمراللہ'' کے تئیں خاتون کا موقف وغیرہ۔ (۱۴۹)

سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کی بابت شریعت کے نقطۂ نظر پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ ایک بھی نص ایسا نہیں ہے جو عورت کو سماجی وسیاسی سرگرمیوں میں شرکت سے روکے، بلکہ سوائے سربراہی مملکت کے کسی بھی مشروع کام سے عورت کو نہیں روکا جائے گا، سربراہی مملکت اس لئے ممنوع ہے کہ اس کی ممنوعیت ایک حدیث سے ثابت ہے، جس کے الفاظ ہیں: ''لن

يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة''(وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنی قیادت کسی عورت کے سپرد کردی ہو)۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ایسا اس لئے ممنوع ہے کہ ان عہدوں پر اس کے فائز ہونے سے اسے مرد پر یک گونا ''قوامیت'' حاصل ہوجائے گی، اس لئے کہ قوامیت کا تعلق صرف خاندان سے ہے، اس لئے مسلم خاتون کو سیاسی سرگرمیوں میں شرعی ضابطوں کی رعایت کرنی چاہئے، اپنی ترجیحات کا خیال رکھنا چاہئے، اپنی ذمہ داریوں میں توازن برقرار رکھنا چاہئے، اور معروف کے سلسلے میں اپنے شوہر کی اطاعت کرنی چاہئے۔

موجودہ حالات میں اہم ترین سیاسی سرگرمیاں یہ ہیں:

۱-سیاسی پارٹیوں کی سرگرمیوں میں شرکت۔

۲-سیاسی معاملات میں اظہار خیال، اور مختلف حکومتی ذمہ داریوں میں شرکت۔

۳-مختلف حکومتی اداروں میں امت کے نمائندے منتخب کرنے میں شرکت۔

۴-سربراہ حکومت کے انتخاب میں شرکت۔

۵-بلدیاتی اور قانون ساز اداروں میں نمائندگی کی امیدواری۔(۱۵۰)

۵-معاشی سرگرمیاں

پیشہ ورانہ سرگرمیاں ان سرگرمیوں کے قبیل سے ہیں جن میں حصہ لینا عورت کے لئے مشروع ہے، بلکہ جن میں شرکت اس کے لئے اس وقت واجب ہو جاتی ہے جب معاشرہ کو ضرورت ہو اور یہ سرگرمیاں اس کی گھریلو ذمہ داریوں سے معارض نہ ہوں، اس لئے کہ معاشی سرگرمیوں کے ذریعہ معاشرہ کی ضرورتوں کی تکمیل فرض کفایہ ہے۔

خواتین عہد نبوی میں معاشی سرگرمیاں انجام دیتی تھیں، وہ کھیتی وغیرہ کے امور بھی انجام دیتی تھی، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق ہوگئی، (عدت کے دوران) انہوں نے چاہا کہ وہ اپنے کھجور کے باغ سے پھل توڑ لیں، ایک شخص نے گھر سے باہر نکلنے سے ان کو سختی سے روکا، وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں، تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، اپنے باغ کے پھل توڑ لو، ہوسکتا ہے کہ تم صدقہ یا کوئی اور نیکی کا کام کرو۔(۱۵۱)

عہد نبوی کی خواتین کپڑے بھی بنتی اور سیتی تھیں، حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت ''بردۃ'' لے کر آئی، حضرت سہیل نے اتنا کہہ کر دریافت فرمایا: ''بردۃ'' جانتے ہو کسے کہتے ہیں؟ حاضرین نے کہا جی ہاں! اس چادر کو کہتے ہیں جس کے کنارے کڑھائی کردی جاتی ہے، پھر حضرت سہل نے کہا کہ اس عورت نے کہا یا رسول اللہ! میں نے یہ چادر اپنے ہاتھ سے بنی ہے تاکہ میں یہ آپ کی خدمت میں پیش کروں، آپ نے وہ چادر قبول کرلی، آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر آپ ہمارے پاس آئے تو وہ آپ کا ازار تھی، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مجھے عنایت فرما دیجئے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، آپ مجلس میں بیٹھے پھر اندر جا کر اس کو اتار کر تہہ کیا اور اس شخص کو بھیج دی، لوگوں نے اس شخص سے کہا: تم نے آپ سے چادر مانگ کر کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے، تم تو جانتے ہو کہ آپ کسی سے انکار نہیں کرتے ہیں، اس شخص نے عرض کیا: بخدا میں نے تو یہ چادر اس لئے مانگی تھی کہ وہ

وفات کے بعد میرا کفن بنے، حضرت سہل نے بیان کیا کہ پھر یہ چادر اس کا کفن بنی۔(۱۵۲)

خواتین مریضوں کی تیمار داری اور ان کا علاج معالجہ بھی کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ خندق کی جنگ میں حضرت سعد کی رگ جاں پر زخم لگا، آپ نے ان کے لئے مسجد میں خیمہ لگوادیا، تاکہ آپ ان کی خبر گیری قریب سے کرسکیں، مسجد میں بنی غفار کا ایک خیمہ تھا حضرت سعد کے زخم کی طرف سے لوگوں کو اطمینان ہوگیا تھا، ان کو فکر تبھی ہوئی جب انہوں نے دیکھا کہ خون بہہ کر باہر کی سمت آرہا ہے، تو لوگوں نے دریافت کیا: اے خیمہ والو! یہ تمہاری طرف سے کیسا خون آرہا ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت سعد کے زخم سے خون بہت نکل گیا تھا، اس لئے اسی خیمہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔(۱۵۳)

طبی معاشی سرگرمی میں تو عورت کی شرکت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس میدان میں متعدد مسلم خواتین نے نمایاں کردار ادا کیا ہے، مثلاً: ام عطیہ انصاری، شفاء بنت عبداللہ القرشیہ، زینب جو کہ بنی ازد کی طبیبہ تھیں، ام الحسن بنت القاضی ابوجعفر الطنجالی، اندلس میں بنوزہر کی خواتین طبیب، بنت دہن اللوز دمشقیہ اور بنت شہاب الدین بن الصائغ۔(۱۵۴)

بلکہ رفیدہ اسلمیہ تو پہلی میدانی طبیب تھیں، خندق کے دن حضرت سعد ان کے ہی خیمہ میں لائے گئے تھے، احد میں اور اس سے پہلے بدر میں بھی انہوں نے زخمیوں کی اپنے خیمہ میں تیمارداری کی تھی، وہ ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرتیں، ان کی خبر گیری کرتیں، ان کی خدمت اور ان کے ساتھ غمگساری کرتیں، حضرت رفیدہ کا خیمہ اسپتال جیسی صورت اختیار کرگیا تھا، اس میں چارپائیاں تھیں، دوائیں تھیں، پٹیاں تھیں، اور جراحی کے آلات تھے، اس کام میں ان کا تعاون بعض صحابیات رضاکانہ طور پر کرتی تھیں۔(۱۵۵)

رسول اکرم ﷺ کے زمانے اور آپ کے بعد کے زمانوں میں پائی جانے والی ان معاشی سرگرمیوں کے علاوہ ہمارے زمانے میں بہت سی نئی صورتیں پیدا ہوئی ہیں، نیز ایسی ضرورتیں سامنے آئی ہیں جنہوں نے اس میدان میں خواتین کی شرکت کو لازم قرار دے دیا ہے۔

مثلاً: جدید طبی ترقیاں، عورتوں کا ایسا علاج اور ان کے ایسے مخصوص امراض جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ خواتین طبیب پائی جائیں، لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی یکجا تعلیم، اس لئے ضروری ہے کہ

ان دونوں کی تعلیم کا الگ انتظام ہو، لڑکوں کے لئے معلمین ہوں تو لڑکیوں کے لئے معلمات، یا اگر دونوں ایک ساتھ تعلیم حاصل کریں تو شرعی اصولوں کی پابندی کے ساتھ، اسی طرح لوگوں کی ضرورتیں بھی عورتوں کے لئے اس کو لازم قرار دیتی ہیں کہ وہ اپنے شایان شان معاشی سرگرمیاں انجام دے کر اپنا خرچ چلاسکیں اور معاشرہ کی خدمت کرسکیں۔

معاشی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کے اہم مقاصد میں عورت کا اپنا خرچ چلانا اور اپنے معاشرہ کی خدمت کرنا بھی ہے، اس کے دیگر مقاصد میں سے معاشرہ کی ضرورتوں کی تکمیل اور پوری امت کی جانب سے فرض کفایہ کی ادائیگی بھی ہے، یعنی بعض معاشی سرگرمیاں ایسی ہیں کہ اگر انہیں کچھ عورتیں انجام نہ دیں تو سب گناہ گار ہوں گے، اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کے اہل خانہ اور اہل وعیال اگر اپنا خرچ نہ چلاسکیں تو یہ چلالے، اس کے علاوہ اور بھی اہم مقاصد ہیں جو اس طرح کی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت سے حاصل ہوتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ عورت مردوں کے ساتھ اختلاط کے وقت شرعی اصولوں کی پابندی کرے۔

اس سلسلے میں عورت مندرجہ ذیل کام کرسکتی ہے:

۱- ایسے آسان کام جو گھر میں ہوسکتے ہیں، جیسے کپڑے بننا اور سینا۔

۲- پری نرسری، اور نرسری اسکولوں میں سروس کرنا اور بچوں کی اسلامی تربیت کرنا۔

۳- اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں بالخصوص لڑکیوں کو پڑھانا، یہ اعلی ترین معاشی سرگرمیوں میں سے ہے۔

۴- اسپتال وغیرہ میں طبی ذمہ داریاں ادا کرنا، بالخصوص عورتوں اور بچوں سے متعلق۔

۵- عورتوں اور بچوں کے لئے مفید اور معاشرہ کی ضرورت پورے کرنے والے جو کام بھی عورت کرسکتی ہے وہ شرعی اصولوں کے مطابق یا تو مستحب ہوتے ہیں یا واجب۔

۶-سماجی سرگرمیاں

اس موقع پر سماجی سرگرمیوں سے ہماری مراد معاشرہ کے لئے مفید اعمال اور اس کی خدمت کرنے والی سرگرمیاں ہیں، ان سرگرمیوں کی متعدد قسمیں ہوسکتی ہیں، جیسے تعلیمی سرگرمیاں، تہذیبی سرگرمیاں، ترقی کی سرگرمیاں، صفائی کی سرگرمیاں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سرگرمیاں وغیرہ۔

اگر اسلامی نقطۂ نظر سے عورت سیاست کی متعدد قسموں کی اہل ہے تو پھر اس کا تقاضا ہے کہ عورت تہذیبی و دیگر سماجی سرگرمیوں کی بحسن وخوبی ادائیگی اور ان کی بابت خیر وشر کی تمیز کی بھی اہل ہو۔ پھر سیاسی سرگرمیاں سماجی سرگرمیوں سے جدا نہیں کی جاسکتیں، سماجی سرگرمیاں مسلم معاشرہ میں عورت کی سیاسی سرگرمیوں کے فہم کا اہم ذریعہ ہیں۔(۱۵۶)

ان سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی دلیل اللہ تبارک وتعالی کا یہ ارشاد ہے: {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ} (توبہ:۷۱) ترجمہ: (مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں۔)

محترم بہی الخولی لکھتے ہیں: ''یہ آیت معاشرہ کے صلاح کو ہر مؤمن مرد وخاتون کی ذمہ داری قرار دیتی ہے، اور ان دونوں کو اس کا ذمہ دار بتاتی ہے، اس سلسلہ میں نہ عورت کو چھوٹ ہے اور نہ مرد کا استثناء۔(۱۵۷)

رسول اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی آپ کا استقبال کیا، حضرت براء سے روایت ہے: فرماتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے میرے والد سے ایک سواری تیرہ درہم کے عوض خریدی.....پھر وہ (سراقہ) قریب آئے تو ان کا گھوڑا پیٹ تک دھنس گیا، وہ اس سے کود

کر نیچے آئے اور بولے: اے محمد! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ آپ کا کام ہے، اللہ سے دعا کریے کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دلائے، اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں واپس جا کر لوگوں کو آپ کی بابت کچھ نہ بتاؤں گا، یہ میرا ترکش ہے اس میں سے ایک تیر لے لیجئے اور آپ کو راستہ میں فلاں مقام پر میرے اونٹ اور غلام ملیں گے، جتنے اونٹوں کی ضرورت ہو وہاں سے لے لیجئے گا، آپ نے فرمایا مجھے تمہارے اونٹوں کی ضرورت نہیں،.... ہم رات کے وقت مدینہ پہنچے، وہاں کے باشندگان رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کی بابت بحث کرنے لگے کہ آپ کس کے یہاں قیام فرمائیں گے، آپ نے فرمایا میں عبد المطلب کی نانیہال بنی نجار میں ٹھہروں گا، یہ شرف میں ان کو دوں گا، گھروں کے اوپر مرد اور عورت چڑھ گئے، بچے اور خدام راستوں میں تھے، اور آواز لگا رہے تھے: یا محمد! یارسول اللہ! یا محمد! یارسول اللہ! (۱۵۸)

عورتیں عید کی خوشی میں بھی مردوں کی شریک ہوتی تھیں، حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ ہمیں عید کے دن عیدگاہ جانے کا حکم دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ یہ حکم تھا کہ باکرہ خواتین بھی جائیں، حائضہ خواتین بھی جائیں، وہ پیچھے کھڑے ہو کر لوگوں کے ساتھ تکبیر کہتیں، وہ اس دن کی برکت اور پاکیزگی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔(۱۵۹)

آپ ﷺ سے عورتوں نے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ آپ ان کی تعلیم کے لئے بھی ایک دن متعین فرمادیں، حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ عورتوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ سے استفادہ کے سلسلہ میں مرد ہم پر غالب آگئے ہیں، آپ ہمارے لئے اپنی سہولت سے کوئی دن متعین فرما دیجئے، آپ نے ان کے لئے ایک دن متعین کیا، آپ نے اس دن ان سے ملاقات کی، اور ان کو وعظ فرمایا، آپ نے ان سے جو باتیں کہیں ان میں ایک یہ تھی کہ: تم میں سے جس عورت کے بھی تین بچے اس کے سامنے اللہ کے یہاں چلے جائیں گے وہ جہنم سے محفوظ ہو جائے گی، ایک عورت نے عرض کیا کہ کیا دو بچوں کی وفات کی صورت میں بھی جہنم سے حفاظت ہوگی، آپ نے فرمایا: ہاں دو میں بھی۔(۱۶۰)

خود رسول اللہ ﷺ بھی عورت کے ذریعہ انجام دیے گئے سماجی کام کی قدر فرماتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک کالا شخص یا کالی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو لگاتا یا لگاتی تھی، ایک

دن اس کا انتقال ہوگیا، آپ نے اسے نہ دیکھا تو اس کی بابت دریافت فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا انتقال ہوگیا، آپ نے فرمایا تم نے اطلاع کیوں نہیں دی مجھے اس کی قبر پر لے چلو، پھر آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعا کی ۔(۱۶۱)

عہد نبوی کی خواتین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے میدان میں بھی بہت سرگرم تھیں، اس کی ایک مثال کے طور پر یہ روایت ملاحظہ ہو: یحییٰ بن کثیر سے روایت ہے کہ ان سے محمد بن ابراہیم نے حضرت ابوسلمہ کا یہ قول نقل کیا کہ ان کے اور کچھ لوگوں کے درمیان زمین کی بنیاد پر جھگڑا تھا، اس کا تذکرہ انہوں نے حضرت عائشہ سے کیا، تو انہوں نے فرمایا: اے ابوسلمہ! زمین چھوڑ دو، کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے ایک بالشت بھر زمین پر بھی ظالمانہ قبضہ کیا اللہ اس کو سات زمینوں کا طوق پہنائیں گے۔(۱۶۲)

اور حضرت عمر کو مہر کے مسئلہ میں ٹوکنے والی عورت کا یہ قصہ تو بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس عورت کا بھی مہر ازواج مطہرات سے زائد ہو وہ جس قدر مہر زائد ہے اتنا واپس کردے، ایک قریشی عورت نے اس بات پر ان کو ٹوکتے ہوئے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ نے لوگوں کو چار سو درہم سے زائد مہر رکھنے سے منع فرمایا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا: آپ نے فرمایا: کون سا ارشاد؟ اس نے کہا: کیا آپ نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا: {وَ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً} (اور تم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو ایک قنطار دیا) یہ سن کر حضرت عمر بولے: اے اللہ مجھے معاف فرما دیجئے، سب لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں، پھر آپ واپس آئے، آپ نے منبر کے اوپر چڑھ کے کہا: اے لوگو! میں نے تم کو چار سو درہم سے زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا تھا، لیکن سنو جس کا جی چاہے وہ اس سے زیادہ مہر دے سکتا ہے۔

ڈاکٹر فضل الٰہی کہتے ہیں: ''امت کی اسلاف خواتین کو اس بات کا علم تھا کہ دین ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا نام ہے، وہ ضرورت کے موقع پر بقدر استطاعت سب کی خیر خواہی کیا کرتی تھیں، کسی سے اپنے رشتہ کا خیال ان کو اس کے احتساب سے نہیں روکتا تھا، یعنی وہ ہمارے زمانہ کے ان بہت سے لوگوں سے مختلف تھیں جو دوسروں کی غلطیوں پر تو سخت احتساب کرتے ہیں، لیکن ان کی غیرت

اس وقت ماند پڑ جاتی ہے جب غلطی کرنے والا کوئی اپنا ہوتا ہے ایسی صورت میں وہ مداہنت اور لاپروائی سے کام لیتے ہیں''۔(۱٦۳)

شیخ سالم بھنساوی نے لکھا ہے کہ:''اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دے کر سماجی غلطیوں کی اصلاح کو مرد و زن کا یکساں حق بلکہ ان کے لئے واجب قرار دیا ہے۔(۱٦۴)

ہمارے موجودہ حالات میں اس کی بہت ضرورت ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ کردار دوبارہ رواج میں آئے، بالخصوص عورتیں جن مسائل میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ معاشرہ اور امت کی خدمت کر سکیں ان میں یہ فریضہ ضرور انجام دیں، اس لئے کہ اس کے نہایت عظیم و مفید نتائج ہیں جن میں سب سے اہم معاشرہ کے سلسلہ کے فروض کفایہ کی رعایت اور ان کی ادائیگی ہے۔

اس سلسلہ میں عورت مندرجہ ذیل امور انجام دے سکتی ہے:

۱-یتیموں کی کفالت، غیر شادی شدہ عورتوں کی شادی کرانا۔

۲-لوگوں کے درمیان بالخصوص عورتوں کے درمیان صلح کرانا۔

۳-جہالت کو دور کرنے کے لئے پروگرام چلانا۔

۴-خاندانی تشدد کے خلاف تنظیمیں بنانا۔

۵-ایسے مراکز قائم کرنا جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی جائے اور زندگی گذارنے کا طریقہ سکھایا جائے۔

٦-ایسے مراکز قائم کرنا جہاں لڑکیوں کو کامیاب بیوی بننے کے ہنر سکھائے جائیں، اور یہ بتایا جائے کہ ایک عورت کو شوہر اور اولاد کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے، اور معاشرہ کی خدمت کس طرح انجام دینی چاہئے۔

۷-ایسے تمدنی ادارے قائم کرنا جو معاشرہ کی ترقی کے لئے کام کریں۔

۷-ادبی سرگرمیاں

ادبی سرگرمیوں سے ہماری مراد شعر ونثر نگاری یا ادب وفنون ادب ہیں، ان ادبی سرگرمیوں کے عورت کا میدان کار ہونے پر بعض لوگوں کو حیرت ہوتی ہے، یہ حیرت خود موجب حیرت ہے۔

اس لئے کہ عورت کو اللہ تعالی نے ایسی تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا ہے جو بعض مردوں میں بھی نہیں پائی جاتی ہیں، قدرت نے اسے نرمی اور شیرینی دی ہے، مامتا کی ذمہ داریوں کا یہ تقاضا تھا کہ عورت مرد کے مقابلہ میں زیادہ حساس اور جذبات ووجدانات کا زیادہ پاس رکھنے والی ہو، بکثرت عورت اپنے شعور اور اپنی بصیرت سے ان حقائق کی دریافت کر لیتی ہے جن تک مرد کی عقل وفکر کی رسائی نہیں ہوتی، عورت اس کاروان حیات کی زینت ہے اور ع

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں (۱۶۵)

جو شخص بھی نثر وشعر کی تاریخ کا مطالعہ کرے گا تاریخ میں بے شمار شاعرات ونثر نگار خواتین کو موجود پائے گا، ادب سے اعتناء کرنے والوں میں صرف مرد ہی نہیں ہیں، بلکہ عورتوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس میدان کی شہ سوار ہے، ہمیں تاریخ میں متعدد ممتاز ادیب وشاعر خواتین ملتی ہیں، مشہور شاعرہ حضرت خنساء سے کون واقف نہیں، امام الشعراء امرؤ القیس کی بیوی ام جندب ایسی ممتاز ادیب تھی کہ شعراء وادباء اس سے استفادہ کے لئے آتے، ام المؤمنین حضرت عائشہ کو بے شمار حدیثیں، اشعار اور واقعات یاد تھے، حضرت عثمان کی صاحبزادی عائشہ نے اپنے والد کی وفات پر ایک نہایت بلیغ ومؤثر قصیدہ کہا تھا، جو شعر وادب میں ان کے مقام بلند کا پتہ دیتا ہے، عائشہ بنت طلحہ ادب، نثر اور حکمت میں ضرب المثل تھیں، ولید بن عبد الملک کی اہلیہ فصاحت و بلاغت میں نہایت مشہور تھیں، زبیدہ بنت جعفر المنصور العباسی ام جعفر، علیہ بنت مہدی، عباسہ، ولادہ بنت المستکفی، حمدہ بنت زیادہ، مستنصر کی ''کاتبہ'' لبنی اور ممتاز اشبیلی ادیبہ مریم بنت ابی یعقوب جنہوں نے اپنے گھر کو گہوارۂ ادب اور ادیبوں کا مرکز

بنادیا تھا بھی ادبی میدان کی شہ سوار تھیں۔(۱٦٦)

بلکہ بعض علماء وادباء نے عورتوں کے اشعار پر کتابیں تصنیف کی ہیں، مثلاً مرزبانی کی ''اشعار النساء'' اور سیوطی کی ''نزهة الجلساء في أشعار النساء''۔

عصر حاضر میں بھی ایسی بہت سی خواتین ہیں، جیسے عادلہ سلطان بنت سلطان محمود الثانی، سلطان عبدالعزیز کی بہن، جن کی زندگی کا اختتام نہایت دردناک (قتل یا خودکشی کی صورت میں) ہوا، شاعرہ نکار بنت عثمان جن کے بارے میں تمام تنقید نگاروں اور مؤرخین کا اجماع ہے کہ وہ عصر حاضر کی سب سے عظیم تر کی شاعرہ ہیں، اور شاعرہ احسان ہانم رائف۔(۱٦٧)

ان کے علاوہ عصر حاضر میں عائشہ بنت عبدالرحمٰن ''بنت الشاطئ'' عائشہ التیموریہ، اور ممتاز شاعرہ علیہ الجعار جیسی بہت سی خواتین موجود ہیں۔

معاصر مسلم خاتون کو اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ وہ اسلامی اقدار واصولوں کو پرکشش انداز سے (شعر ونثر سے) تقویت پہنچانے والے اس میدان میں اچھا نمونہ پیش کرے، شعر ونثر نگاری آزادی اور تہذیب کے حامل معاشروں میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، یہ تقریروں اور لیکچرس سے بلکہ بسا اوقات نہایت زبردست مظاہروں اور احتجاجوں سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

اس سلسلہ میں مشہور اندلسی شاعر ابو اسحاق البیری (۵۷۳ھ-۴٦۰ھ/ ۹۸۵ء-۱۰٦۷ء) کی مثال کافی ہے، وہ حصن العقاب کے رہنے والے تھے، غرناطہ میں شہرت پائی اور اس کے بادشاہ کے ذریعہ ایک یہودی ابن نغرلہ کو وزیر بنائے جانے پر تنقید کی جس کے نتیجے میں انہیں جلاوطن کر کے جنوبی اندلس کے علاقہ البیرہ بھیج دیا گیا۔

اگرچہ ان کے تقریباً تمام اشعار حکمت ووعظ کے قبیل سے ہیں، لیکن ان کا سب سے مشہور قصیدہ وہ ہے جس میں انہوں نے قوم صنہاجہ کو ابن نغرلہ یہودی کے خلاف ابھارا ہے، اس قصیدہ نے صنہاجہ میں آگ لگادی اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

ان کے بارے میں ابن مقری التلمسانی لکھتے ہیں: ''جب امیر غرناطہ بادیس نے ایک یہودی کو جو کہ ابن نغرلہ کے نام سے مشہور تھا وزیر بنایا، اور مسلمان اس سے سخت پریشان ہوئے تو زاہد

البیرہ وغرناطہ اسحاق البیری نے اپنا وہ مشہور قصیدہ کہا جس میں صنہاجہ کو یہودیوں کے خلاف بھڑکاتے ہوئے کہا گیا تھا:

ألا قل لصنهاجة أجمعين	بدور الزمان وأسد العرين
مقالة ذي مقة مشفق	صحيح النصيحة دنيا ودين
لقد زل سيدكم زلة	أقربها أعين الشامتين
تخير كاتبه كافرا	ولو شاء كان من المؤمنين
فعز اليهود وانتموا	وسادوا وتاهوا على المسلمين

(سنو! نادرۂ روزگار اور بہادر صنہاجیوں میں سے ہر ایک سے محبت و مشفق نیز دین و دنیا کی سچی خیر خواہی کرنے والے کی یہ بات پہنچادو کہ تمہارے حاکم نے غلطی کی ہے، اور دشمنوں کی آنکھیں ٹھنڈی کی ہیں، اس نے کافر کو وزیر منتخب کیا ہے، حالانکہ اگر وہ چاہتا تو مؤمنین میں سے بھی وزیر منتخب کرسکتا تھا، اس کے اس عمل سے یہودیوں کو عروج حاصل ہو گیا ہے اور انہوں نے مسلمانوں پر ظلم کیا ہے)۔

یہ ایک طویل قصیدہ ہے، جسے سن کر صنہاجہ یہودیوں کے خلاف مشتعل ہو گئے اور انہوں نے بہت سے یہودیوں کو قتل کر دیا جن میں سے ایک وزیر مذکور بھی تھا۔ (خیال رہے کہ اندلس میں وزیر کو کاتب کہتے ہیں) نتیجۃً اللہ نے ملک اور بندگان خدا کی راحت کا سامان کیا، اور اس کا ذریعہ یہ محترم شاعر بنے جن کے کلام پر نورِ خداوندی کی جھلک صاف محسوس ہوتی ہے۔ (۱۶۸)

اگر شعر سچا ہو، اور اپنے زمانہ کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے زمانہ کے لئے مناسب پیغام دیتا ہو تو قوموں کی راہ نمائی، انسانوں کو ابھارنے اور حالات کی تبدیلی میں وہ نہایت مؤثر ہوتا ہے۔

اگر کسی خاتون کے اندر یہ صلاحیت پائی جاتی ہو، اور اس نے اپنی اس صلاحیت کو واقفیت، ثقافت، اور مشق و تجربہ سے جلا بخش دی ہو تو وہ اس سلسلہ میں یہ کام انجام دے سکتی ہے:

۱- بلند انسانی اقدار کی حامل ایسی نظمیں لکھنا جو بالخصوص بحرانوں کے وقت میں قوموں کی صورت حال اور امت کے احساسات کی ترجمانی کرتی ہوں۔

۲- بامقصد ادبی تحریریں لکھنا۔

۳- دلوں میں اچھے اقدار اور اصولوں کو جاگزیں کرنے والی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھنا۔

۸-شرعی علوم

شرعی علوم میں خواتین نے بہت لوگوں کی امیدوں سے کہیں زیادہ نمایاں اور ممتاز کردار ادا کیا ہے، اس سلسلہ میں آمال قرداش بنت الحسین کا ایم اے کا مقالہ ''**دور المرأة في خدمة الحديث في القرون الثلاثة الأولى**'' کا مطالعہ ہی کافی ہے، جو سلسلۃ کتاب الأمۃ کے تحت شائع ہو چکا ہے، یہ مقالہ اسلامی زندگی میں خواتین کے کردار اور ان کی افادیت کو سامنے لانے کی ایک علمی کاوش ہے۔ (۱۶۹) نبوت کے ثقافتی ورثہ میں خواتین کے روایت کردہ نصوص بھی ہیں جو بہت سے احکام کا پتہ دیتے ہیں، یہ ہر زمانہ میں عورت کی سرگرمیوں کی ایک دلیل ہوسکتی ہے، اس لئے کہ یہ اہلیت کی اعلی ترین قسم اور انسانی عزوشرف کا بلندترین مرتبہ ہے، یعنی انسانی زندگی کی بابت احکام مردوں کی طرح خواتین سے بھی حاصل ونقل کئے جاتے ہیں۔

فقہ کے میدان میں بھی عورتوں کا نہایت ممتاز کردار رہا ہے، عہد اولیں (عہد خلافت راشدہ) میں بہت سی فقیہ خواتین تھیں، جن کی فقہ مردوں نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے، ان فقیہ خواتین میں سے کچھ کا تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے:

اسماء بنت ابوبکر الصدیق، بریرہ، جویریہ، ام حبیبہ، حفصہ بنت سیرین، حفصہ بنت عمر، ام درداء، ربیع بنت معوذ، زینب بنت جحش، زینب بنت رسول اللہ، ام المؤمنین صفیہ، صفیہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، صفیہ بنت ابوعبید، ام المؤمنین عائشہ بنت ابوبکر، عائشہ بنت طلحہ، عاتکہ بنت زید، ام عطیہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، فاطمہ بنت رسول اللہ، فاطمہ بنت الحسین، فاطمہ بنت قیس، ام کلثوم بنت ابوبکر، ام المؤمنین میمونہ، ام ہانی۔ (۱۷۰)

ڈاکٹر قلعجی نے لکھا ہے کہ ان عورتوں کی فقہ کا اکثر حصہ ہم تک نہیں پہنچا ہے اس لئے کہ مرد فقہاء کی کثرت کی وجہ سے مردان عورتوں سے کم ہی سوال کرتے تھے، اس وجہ سے ان کی فقہ ان کے

سینوں ہی میں رہی یا پھر صرف خواتین کے درمیان مشہور ہوسکی۔

ڈاکٹر قلعجی نے فقہاء کی اپنی کتابوں میں نقل کردہ خواتین فقہاء کی آراء جمع کی ہیں، فقہاء کے ذریعہ فقہ کی کتابوں میں عورتوں کی فقہ کو نقل کرنے سے (ڈاکٹر قلعجی کے مطابق) ان خواتین کے تفقہ کا پتہ چلتا ہے، اس لئے کہ فقہاء اپنی کتابوں میں صرف اسی فقیہ کی آراء نقل کرتے ہیں جو تفقہ میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ: ''اگر عورتوں کی فقہ عورتوں کے ہاتھ میں ہوتی تو اس میں موجودہ احکام سے الگ احکام ہوتے''۔ چونکہ فقہاء کے یہاں خواتین کے احکام کا تتبع ایک طویل کام ہے، اس لئے شیخ نے اس کتاب میں صرف خلفاء راشدین کے یہاں پائی جانے والی خواتین کی بابت فقہ پر اکتفاء کیا ہے، اور ان کی فقہ کا خواتین کی فقہ سے موازنہ کیا ہے، اور پھر ان مسائل کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کر کے ذکر کیا ہے، اور اس موازنہ کے نتائج اپنی کتاب کے آخر میں ذکر کئے ہیں، اس موقع پر ان کے ان نتائج کا ذکر ہی کافی ہے:

وہ اپنی کتاب کے اختتامیہ میں تحریر کرتے ہیں: یہ خواتین کی وہ فقہ ہے (یا خواتین کے وہ مسائل ہیں) جن کی بابت ہم نے مرد فقہاء (خلفاء راشدین) اور خواتین فقہاء کی آراء جمع کی ہیں، اپنے تیار کردہ چارٹس پر غور کرنے سے ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ مردوں نے بہت سے وہ مسائل حل کئے ہیں جو خواتین نے نہیں کئے ہیں، اسی طرح خواتین نے بھی بہت سے وہ مسائل حل کئے ہیں جو مردوں نے نہیں کئے ہیں، جب کہ دیگر بعض مسائل مردوں اور خواتین دونوں نے حل کئے ہیں ان میں سے کچھ میں مردوں نے شدت سے کام لیا ہے اور عورتوں نے نرمی سے اور کچھ میں عورتوں نے شدت سے کام لیا ہے اور مردوں نے نرمی سے۔

<u>مندرجہ ذیل مسائل خلفاء راشدین نے حل کئے، اور عورتوں نے حل نہیں کئے:</u>

خواتین کی سربراہی مملکت۔

جنگ میں عورتوں کا قتل۔

مال غنیمت میں عورت کا حصہ۔

عورتوں پر جزیہ۔

کافر خاتون سے مسلم خاتون کا پردہ۔

مسلم مرد کی کافر خاتون سے شادی۔

بیویوں کی تادیب۔

بیوی کا حق نفقہ۔

خلع کی مشروعیت کے حالات۔

ناقص العقل کی طلاق۔

جماع واولاد کی بابت عورت کا حق۔

مہر کی کمترین مقدار۔

پرورش کا پہلا حق عورت کا۔

عورت کی گواہی۔

وضعِ حمل تک حاملہ کے رجم میں تاخیر۔

عورت کا حمام میں داخلہ۔

مرد کا عورتوں کو سلام کرنا۔

عورت کے بغل میں آنے سے مرد کی نماز کا فاسد ہونا۔

ان مسائل پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثر کو حل کرنے کا باعث سربراہ حکومت کی سیاسی وانتظامی ذمہ داری ہے جب کہ بعض کا تعلق معاشرہ کے عام نظام سے ہے، اور یہ چیزیں عورت کے میدان سے باہر کی ہیں، ان میں سے بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کا سبب عورت کی بابت مرد کی غیرت اور اس کا خیال ہے۔

مندرجہ ذیل مسائل خلفاء راشدین نے حل نہیں کئے اور فقہاء خواتین نے ان کو حل کیا:

عورت کا سن بلوغ۔

لڑکے کے پیشاب سے چھینٹے سے (یا غسل خفیف سے) پاک ہو جانا اور لڑکی کے پیشاب

سے پاک ہونے کے لئے دھونے کا ضروری ہونا، عورتوں کے زمین کو چھونے والے پائچوں کا پاک ہونا۔

ایام حیض وطہر میں سرخ وزرد رنگ کے رقیق مادہ کا حکم۔

حیض کے ختم ہونے کی علامت۔

اکثرت مدت حمل۔

غسل میں عورت کی چوٹیوں کا کھولنا۔

تلبیہ میں عورت کا اپنی آواز بلند کرنا۔

بال اکھیڑ کر یا دوسرے بال جوڑ کر زینت کرنا۔

جماع کی بابت مرد کا حق۔

عورت کا اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا۔

عورت کا قبروں پر جانا۔

ان موضوعات پر غور کریں تو آپ ان میں سے اکثر موضوعات وہ پائیں گے جن کا تعلق عورتوں سے ہے اور جن کا علم مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو زیادہ ہوتا ہے، اسی لئے خلفاء راشدین نے ان سے اعتناء نہیں کیا، اور انہیں خواتین فقہاء کے لئے چھوڑ دیا، جب کہ بعض دیگر مسائل وہ ہیں جن کی بابت گفتگو کرنے سے مردوں کو شرم آتی ہے، جیسے جماع کی بابت مرد کا حق اور عورت کا اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا۔

جن مسائل کی بابت مردوں اور عورتوں دونوں نے آراء دی ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل مسائل میں خواتین نے مردوں کے مقابلہ میں شدت سے کام لیا ہے:

حاملہ کو آنے والا خون، عورتوں کی رائے میں یہ حیض ہے اور مردوں کی رائے میں استحاضہ۔

مستحاضہ سے جماع کرنے کی اجازت مردوں نے نہیں دی ہے اور عورتوں نے دی ہے۔

عورتوں کے نزدیک مرد طلاق رجعی کی صورت میں صرف تیسرے حیض کے اختتام سے پہلے ہی رجوع کرسکتا ہے۔

عورتوں کے نزدیک زانی اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا جس سے اس نے زنا کیا ہو جب کہ مردوں نے اس کی اجازت دی ہے۔

طلاق بائن کی معتدہ کے نفقہ کو مرد واجب خیال کرتے ہیں عورتیں نہیں۔

مردوں اور عورتوں نے جن مسائل سے اعتناء کیا ہے اور ان کی بابت مردوں نے عورت کے مقابلہ میں زیادہ شدت سے کام لیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

عورت کی اذان۔

عورت کے ذریعہ نماز کی امامت۔

صرف خواتین کی جماعت کی عورت کے ذریعہ امامت۔

نماز میں اس کا لباس۔

انتقال کر جانے والے شوہر کو بیوی کا غسل دینا۔

زیور کی زکوٰۃ۔

عورت کا جہاد۔

''أنت علي حرام'' کہہ کر کسی شخص کا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینا۔

گھر سے باہر نکلنے کے لئے عورت کا زینت اختیار کرنا۔

حج یا عمرہ کرتی ہوئی عورت کا زینت کے لئے سرمہ لگانا۔

مندرجہ ذیل مسائل میں خواتین کا اختلاف ہے:

متوفی عنہا زوجہا اپنی عدت کہاں گذارے گی؟ بعض عورتوں کے نزدیک وہ جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے، جب کہ بعض خواتین نے اپنے گھر میں عورت گذارنے کو واجب کہا ہے، اسی طرح عورتوں کا اس بابت اختلاف ہے کہ کیا دوپٹہ کا مسح سر کے مسح کا قائم مقام ہوسکتا ہے، بعض نے اس کی اجازت دی ہے تو بعض اس کو ممنوع قرار دیتی ہیں۔ زوجین کے درمیان کفاءت کی بابت بھی عورتوں کا اختلاف ہے بعض نے اس کا اعتبار کیا ہے تو بعض نے نہیں۔(۱۷۱)

یہ اس مطالعہ کے نتائج ہیں جس نے حروف تہجی کی ترتیب سے فقہی مسائل سے اعتناء کیا ہے،

اوران کی بابت عورتوں کی فقہ کا خلفاء راشدین کی فقہ سے موازنہ کیا ہے، جس کے نتیجے میں یہ روشن نتائج سامنے آئے ہیں۔

علوم حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا ہر فرد جانتا ہے کہ جرح وتعدیل اور رواۃ وشخصیات کی بابت تمام کتابوں میں کنیتوں اور القاب سے پہلے عورتوں کی بابت ایک مخصوص حصہ ہوتا ہے، جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ان خواتین کے اساتذہ اور شاگرد کون ہیں، اوران کی جرح وتعدیل میں کیا کہا گیا ہے۔

صحیح بخاری کی شرح میں حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کے جن نسخوں پر اعتماد کیا ہے ان میں سے ایک کریمہ المروزیہ کا روایت کردہ نسخہ بھی ہے، حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ نسخہ معتمدترین نسخوں میں سے ایک ہے۔

''دور المرأة في خدمة الحديث'' (۱۷۲) میں مذکور ہے کہ حافظ مزنی نے تحفۃ الاشراف میں صحابہ کی روایتیں ذکر کرتے ہوئے ان ۱۱۲ صحابیات کی روایتیں بھی ذکر کی ہیں، جن کی روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

☆امام بخاری نے اپنی صحیح میں ۳۱/صحابیات کی روایات ذکر کی ہیں۔

☆امام مسلم نے اپنی صحیح میں ۳۶/صحابیات کی روایات ذکر کی ہیں۔

☆امام ابوداوٗد نے اپنی سنن میں ۷۵/صحابیات کی روایات ذکر کی ہیں۔

☆امام ترمذی نے اپنی سنن میں ۴۶/صحابیات کی روایات ذکر کی ہیں۔

☆امام نسائی نے اپنی سنن (مجتبیٰ) میں ۶۵/صحابیات کی روایات ذکر کی ہیں۔

☆امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ۶۰/صحابیات کی روایات ذکر کی ہیں۔

جب ہم کتب تاریخ وتراجم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں اہل علم خواتین کی ایک بڑی تعداد کا تذکرہ پاتے ہیں، یہ وہ خواتین تھیں جن کو اللہ نے علم وفہم سے نوازا تھا، بصیرت عطا فرمائی تھی، اوران کے سامنے اپنے وقت کے ممتاز علماء نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا، ایسی ہی ایک خاتون امیر الحفاظ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی استاذ تھیں، یہ ان کی بہن ست الرکب تھیں، خود ابن حجر کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ وہ

نہایت پڑھی لکھی اور حیرت انگیز ذہانت کی حامل تھیں، میری والدہ کے بعد گویا وہ میری والدہ تھیں (۱۷۳) حافظ ابن حجر کی ان ہمشیرہ نے ان کی تربیت کی، انہیں بلند مقام تک پہنچایا نیز انہیں زیور علم سے آراستہ کیا، انہوں نے کل ۲۸ / برس کی عمر پائی، لیکن علم انسان کو دنیا وآخرت میں بڑا مقام عطا کرتا ہے، انکے فخر کے لئے کافی ہے کہ ان کے تلامذہ میں ایک حافظ ابن حجر بھی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے ان کے علاوہ دیگر ممتاز خواتین سے بھی تعلیم حاصل کی، ان کی خواتین اساتذہ کی تعداد ۵۵ سے متجاوز ہے، ان میں سے چند یہ ہیں: فاطمہ الدمشقیہ ام حسن، فاطمہ بنت محمد بن عبد الہادی المقدسیہ ام یوسف، ان مؤخر الذکر کے بارے میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ بہت اچھی استاذ تھیں، خدیجہ بنت ابراہیم اور سارہ بنت تقی الدین علی السبکی بھی ان کے اساتذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ سے زیادہ خواتین اساتذہ سے حافظ ابن عساکرؒ نے استفادہ کیا تھا، ان کے اساتذہ میں خواتین کی تعداد خود ان کے ذریعہ تیار کردہ فہرست کے مطابق ۸۰ر سے متجاوز ہے۔

عصر حاضر میں ہمیں اس کی بہت ضرورت ہے کہ ہم ایسی حقیقی فقیہ مسلم خاتون کا کردار ایک بار پھر منظر عام پر لائیں جو علم کی بنیاد پر فتوی دیتی ہو، اس کی دینی گفتگوئیں تبحر علمی ووسعت معلومات کا آئینہ ہوں وہ ممتاز علمی وفقہی مرتبہ کی حامل ہو، اس کی بنیاد علم راسخ اور پاکیزہ اخلاق ہوں، اس کے ذریعہ محض خواتین کے فقہی خلا کی خانہ پری نہ کی جارہی ہو۔

اسی لئے علامہ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے تحریر فرمایا ہے: ''یہ خواتین امت کی نصف تعداد سے زائد پر مشتمل ہیں، اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی اچھی اسلامی تدریس کے لئے معروف کسی ادارہ میں شریعت کا علم حاصل کرنے کے سلسلہ میں ہمت افزائی کریں، جیسے ہماری جامعہ (جامعہ دمشق) کی کلیۃ الشریعہ ہے۔ جب بھی نوجوان دینی عالمات، فقیہات، تاریخ اسلامی سے واقف، محبت نبوی سے سرشار، آپ کے اور ازواج مطہرات کے اخلاق سے بہرہ ور خواتین بڑی تعداد میں ہوں گی ہم تحریک اصلاح کو بہت تیز رفتار کرسکیں گے، اور اس دن سے قریب ہوجائیں جب ہمارا اسلامی معاشرہ احکام وشریعت کا پابند ہوگا، اور ان شاء اللہ ایسا ہوکر رہے گا (۱۷۴)

اس سلسلہ میں عورت مندرجہ ذیل کام کرسکتی ہے:

۱-علم شرعی کے مراکز (مدارس، یونیورسٹیز، مساجد، حلقے، مجلس اور کانفرنسوں) میں علم شرعی کی تعلیم دینا۔

۲-اہلیت حاصل کرنے کے بعد افتاء کے منصب پر فائز ہونا، اور اس سلسلہ میں معاشرہ اور بالخصوص ان عورتوں کی ضرورت پوری کرنا جو اپنے مخصوص مسائل کے سلسلہ میں مردوں سے فتوی پوچھنے میں حرج محسوس کرتی ہیں۔

۳-مکمل فقہ اسلامی اور بالخصوص خواتین سے متعلق فقہ کے موضوع پر تالیف وتصنیف۔

ساتویں فصل

سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کو فعال بنانے میں ممکنہ معاونین

۱-متوازن خطاب شرعی۔
۲-میڈیا۔
۳-تحریک اسلامی۔
۴-خاندان اور تعلیمی ادارے۔
۵-تربیتی مناہج۔
۶-معاشرہ۔
۷-شوہر۔

گزشتہ صفحات میں جن سرگرمیوں کا تذکرہ عورت کے ممکنہ میدان کار کے طور پر کرتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ ان سرگرمیوں میں شرکت کر کے عورت اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکتی ہے، اور اس طرح اپنے لئے، اپنے خانودہ کے لئے اور اپنے معاشرہ کے لئے مفید ہوسکتی ہے، ان سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے نتیجے میں عورت ذہنی ونفسیاتی پریشانیوں اور انتشار میں مبتلا ہوسکتی ہے یا پھر اس کے لئے گھریلو کاموں اور ان سرگرمیوں کے درمیان توازن قائم کرنا مشکل ہوسکتا ہے۔

اسی لئے عورت کو ایک معاون و ہمدرد کی ضرورت ہوتی ہے، اسے ایسے طریقہ ہائے کار کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے کردار کو سرگرم کریں اور اس کی سرگرمیوں کو تقویت پہنچائیں۔ تا کہ اس کا نفع معاشرہ کے مختلف طبقات تک پہنچ سکے، اور تا کہ یہ سرگرمیاں عورت کی گھریلو ذمہ داریوں اور سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے شرعی قوانین سے معارض نہ ہوں۔

شیخ محمد حسین لکھتے ہیں: ''ہر اس شخص کے لئے جو شرف کا متمنی ہو، اعلیٰ اقدار کا طالب ہو اور اللہ کی شریعت کے دنیا میں نافذ ہونے کے لئے کام کرتا ہو یہ ضروری ہے کہ وہ عورت کی تربیت اپنی نگرانی میں کرے، اسے اللہ کی شریعت اور عہد نبوی کی خواتین کے طرز عمل کی روشنی میں معاشرہ کے تئیں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بنائے نیز اس سلسلہ میں اس کا تعاون کرے''۔ (۱۷۵)

عصر حاضر میں ہم نے اسلام میں عورت کے مقام کو بیان کرنے اور اس سلسلہ میں اسلام کا دفاع کرنے پر ہی اپنی توجہات مرکوز رکھیں، اور اس کی تربیت نیز اس کے تعاون کو ترک کر دیا ہے، محترم عمر عبید حسنہ لکھتے ہیں: ''ہمیں یہ اعتراف ضرور کرنا چاہئے کہ ہم عورت کے سلسلہ میں صحیح طریقہ اختیار نہیں کر سکے ہیں، اسی لئے ہم نے اس کے ساتھ صحیح رویہ اختیار نہیں کیا، اس کو وہ حقوق نہیں دیے جو اللہ نے اس کو دیے تھے، اس کی شخصیت اور اس کے کردار کو ترقی نہیں دی اور نہ ہی زندگی میں اپنا کردار ادا کرنے اور اپنی سرگرمیاں انجام دینے کے لئے شرعی ماحول فراہم کیا، ہم نے بس دفاعی پوزیشن اختیار کی، اسلام میں اس کے حقوق اور اس کے مقام پر گفتگو کی، لیکن اسکی شخصیت کی تعمیر، اس کے کردار اور اس کے مستقبل کی تشکیل سے غافل رہے، اور شرعی ہدایات نیز حالات کے تقاضوں کی روشنی میں عورتوں کی

مشروع سرگرمیوں کی بابت ایک مناسب فقہ وجود میں نہیں لا سکے۔(۱۷۶)

ہمارے نزدیک یہ طریقہ ہائے کار ایسے عناصر کی صورت میں سامنے آنے چاہییں جو عورت کی ذمہ داریوں کو تقویت بخشیں، جن عناصر سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہیں: متوازن شرعی خطاب، میڈیا، تحریک اسلامی، خاندان اور تعلیمی ادارے، تربیتی مناہج، معاشرہ اور شوہر۔

یہ نہایت اہم اور مؤثر چھ عناصر ہیں، ہمارا ماننا ہے کہ یہ عناصر اگر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، اور ایک دوسرے کو تقویت پہنچائیں تو زندگی کے مختلف گوشوں میں عورت کی شرکت کے بہت فائدے سامنے آئیں گے۔

اگر ان عناصر میں سے ایک عنصر یا کچھ عناصر تو اپنی ذمہ داریاں ادا کریں اور دوسرے عناصر ذمہ داریوں کی ادائیگی سے پہلوتہی کریں تو جس قدر یہ عناصر پہلوتہی کریں گے اسی قدر عورت کی سرگرمی اور اس کی شرکت کے نتائج پر بھی منفی اثر پڑے گا۔

ان میں سے ہر ایک کو عورت کی مدد کرنی چاہئے، اور آپس میں تعاون کی راہ اختیار کرنی چاہئے، اس لئے کہ بقول شاعر

فلو ألف بان خلفهم هادم كفىٰ　　　　فكيف ببان خلفه الف هادم

(اگر ایک ہزار معماروں کے بعد ایک منہدم کرنے والا انہدامی کارروائیوں کے لئے کافی ہے تو اگر ایک معمار کے بعد ایک ہزار منہدم کرنے والے ہوں تو کیا ہوگا؟؟؟)

ہم مستقل یہ یاد دہانی کرانا چاہتے ہیں کہ عورت کو اپنی سرگرمیاں انجام دیتے وقت اور ان عناصر کو اس کا تعاون کرتے وقت اس شرط کا خیال رکھنا چاہئے کہ عورت یہ تمام سرگرمیاں اسلامی قوانین کی رعایت کرتے ہوئے انجام دینی چاہئیں۔

۱-متوازن شرعی خطاب

[کسی بھی مسئلہ سے متعلق ''شرعی خطاب'' کا مطلب ہے اس کے تئیں شریعت کے موقف کو پیش کرنے کا انداز۔ مترجم]

عورت کے مسائل کی بابت موجودہ شرعی خطاب (گفتگو) ایک بڑی حد تک غیر اطمینان بخش ہے، اسے تجزیہ، عمق اور توازن کی ضرورت ہے، اسی کے ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس خطاب کی شریعت سے ہم آہنگی پر بھی مسلسل نگاہ رکھی جائے، اس بات کا خیال اب بہت کم رہ پاتا ہے، اس لئے کہ فطرت وجسمانی ساخت میں مرد وزن کے درمیان ناقابل انکار اختلاف پائے جانے کے باوجود کامل مساوات نیز عورت کی مطلق آزادی کی موجودہ فضا میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام ایک ''ترقی پسند''، تمام مسائل پر حاوی اور ''روشن خیال'' دین ہے۔ اور یہ ثابت کرنے میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ یہ ''خطاب'' (گفتگو) شریعت سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ان خصوصیات کا حامل ہے، اس لئے اسے ان دوسرے طرز ہائے فکر کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو ہمارے ان اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں جن کے اندر نہایت وسعت اور لچک ہے نیز وہ ایسے ضابطوں اور قاعدوں سے عبارت ہیں جو انسان کی سلامتی وعافیت کے ضامن ہیں اور اس کے اندر تمام معاصر مسائل سے روبرو ہونے کی استعداد پیدا کرتے ہیں۔

عورت کے جن مسائل پر شرعی گفتگو کی جاتی ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں اس کی شرکت ہے۔ اس سلسلہ میں جو چیزیں عورت کی سب سے زیادہ معاون ہوسکتی ہیں ان میں سے ایک معتدل ومتوازن شرعی خطاب بھی ہے۔ عصر حاضر میں اس مسئلہ پر شرعی گفتگو افراط وتفریط کا شکار ہوگئی ہے، نتیجتاً توازن کا سررشتہ ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور اس ہدایتِ خداوندی کا پاس نہیں

رکھا جارہا ہے کہ: (وأقيموا الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان)[رحمان:۹] (ترجمہ: اور وزن انصاف کے ساتھ کرو اور کم نہ تولو)۔

افراط کا شکار نقطۂ نظر:

افراط کے شکار نقطۂ نظر کے مطابق عورت اپنے گھر سے صرف شوہر کے گھر اور قبر جانے کے لئے ہی باہر نکلے گی اس کے علاوہ باہر نکلنا اس کے لئے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سرتاپا شر، فتنہ اور نحوست ہے، اگر وہ باہر نکلی تو فساد پھیل جائے گا، زنا عام ہو جائے گا اور معاشرہ میں منکرات کا دائرہ مزید وسیع ہو جائے گا۔

اس رجحان کے دو اسباب ہیں:

۱-بعض صحیح شرعی نصوص کا غلط فہم، مثلاً آیت قرآنی (وقرن في بيوتكن)[احزاب:۳۳] (ترجمہ: اور تم اپنے گھروں میں رہو) آیت قرآنی (وإذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذلكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن)[احزاب:۵۳] (اور تم جب ان سے کوئی سامان مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو، یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکی کا سامان ہے) ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ خطاب امہات المؤمنین او ان کے علاوہ دیگر خواتین کو بھی شامل ہے، اس لئے کہ جب امہات المؤمنین سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ گھروں میں رہیں اور باہر نہ نکلیں تو پھر دیگر مومن خواتین تو اس کی اور زیادہ مستحق ہیں۔

بعض دیگر احادیث کا غلط فہم بھی اس رجحان کا سبب ہے، مثلاً: وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے جہنمیوں کی بڑی تعداد عورتوں پر مشتمل بتائی ہے، وہ حدیث جس کے مطابق عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، عورتوں کو ناقصات عقل ودین بتانے والی حدیث، ان کے علاوہ وہ تمام امور بھی اس رجحان کا سبب ہیں جن کا تذکرہ ہم نے اعتراضات کے تحت کیا تھا۔

یہ حضرات دانستہ یا نادانستہ طور پر ان تمام شرعی نصوص (قرآنی وحدیثی) سے غفلت برتتے ہیں جو اس رجحان کے خلاف ہیں اور جو یہ بتاتے ہیں کہ زندگی کے مختلف میدانوں میں کن شرعی ضابطوں

اوراصولوں کی پابندی کے ساتھ مردوزن کا اختلاط مناسب ہے۔

۲-عورت کے سلسلے میں موضوع،ضعیف اور باطل احادیث کا رواج، یہ حضرات بنا تحقیق ان احادیث کو قبول کر لیتے ہیں، مثلاً: عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کے مشورہ کے برخلاف عمل کرو، عورتوں سے اختلاف کرو، ان سے اختلاف کرنے میں برکت ہے، تمہاری دشمن تمہاری وہ بیوی ہے جس سے تم ہم بستری کرتے ہو،۔۔تین لوگ ایسے ہیں جن کی اگر تم عزت کروگے تو وہ تمہیں ذلیل کریں گی، ان میں سے پہلی عورت ہے، عورتوں کی رانوں کے درمیان علم ضائع ہوگیا، عورتوں کی عقل ان کی شرم گاہوں میں ہے، اگر عورتیں نہ ہوتیں تو اللہ کی بالکل ٹھیک ٹھیک عبادت ہوتی۔عورت کی اطاعت باعث عار وشرمندگی ہے۔عورتوں کو اس قدر بھوکا رکھو جو ان کے لئے مضر نہ ہو، اور انہیں ننگا رکھو لیکن مادرزاد برہنہ نہیں۔عورتوں کو ننگا رکھو اس طرح وہ گھروں میں رہیں گی۔شوکانی اور عجلونی کی ذکر کردہ یہ اور ان جیسی احادیث بھی افراط کے اس رویہ کا سبب بنتی ہیں۔

ان موضوع اور ضعیف روایات نے اس نظریہ کو وجود بخشا ہے جو عورت کو ایک باعزت اور مرد کی طرح مکلّف انسان سمجھنے کے شرعی نظریہ سے متضاد ہے، اور عورت کے لئے رسوا کن نظریہ کو تقویت بخشتی ہے، ان کے نزدیک عورت صرف ہم بستری اور کھانا پکانے کی ہی اہل ہے۔ بلکہ وہ بس ہم بستری کے لئے مناسب ہے،۔

تفریط کا شکار نقطۂ نظر:

اس نقطۂ نظر کے مطابق عورت کی کامیابی، ترقی اور اس کے تہذیب یافتہ ہونے کی ایک یہی صورت ہے کہ اسے مکمل آزادی حاصل ہو، اور کسی بھی طرح کی پابندی اس پر نہ ہو اور وہ مغربی خاتون کا مکمل اتباع کرے۔

اس نقطۂ نظر کے حاملین کے نزدیک عورت بس خوبصورت چہرہ اور شہوانی جذبات برانگیختہ کرنے والے جسم سے عبارت ہے، جس کو ایڈورٹائزنگ کمپنیاں اور میڈیا سے وابستہ ادارے نسوانیت کی تجارت میں استعمال کریں، اسی طرح وہ بڑی بڑی کمپنیاں اور تنظیمیں اس کو سامان تجارت بنائیں جن کی

تجارت اور جن کے نظریہ کا دارو مدار عورت کے جسم پر ہے، یہ چاہتے ہیں کہ عورت جسم فروشی کے منظّم جرائم سے وابستہ ہو جائے تا کہ یہ جرم ''ترقی یافتہ دنیا'' میں عام ہو جائے اور ملینس کی آمدنی کا ذریعہ بنے۔

ان لوگوں کے نزدیک عورت Public Property ہونی چاہئے، اس پر کسی ایک مرد کا زور نہ چلتا ہو، ان لوگوں کے نزدیک جنسی بے راہ روی ایک ہی شخص سے وابستہ ہونے کے مقابلہ میں زیادہ ترقی وتہذیب کی علامت ہے۔

ان کے نزدیک اسلام عہد پارینہ کا ایک مذہب تھا، جس کا زمانہ اب ختم ہو چکا ہے، اور مہذب وروشن خیال معاصر خاتون کو کسی ایسی تہذیب کا اتباع نہیں کرنا چاہئے جس سے انسانی کارواں صدیوں آگے نکل گیا ہو، اسی لئے ان کے نزدیک عورت کا باحیاو باپردہ ہونا قدامت پرستی سے عبارت ہے۔

عورت کو اپنے جسم پر ہر طرح کا حق حاصل ہے، اس کا جسم اس کی ملکیت ہے، وہ اس میں جیسے چاہے تصرف کرے، وہ جس کو چاہے اپنے جسم سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے، اور دین واخلاق کی کسی بھی قید کا خیال رکھے بغیر وہ مردوں کی سی زندگی گزارے۔(۱۷۷)

ان لوگوں کے نزدیک ذمہ داریوں، کاموں او رہر چیز میں مرد وزن کے درمیان مکمل مساوات پائی جانی چاہئے، اور اس سلسلے میں فطرت وجسمانی ساخت کے فرق کا خیال نہیں رکھنا چاہئے۔

اس رجحان کے بھی دو اسباب ہیں:

۱-افراط کے شکار خطاب کا ردعمل، ہر عمل کا اسی جیسا ردعمل ہوتا ہے، اسی لئے افراط اور تفریط کے حامل نقطۂ نظر میں یہ زبردست دوری پائی جاتی ہے۔

۲-بے راہ روی ومغربی نقطۂ نظر اور وہ حدود نا آشنا تحریک آزادیٔ نسواں جس کے کارندے پورے مشرق میں پھیلے ہوئے ہیں۔لوگ اس نقطۂ نظر سے مرعوب ہو گئے، اور بہت سی ان عورتوں نے جو افراط کے رویہ کے تحت ظلم وجبر کی شکار تھیں اسے نجات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ پایا، نتیجتًا یہ نقطۂ نظر خوب پھیلا اور اس کے حلقہ میں وسعت آتی چلی گئی اور اسے بہت سے مددگار ومعاونین مل گئے۔

معتدل نقطۂ نظر:

اسلام افراط وتفریط کے ان رویوں کے درمیان اس معتدل طرز فکر کا حامل ہے جو تمام

معاملات میں بنا کسی افراط وتفریط کے توازن قائم رکھتا ہے اور شرعی اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے زمانہ کے تقاضوں کی خوب رعایت کرتا ہے، شیخ محمد الغزالی لکھتے ہیں: ''اس افراط وتفریط کے درمیان ایک اعتدال کی بھی راہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس سے واقف ہو کر اس کی پیروی کی جائے، یہ معتدل راہ اکثر موجودہ اسلامی معاشروں میں عورت کی صورت حال اور ان فرنگی روایات سے ہم آہنگ نہیں ہے جو رومن بت پرستی اور یونانی فلسفہ سے ماخوذ ہیں'' (۱۷۸)

معتدل نقطۂ نظر کی خصوصیات:

افراط وتفریط کے نقطۂ نظر کے درمیان کی راہ اختیار کرتے ہوئے معتدل ومتوازن نقطۂ نظر ٹھوس بنیادوں پر کھڑا ہے، ہم اسی نقطۂ نظر کے حامی اور داعی ہیں، یہ نقطۂ نظر عورت کے لئے گھر سے باہر نکلنے کو جائز بلکہ بسا اوقات واجب قرار دیتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ عورت اپنے گھر سے باہر نکلنے اور سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے شرعی اصولوں کا التزام کرے گی، مثلاً شرعی لباس پہنے گی، غیروں کے ساتھ گفتگو کی حدود اور اس کے ضابطوں کا خیال رکھے گی، چلنے کی بابت شرعی ہدایت پر عمل کرے گی، غض بصر کرے گی، اور ان کے علاوہ ان تمام شرعی ہدایات پر عمل کرے گی جن کا ہم نے اس کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔

یہ نقطۂ نظر عورت کی شخصیت کی حفاظت کرتا ہے، اس کی ذمہ داری لیتا ہے، اس کے لئے وصایت وولایت سے آزاد حق تصرف کی ضمانت دیتا ہے، اس کی فطرت، ساخت اور نسوانیت کی حفاظت کرتا ہے، اسے حلال لذت اور زینت سے محروم نہیں کرتا ہے، بلکہ اسے شوہر کے لئے زینت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور اسے اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ شوہر کو خوش رکھے اور اسے خلق خدا کی خدمت نیز دعوت الی اللہ کے لئے یکسو کرے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ نقطۂ نظر بیوی کی عقل اور فکری صلاحیتوں کو شوہر کے تابع رکھنا چاہتا ہے، بلکہ اس کے نزدیک ان دونوں کو دین ودنیا کے تمام معاملات میں آپسی تعاون اور مشورہ کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

یہ نقطۂ نظر یہ چاہتا ہے کہ عورت اپنے دین کی عالم اور کاروبار زندگی سے واقف ہو، صحیح نصوص

اور عہد نبوی وخلافت راشدہ کی عظیم تاریخ کے علم کی بنیاد پر اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیسے مؤثر، نافع اور مصلح ہو سکتی ہے، اور وہ ان غلط نصوص کی شکار نہ ہو جو عورت کو ذلیل قرار دیتے ہیں، اس کی عزت وصلاحیت پر حملہ کرتے ہیں۔

یہ نقطۂ نظر عورت کو ان سماجی روایات اور رائج عرفوں کا اسیر نہیں بناتا جو عورت کو دین ودنیا کے کسی بھی میدان میں مرد کی شرکت سے روکتے ہیں اور اس کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگاتے ہیں، اور اسے شر، عار اور فساد کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ نقطۂ نظر عورت کو مغربی ماڈل کی اندھی تقلید کرتے ہوئے بے راہ رو بھی نہیں بناتا، بلکہ وہ اسے شریعت مطہرہ صریح وصحیح نص کا پابند بناتا ہے، روایات وعادات کا پابند نہیں۔

یہ نقطۂ نظر عورت کو یہ حکم نہیں دیتا ہے کہ وہ مرد وزن کی فطرت وساخت میں بالکل واضح اختلاف پائے جانے کے باوجود مطلق مساوات کا مطالبہ کرے، بلکہ وہ اسے یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا وہ کردار ادا کرے جس کے لئے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے، اپنے شایان شان ان کاموں کو کرے جو اس کی فطرت اور نسوانیت کی حفاظت کرے اور اس طرح مرد کا تعاون کرے، اس کی حریف نہ بنے۔

ہم چاہتے ہیں کہ یہ نقطۂ نظر مردوں اور اسی طرح عورتوں کے انفرادی تجربات سے متأثر نہ ہو، اس لئے کہ عقل کی نگاہ میں یہ بات کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے کہ اگر ایک مرد کو ایک عورت کے ساتھ ناکام ازدواجی تجربہ ہو اور نتیجہ طلاق کی صورت میں سامنے آئے تو وہ اپنے اس تجربہ کی بنیاد پر تمام عورتوں کی بابت یہ فیصلہ سنادے کہ عورت ایک بے نفع اور تنگ ذہن مخلوق ہے جو صرف اپنے جذبات سے سوچتی ہے، یا یہ فیصلہ سنادے کہ عورت ایک سرکش مخلوق ہے، حریف بننا چاہتی ہے نیز بدزبان، بلند آواز، بددین وبداخلاق ہوتی ہے۔

اسی طرح عقل کی نگاہ میں یہ بات بھی غلط ہے کہ اگر ایسا ہی تجربہ عورت کو شوہر کے ساتھ ہو، اس سے شادی کر کے وہ مظلومانہ زندگی گزارے، تو وہ تمام مردوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کرے، اور یہ سمجھے کہ تمام مرد خود غرض ہوتے ہیں، عورت کا بالکل خیال نہیں رکھتے، اسے چنداں اہمیت نہیں دیتے، اسے لائق گفتگو نہیں سمجھتے، اس کی بابت یہ تصور رکھتے ہیں کہ وہ معاملات کا فہم نہیں رکھتی، یعنی تمام مرد

بے انتہا برے ہیں، عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے ہیں، ان کی بابت شریعت خداوندی کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔ عقل کی نگاہ میں یہ نہایت غلط بات ہے کہ عورت اسلام اور قرآن وسنت سے معارض اس فکر کو اسلامی نقطۂ نظر یا علماء کی آراء قرار دے۔

یہ سب کچھ دین کے نام پر کیا جاتا ہے، افسوس کہ اس کی بنیاد انفرادی تجربات اور وہ ذاتی زندگی ہے جو صرف عوام کی فکر کو ہی متأثر نہیں کرتی ہے بلکہ متعدد علماء و مفکرین کے خیالات پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، یہ بات عورتوں کے یہاں تو بہت عام ہے۔

عورت کے مسائل کی بابت اسلامی خطاب کو ان تجربات کی قید سے آزاد ہونا چاہئے، اسے اس انفرادیت سے باہر نکل کر اس حقیقی اسلام کا خیال رکھنا چاہئے جس نے عورت کو اعلیٰ درجہ کے انسانی شرف سے نوازا ہے، اس کی فطرت ونسوانیت کی حفاظت کی ہے، اور مرد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اسی طرح اس نے عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نیک کاموں میں شوہر کی اطاعت کرے کہ معصیت میں تو کسی کی بھی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

اس رجحان کے متعدد اسباب ہیں:

۱-قرآن اور سنت صحیحہ کے نصوص سے براہ راست استفادہ۔

۲-عورت کے مسائل کی بابت ہماری روشن تاریخ بالخصوص عہد نبوی کی تاریخ کی وسیع واقفیت، یہ عہد وحی اور عہد تشریع تھا، اس سلسلے میں شیخ محمد عبدالحلیم ابوشقہ کی کتاب ''**تحرير المرأة فى عصر الرسالة**''، مکمل طور پر کافی ہے۔

۳-خلافت راشدہ کے زمانہ کی عورتوں کی سیرت سے واقفیت، اور ان مسلم خواتین کا اتباع جو ہماری تاریخ کے تمام حصوں میں شرعی ضابطوں کے روشنی میں برسر روزگار اور مجاہد رہی ہیں، شیخ عمر عبید حسنہ کہتے ہیں: ''پوری تاریخ اسلامی میں مسلم خواتین کا رگہ حیات کے منظر نامے سے غائب نہیں رہی ہے، اس نے معاشرہ کی تعمیر میں مرد کا تعاون کیا ہے اور اسلامی روایات ونقطۂ نظر کے تحت اس نے اپنا کردار ادا کیا ہے، وہ ایسا بے حیثیت سامان نہیں تھی جسے آزادی کے نام پر بے راہ رو اور بے عزت کر دیا جائے۔(۱۷۹)''

۴-ان روایات اور رواجوں کا اسیر نہ ہونا جو ہمارے معاشروں میں قدیم زمانوں سے چلی آرہی ہیں، اور جن کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر نہیں پرکھا گیا ہے۔

۵-مغرب کی ہر تقلید کامیابی کی ضامن نہیں ہے، بلکہ ہم مغربی تہذیب کو شرعی نصوص اور اصولوں پر پرکھیں گے، مغربی تہذیب کی جو چیز ان نصوص اور اصولوں سے ہم آہنگ ہوگی ہم اسے قبول کرلیں گے اور جو چیز ان سے متصادم ہوگی اسے ٹھکرادیں گے، اور جس چیز میں حق وباطل دونوں کے پہلو پائے جائیں گے اس کا ہم تجزیہ کریں گے اور اسے شرعی نصوص ومقاصد کی روشنی میں پرکھیں گے پھر اس کے حق کے پہلوؤں کو قبول کرلیں گے اور باطل کے پہلوؤں کا رد کردیں گے، کسی بھی نئے مسئلے پر غور کرنے کا یہی اسلامی منہج ہے۔

۶-عورت کے مسائل میں ان معتبر علماء سے استفادہ کرنا جو شریعت کے مقاصد واصولوں کی روشنی میں شریعت کو سمجھتے ہیں، اور زمانہ کے مسائل کی رعایت کرتے ہیں، اس طرح شرعی احکام اور حالات کے تقاضوں کے درمیان جمع کرتے ہیں۔

۷-''عورت کی اہم ترین ذمہ داری'' (۱۸۰) کو گراں قدر بتانا، میں اس پر تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ عورت کی بابت ہماری موجودہ شرعی گفتگوؤں میں اس سے بالکل غفلت برتی جاتی ہے، ہم عورت کی سماجی سرگرمیوں اور زندگی کے مختلف گوشوں میں اس کی شرکت پر گفتگو کرتے ہیں، اور ہماری توجہ بس اِن امور پر مرکوز رہتی ہے: عورت کے لئے ''عمل'' (معاشی وسماجی سرگرمی) کا جواز، باہر نکلنے کی اجازت، معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کی ضرورت، اسے مرد کے مساوی بنانے کے طریقہ کی تلاش، اور مختلف تہذیبوں میں عورت کی حیثیت سے ان سب امور کا موازنہ، مغرب میں اس کی صورت حال، مشرق اور مغرب میں اس کی صورت حال کے درمیان موازنہ، گویا کہ مغرب ہی ہمارے غور وفکر کا محور بن گیا ہے، اور ہم عورت کے اس نہایت اہم کردار سے غفلت برتتے ہیں جس کے ساتھ اگر کسی اور کام کا تعارض ہوگا تو اس اہم کردار کو ہی ترجیح دی جائے گی، یہ بات قدیم وجدید تمام فقہاء کا متفق علیہ نقطۂ نظر ہے۔

نہایت حیرت کی بات ہے کہ جب بھی ہم ''عمل'' (کام/سرگرمی) کا تذکرہ کرتے

ہیں، ہماری زبان پر صرف مرد کا ہی ذکر ہوتا ہے، اسی کو ہم رزق کے لئے کوشاں اور اس کی خاطر تگ ودو کرنے والا کہتے ہیں، ہمیں مرد کا کام اور اس کی سرگرمی ہی کام اور سرگرمی محسوس ہوتے ہیں، اور عورت کی گھریلو سرگرمیوں کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے، یہ یقیناً جہالت، تنگ نظری، عورت کی حق تلفی اور اس کے ناقابل فراموش کام کی اہمیت کا ادراک نہ کرپانا ہے۔(۱۸۱)

ہم اس موقع پر ایسے دو نہایت عظیم علماء وداعیوں کی آراء پیش کررہے ہیں، جن پر عورت کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے اور اس کے تئیں تعصب کا رویہ اختیار کرنے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا ہے، یہ دونوں بزرگ اپنی تمام تحریروں میں شرعی نصوص اور زمانے کے تقاضوں کے درمیان توازن قائم کرتے ہوئے عورت کے تئیں نہایت منصفانہ آراء پیش کرتے ہیں، یہ حضرات ہیں: ا۔عظیم داعی ومجدد شیخ محمد الغزالیؒ اور ۲۔ممتاز فقیہ شیخ یوسف القرضاوی مدظلہ العالی۔

''امور خانہ داری کی ذمہ داری کو حقیر نہ جانیں'' کے زیر عنوان شیخ محمد الغزالیؒ لکھتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت کی نفسیاتی وجسمانی ساخت اللہ نے مرد کی ساخت سے مختلف رکھی ہے، اللہ نے عورت کا جسم مامتا کی ذمہ داریوں سے ہم آہنگ بنایا ہے، اسی طرح اس کی نفسیات خاندان کی ذمہ داریوں کے کار منصبی کے اعتبار سے تشکیل دی ہے، مختصر یہ کہ عورت کے ظاہری ومخفی اعضاء، اس کی ہڈیاں اور اس کے عضلات نیز اس کے بہت سے اعضاء کا کام مردوں سے مختلف ہے۔

مرد سے جداگانہ اس جسمانی ساخت کو یونہی نہیں بنایا گیا ہے، اس لئے کہ انسانی جسم اور مکمل کائنات میں ہر چیز کی کچھ نہ کچھ حکمت ضرور ہوتی ہے، مرد کی ساخت ایسی رکھی گئی ہے کہ وہ کارگہ حیات میں کوشاں وسرگرداں رہے، جب کہ عورت کے ذمہ ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے وہ ہے: حمل، ولادت، بچوں کی تربیت، ازدواجی زندگی کو پرسکون بنانا تاکہ مرد جب تھک کر گھر آئے تو اس سے دل وجاں کی راحت حاصل کرے''(۱۸۲)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیخ محمد الغزالی عورت کی معاشی سرگرمیوں کے خلاف ہیں، ایسا نہیں ہے، عورت کی معاشی سرگرمیوں کی ان کی حمایت نہایت معروف اور مشہور ہے، ذہنوں میں اس کی یاد تازہ ہے، اور سارے عالم میں اس کی شہرت ہے، تاریخ میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حدیث نبوی:

''لن يفلح قوم ولوا أمرهم إمرأة'' (وہ قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جو ایک عورت کو اپنا امیر بنائیں) کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ یہ ایک خاص واقعہ پر تبصرہ تھا، اس کا دوسرے موقعوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر بھی شیخ نے ''الوسطية في معاملة الإسلام للمرأة'' (عورت کے تئیں اسلام کے موقف کا اعتدال) کے زیرعنوان متوازن کلام کیا ہے اور معتدل نقطۂ نظر پیش کیا ہے، لکھتے ہیں: ''ہم افراط وتفریط میں سے کسی کے بھی حامل نقطۂ نظر کی طرف میلان نہیں رکھتے ہیں، ان میں سے ایک نقطۂ نظر عورت کو گھر میں قید کردیتا ہے، تو دوسرا اسے سڑکوں پر آزاد گھماتا ہے......اسلام نے ہمیں اپنے مختلف تجربے کرنے سے بے نیاز کردیا ہے، جو کبھی صحیح ہوتے ہیں تو کبھی غلط، کبھی تلخ ہوتے ہیں تو کبھی شیریں، اسلام نے ہمیں راہ راست دکھائی ہے، ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اللہ کے دین کا بہت علم رکھتے ہوں، اور پھر تمام مسائل کو حل آخری درجہ کے ایمان کے ساتھ کریں، اس کوتاہ وضرررساں فکر کے ساتھ نہیں جو عورت کو اس کی فطرت سے ہم آہنگ شرعی دائرہ میں زندگی گزارنے اور معاشی سرگرمیاں انجام دینے سے روک دے، اور کسی بھی شرعی وعقلی حقیقت کا پاس نہ رکھے۔ اور نہ ہی عورت کو ہر طرح کے اختلاط کی اجازت دے اور تمام پیشوں کو اختیار کرنے کی اجازت دے، اور اس سلسلہ میں کسی بھی شرعی وعقلی حقیقت کا پاس نہ رکھے۔ ایک معاشرہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے عظیم صحابہ نے تشکیل دیا تھا، آخر ہم اس کو کیا نہ پڑھیں اس کو اسوہ کیوں نہ بنائیں، اور یہ کوشش کیوں نہ کریں کہ ہم عورت کو قرآن اور رسول اکرم ﷺ کے عطا کردہ مقام سے نوازیں۔ (۱۸۳)''

شیخ یوسف القرضاوی کی یہ رائے ہم پیچھے ذکر کرچکے ہیں کہ عورت کا اولین وعظیم ترین عمل جس میں اس کا کوئی ثانی اور حریف نہیں ہے وہ ہے: نسلوں کی تربیت، اس کام کے لئے اللہ نے اس کو مخصوص بدنی ونفسیاتی خصوصیات دی ہیں، یہ ضروری ہے کہ اس کام کی ادائیگی میں اس کے لئے کوئی بھی مادی یا ادبی کام مانع نہ ہو، اس لئے کہ امت کے مستقبل کا دارومدار اس کام پر منحصر ہے اور اس کام میں کوئی عورت کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے، اسی کام کے ذریعے امت کی عظیم دولت (افراد) وجود میں آتی ہے، یہی حال گھر کی ذمہ داری اور شوہر کو سکون پہنچانے کے اس کے کام کا ہے۔

اس کے بعد شیخ نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے،''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گھر کے باہر کی سرگرمیاں عورت کے لئے شرعی طور پر حرام ہیں، اس لئے کہ کسی کو بھی صحیح وصریح نص شرعی کے بغیر کسی کام کو حرام قرار دینے کا اختیار نہیں ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ عادات میں اصل اباحت ہے۔''

شیخ کہتے ہیں: اس بنیاد پر عورت کی معاشی وسماجی سرگرمیاں فی نفسہ جائز ہیں، اور بسا اوقات ضرورت کی وجہ سے مستحب یا واجب ہو جاتی ہیں، مثلاً اس بیوہ اور مطلقہ کے لئے ایسی سرگرمی واجب ہے جس کا کوئی اور سہارا نہ ہو، اسی طرح بسا اوقات خاندان کو عورت کی ان سرگرمیوں کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے وہ اپنے شوہر کا تعاون کرے، اس کی اولاد یا اس کے چھوٹے بھائیوں کی تربیت کرے اور اس کے والد کے بڑھاپے میں ان کی مدد کرے، کبھی کبھی معاشرہ کو بھی عورت کی ان سرگرمیوں کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے عورتوں کا علاج، ان کی تیمارداری اور لڑکیوں کی تعلیم وغیرہ (۱۸۴)۔

ان دونوں عظیم علماء کی مذکورہ بالا عبارتوں کے ذریعہ ہم اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ عورت اور اس کے سماجی مسائل پر گفتگو کرتے وقت ہماری نگاہوں سے اس کا یہ کردار اوجھل نہ ہونا چاہئے، عورت کو بااختیار بنانے اور حقوق و واجبات میں یکساں قرار دینے کا مطالبہ کرتے وقت ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ شرعی قواعد وضوابط سے بے پروانہ ہو جائے۔

بلکہ ایک امریکی مصنفہ نے اپنے ایک مضمون میں جس کا عنوان ہے:''گھر......صرف عورت کی مملکت'' لکھا ہے:''آزادی ملنے کے بعد اگر ہم گھروں کے اندر اپنے قدیم کردار کو ادا کریں تو کیا ہمیں اپنی صنف کے مفادات کے خلاف کام کرنے والا مانا جائے گا؟ اس سوال کا جواب انہوں نے یوں دیا ہے:''اس سلسلے میں میری فیصلہ کن آراء ہیں، مجھے اس بات پر اصرار ہے کہ گھر کی مالک بن کر گھر میں رہنا عورت کے لئے حق سے آگے کا مرحلہ ہے، میں عورتوں کی اس ذمہ داری کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہوں اور انسانیت کے لئے اس کو اس قدر اہم جانتی ہوں کہ میں اسے دل وزندگی کے لئے کافی سمجھتی ہوں''۔

آگے چل کر یہ مصنفہ لکھتی ہے:''اگر ہم عورتوں سے زبردستی یہ کہا جائے کہ گھر کے باہر کام کرنا ہمارے لئے ضروری ہے تو یہ نہایت لغو اور غلط بات ہوگی، اس لئے کہ کوئی بھی کام اس کا حق دار نہیں

ہے کہ اس کی خاطر خاندان کا شیرازہ بکھیر دیا جائے، (۱۸۵) اس کلام میں نسوانیت اور تجربہ دونوں کی جھلک صاف نظر آتی ہے، خیال رہے کہ یہ کلام ایک مغربی امریکی خاتون کا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر عورت کے مسائل پر گفتگو کرتے وقت یہ انداز اختیار کیا جائے تو ہم بہت سی مشکلات سے بچ جائیں گے، بہت سی رکاوٹوں سے نجات پا جائیں گے، معاصر خاتون کے تہذیبی سفر میں معاون ہو سکیں گے اور عورت کے مختلف مسائل میں متوازن نقطۂ نظر تک پہنچ سکیں گے۔

۲-میڈیا

جیسا کہ عورت کے میدان کار کے طور پر میڈیا کی بابت گفتگو کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا میڈیا دنیا کے ہر گوشہ، ہر پہلو اور پیمانہ پر نہایت وسیع اور محکم اثر رکھتا ہے، اس لئے کہ آج اسے ایسے ذرائع میسر ہیں جن کی بدولت وہ اپنا پیغام ایک لمحہ کے اندر دنیا بھر میں نشر کرسکتا ہے۔

میڈیا آج کے زمانے میں جن وسیع امکانات سے بہرہ ور ہے ان کی بنیاد پر وہ عورت کی ترقی اور اس کے فکری، ثقافتی، خاندانی اور تہذیبی سفر میں نہایت معاون ہوسکتا ہے، جس متوازن شرعی خطاب کی بابت ہم نے پچھلے صفحات میں گفتگو کی ہے اس کی ترسیل میں میڈیا زبردست کردار ادا کرسکتا ہے، اور پھر جب یہ خطاب عام ہوجائے گا تو ہمیں اس بابت بہت زیادہ مشقت اٹھانے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ عورت شرعی ضابطوں کی روشنی میں جن کاموں کو اچھی طرح انجام دے سکے ان کے ذریعہ معاشروں کے تہذیبی کارواں میں شرکت کرے۔

میڈیا یہ کرسکتا ہے کہ وہ تاریخ اسلامی کے طویل عرصہ میں پائی جانے والی ممتاز خواتین کی حیات وخدمات کو مختلف ایسے پروگرامس کے ذریعہ سامنے لائے جو عورت کے تئیں اسلامی نقطۂ نظر کی حقیقت واضح کریں نیز معاشی وسماجی سرگرمیوں میں اس مثبت شرکت کے ذریعہ معاشرہ میں اس کے کردار کی اہمیت کو واضح کرے جو اس کی دوسری عظیم ذمہ داریوں سے معارض نہ ہو۔

اسی طرح میڈیا افراط وتفریط کے وہ نمونے بھی پیش کرسکتا ہے، جنہیں اسلام بنظر تحسین نہیں دیکھتا ہے، اور خاندان، معاشرہ بلکہ خود عورت پر اس کے نقصانات اور ان کے دینی فکری، خاندانی، سماجی اور اخلاقی سلبی اثرات بھی پیش کرسکتا ہے۔

ان فنی اعمال کی بدولت عورت صحیح وصحیح ترین، ضعیف وقوی، مناسب ونامناسب، مفید وضرر رساں اور افراط وتفریط کے درمیان فرق کرسکے گی اور ان چیلنجس کی سنگینی سے واقف ہوسکے گی جن کا

عصر حاضر میں خواتین سامنا کر رہی ہیں اور جو اس کے گھر اور معاشرہ میں اس کے اسلامی سفر کی راہ میں روڑا بن رہے ہیں، اسی طرح عورت ان چیلنجس سے نپٹنے کے طریقے بھی جان جائے گی، اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کن اعمال کو انجام دے سکتی ہے، ان اعمال کی انجام دہی اس کے لئے کب مستحب ہے، کب واجب، کب مکروہ اور کب حرام، اگر ایک جملہ میں کہنا چاہیں تو یہ کہہ لیں کہ پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا عورت کے مسائل کے تمام پہلوؤں کو سامنے لا سکتا ہے۔

۳-تحریک اسلامی

جس طرح میڈیا، داعیان دین اور معتدل وراسخ علماء عورت کی سماجی سرگرمیوں میں معاون کردار ادا کر سکتے ہیں اسی طرح تعاون کی ذمہ داری تحریک اسلامی (اس کے داعیوں، علماء، مفکرین اور قائدین) کے کاندھے پر بھی ہے، اور اس سلسلے میں تحریک اسلامی کا کردار ہمارے نزدیک مذکورہ بالا کرداروں سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات یہ دیگر کرداروں سے کہیں زیادہ اہم ہوتا ہے۔

اس لئے کہ معاشرہ کے تمام طبقات تحریک اسلامی کو اپنا ایسا اسوہ تصور کرتے ہیں جسے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہییں اور نہایت مکمل طریقہ پر اپنے مقام کے تقاضے پورے کرنے چاہییں تاکہ تحریک لوگوں کے گمان کے مطابق ہو سکے۔

اس پہلو سے غور کرئے تو تحریک اسلامی جب تک کم از کم اسلام پسندوں کے لئے اسوہ ہے اس وقت تک عورت کے تئیں تحریک اسلامی کا رویہ نہایت اہم ہے، لہذا عورتوں کے مسائل کی بابت تحریک اسلامی کی بڑی ذمہ داری بنتی ہے۔

لہذا تحریک اسلامی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں شریک ایسی مسلم خاتون کے تطبیقی نمونے پیش کرے جو اپنی اولاد کی سرپرستی نیز شوہر کی خدمت کرے اور خاندان کے شیرازہ کو نہ بکھرنے دے کر معاشرہ کی ترقی کے کام کرے۔

اگر تحریک اسلامی میں ایسی خواتین نظر آئیں جو سماجی، ترقیاتی اور سیاسی سرگرمیوں میں تو سرگرم ہوں لیکن شوہر، اولاد اور گھر کی بابت اپنی ذمہ داریوں میں ناکام ہوں تو یہ بات نہایت مہلک وضرر رساں ہوگی، تحریک اسلامی ایسی صورت میں اسوہ ہونے کا اپنا مقام کھو بیٹھے گی، اس کی باتیں مؤثر نہیں ہوں گی، نہایت غیر مناسب صورت حال سامنے آئے گی، اور اسلام میں عورت کی پوزیشن نہایت غلط سامنے آئے گی، اس لئے کہ لوگ تحریک اسلامی کو ہی اسلام کا نمائندہ سمجھتے ہیں، اور عام طور پر اسلام

اور اس کی تطبیق کے لئے اختیار کئے گئے طریقوں میں فرق نہیں کر پاتے ہیں، اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تحریک اسلامی کی اس سلسلے میں کیسی عظیم ذمہ داری ہے۔

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس بات کا اعتراف کریں کہ تحریک اسلامی کو اپنے یہاں خواتین کی صورت حال اس طرز پر بہتر کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کے نتیجہ میں شرعی قوانین اور گھر، خاندان ومعاشرہ کے تئیں اس کی ذمہ داریوں پر آنچ نہ آئے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تحریک اسلامی نے اس سلسلہ میں اچھے نمونے پیش نہیں کئے ہیں، بلکہ اس نے ایسے نمونے بھی پیش کئے ہیں جو لائق فخر ہیں، اسی لئے محترم منیر الغضبان نے لکھا ہے: ''آج تحریک اسلامی کو ان شہید خواتین پر فخر ہے جنہوں نے دشمنان خدا کے خلاف جہاد کیا، متعدد دشمنوں کا اپنے قاعدوں اور اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے کام تمام کیا، اپنی اولاد اور اپنے شوہروں کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جام شہادت نوش کیا، تحریک اسلامی کو ان خواتین پر فخر ہے جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کرنے کے لئے یا مجاہدین کے درمیان معلومات پہنچانے کے لئے یا دشمنوں کے ٹھکانوں کا پتہ لگانے کے لئے مجاہدین سے شادی کی، اسی طرح تحریک اسلامی کو ان مہاجر مسلم خواتین پر بھی فخر ہے جنہیں جلاوطن کر دیا گیا، دشمنوں نے ان کو قتل کرنا چاہا لیکن انہوں نے اپنے دین کی خاطر فی سبیل اللہ ہجرت کی، اور کسی طرح کا سمجھوتہ نہیں کیا اور نہ ہی دھمکیوں یا لالچوں کے زیر اثر کمزوری دکھائی، تحریک اسلامی کو دشمنوں کے قید خانوں میں قید ان خواتین پر بھی فخر ہے جنہوں نے شدید ترین اذیتوں پر صبر کیا اور ان کے عزم وہمت میں کسی طرح کی کمزوری نہیں آئی، اپنی مؤمن بہنوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس جہاد میں شریک ہوں اور تحریک اسلامی میں شامل ہوں تا کہ وہ وہ کردار ادا کر سکیں جو سوائے عورتوں کے کوئی اور انجام نہیں دے سکتا''۔(١٨٦)

اس کے ساتھ ساتھ آج تحریک اسلامی کو اس کی ضرورت ہے کہ وہ ایسی خواتین کے نمونے مزید پیش کرے جن میں خیر پایا جائے، جو سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہل ہوں اور تحریک اسلامی انہیں دعوتی، تحریکی، ثقافتی وابلاغی میدانوں میں نمائندہ شخصیتوں کے طور پر پیش کرے، تا کہ وہ معاشرہ میں فروض کفایہ کی ادائیگی کر سکیں، اس کے علاوہ تحریک اسلامی کو صالح خاتون کو اس کردار کے ادا کرنے

میں بھی تعاون کرنا چاہیے۔

اسی لئے ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے لکھا ہے: ''عہد نبوی میں اسلام کی خاطر عورتوں کے جہاد کے نہایت روشن نمونے موجود ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی اصلاحی تحریکیں اس وقت تک معاشرہ میں کم اثر رہیں گی جب تک ان تحریکوں میں خواتین شرکت نہ کریں، اور نوجوان خواتین پر مشتمل ایسی نئی نسل وجود میں نہ آئے جو ایمان، اخلاق، پاکدامنی اور پاکیزگی سے متصف ہوں۔''(۱۸۷)

بسا اوقات تحریک اسلامی بھی معاشرہ کے دیگر طبقات کی طرح ماضی سے چلے آرہے ایسے رجحانات کا شکار ہوجاتی ہے جو عورت کے لئے راہ کا روڑا ثابت ہوتے ہیں اور شرعی تعلیمات سے معارض ہوتے ہیں، ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم عربی مشرقی رسم ورواج کے اسیر ہوں یا مغربی رجحانات کے سامنے جھک جائیں، بلکہ ہماری خواہش یہ ہے کہ ہم عورت کے سلسلہ میں قرآن وسنت اور سلف صالح کے فہم کے مطابق اسلام کا اتباع کریں۔

۴-خاندان اور تعلیمی ادارے

خاندان اور تعلیمی ادارے معاشرے کے اندر تمدنی اداروں میں سے ایک ہیں جن کا نئی نسل کی اسلامی بنیادوں، ایمانی مبادی اور مکارم اخلاق کی بنیاد پر تربیت کرنے میں ایک رول ہونا چاہئے، نئی نسل کو ان اداروں میں یہ بتایا جانا چاہئے کہ عہد اولین میں خاتون کیسی سرگرم تھی اور تکلیف شرعی، عزت اور جزاء میں اسے کیسا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔

خاندان کے کردار کی بابت گفتگو کی زیادہ ضرورت نہیں ہے کہ ہم سب اولاد کی زندگی میں خاندان کی اہمیت اور حیثیت سے واقف ہیں، ایک بچے کے لئے خاندان ہی اسوہ فراہم کرتا ہے علم وثقافت کا سرچشمہ ہوتا ہے، اخلاق، وہ آداب اور اچھے کاموں کی تربیت گاہ ہے، نیز روایات اور زندگی گزارنے کے سلیقہ اور طریقہ کی تعلیم کا مرکز ہے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم الصعیدی کہتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خاندان ان معاون کرداروں میں سرفہرست ہے، اچھی تربیت والدین کی ذمہ داری ہے، والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس قدر بھی راہنمائی اور نگرانی کرسکیں نئی نسل کے دلوں میں اچھی باتوں اور اوصاف حمیدہ کی آبیاری کریں۔(۱۸۸)

لیکن آج آپ دیکھیں گے کہ والدین دوسرے کاموں میں مشغول ہیں اور خاندان ضائع ہورہا ہے، اور اس سے صرف معدودے چند خاندان ہی مستثنیٰ ہیں، شوقی کی اللہ مغفرت فرمائے انہوں نے کیا خوب کہا ہے:

ليس اليتيم من انتهى أبواه من　　　هم الحياة وخلَّفاه ذليلاً

إن اليتيم هو الذي تلقى له　　　أما تخلت أو أباً مشغولاً

(حقیقی یتیم وہ نہیں ہے جس کے والدین کا انتقال ہوگیا ہو اور وہ اسے بے سہارا چھوڑ گئے

ہوں،حقیقی یتیم تو وہ ہے جس کے ماں باپ اس قدر مشغول ہوں کہ اولاد کے لئے فرصت نہ پائیں۔)

ہر مرحلہ کے تعلیمی ادارے (پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک) میں طالب علم اپنے وقت کا بڑا حصہ گزارتا ہے، بلکہ وہ اپنے اساتذہ اور ساتھیوں کے ساتھ اتنا رہتا ہے جتنا اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ نہیں رہتا ہے۔

انسان کی زندگی کے اچھے خاصے حصہ پر طالب علمی کی زندگی محیط ہوتی ہے، یہ زمانہ ۱۵/سال سے بھی زیادہ طویل ہوتا ہے، وہ اس میں تہذیب، علم، تربیت اور شخصیت کی تعمیر سے آشنا ہوتا ہے، نئے آفاق اور مختلف افکار سے واقف ہوتا ہے، وہاں وہ نئے لوگوں اور نئی چیزوں سے روبرو ہوتا ہے، طرح طرح کے تجربات سے گزرتا ہے، مختلف قسم کے واقعات اس کی نظروں سے گزرتے ہیں، اور یہ سب اس کی شخصیت پر سلبی وایجابی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اگر خاتون طالب علم کو اس مرحلہ میں مناسب ماحول، نیک اسوہ، نافع تعلیم، صحت مند ماحول اور نیک سہلیاں نہ ملیں تو اس کے اوپر سلبی اثرات مرتب ہوں گے، اور خاندان کی تمام کوششوں کو تعلیمی اداروں کا ماحول بے اثر کردے گا۔

۵-تربیتی مناہج

اگر تعلیمی ادارے طالب علموں کے لئے ماحول کی حیثیت رکھتے ہیں تو تربیتی مناہج وہ مضمون ہوتے ہیں جن کی تربیت طالب علموں کو ملتی ہے۔

اسی وجہ سے تمام متعلقہ اداروں (تعلیمی اداروں اور اسلامی تحریکوں) کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مناہج (طریقہ ہائے کار) پر نظر ثانی کر کے انہیں مزید بہتر اور ترقی یافتہ بنائیں تا کہ طالب علم انسانی اقدار، اچھے اخلاق، اسلام کی خوبیوں، ایمان کے نتائج، احسان کی امتیازی صفتوں اور ہر اس چیز سے متصف ہو جائے جو مرد وزن کو اچھا انسان اور معاشرہ کے لئے مفید بنائے۔

ہمارے تعلیمی وتربیتی مناہج کا جو بھی مطالعہ کرے گا اس سے ان کی بالخصوص تعلیمی مناہج کی کمیاں پوشیدہ نہیں رہیں گی، بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو ہرگز مبالغہ نہیں کریں گے کہ اکثر ممالک میں مختلف تعلیمی مراحل کے موجودہ تربیتی مناہج طالب علم کو اس کی حقیقت سے بے بہرہ کر دیتے ہیں، اور ایک ایسا انسان تشکیل دیتے ہیں جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہوتی ہے، اس کے پاس نہ مبادی ہوتے ہیں نہ اخلاق، نہ فکر اور نہ کوئی ایسا ہدف جس کے لئے وہ زندگی گزارے یہ طریقہ ہائے کار اس کو اس کی زندگی اور تہذیب سے قریب کرنے کے بجائے دور کرتے ہیں۔

اسی لئے جیسا کہ شیخ ابوشقہ نے کہا ہے مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہونا چاہئے کہ انہیں لوگوں کے لئے مفید سماجی سرگرمیوں کے قابل بنایا جائے، اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی راہنمائی اس جانب کرنی چاہئے کہ اللہ کی جانب سے ان کی ذمہ داری صرف خاندان کی حدود تک نہیں ہے۔ اگر وہ معاشرہ کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں تو معاشرہ کی بابت بھی وہ ذمہ دار ہیں۔

اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے تربیتی نظام کو تین پہلوؤں پر مشتمل ہونا چاہیے:

۱-اخلاقی پہلو کو محکم کرنا اور اسے ترقی دینا۔

۲-مقامی معاشرہ اوراس کی ضرورتوں کا مطالعہ۔

۳-دومیدانوں میں معاشرہ کی خدمت کی عملی تربیت: (الف) مدرسی سرگرمیوں کے ذریعہ تعلیم گاہ کے اندرونی معاشرہ میں (ب) اپنی بستی میں موجود سماجی اداروں کے ذریعہ عام معاشرہ میں۔(۱۸۹)

شیخ ابوشقہ کے ذکر کردہ مذکورہ بالا تینوں پہلوؤں کے ساتھ ہم دومزید پہلوؤں کا اضافہ کرسکتے ہیں:

۴-تعلیمی نصاب میں شرعی قاعدوں کی وضاحت کے ساتھ سماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی مشروعیت کو یقینی بنانا۔

۵-ان صحابیات اور دیگر اسلاف خواتین کے نمونے پیش کرنا جنہوں نے سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اور شرعی ضابطوں کا التزام کیا۔

اس طرح تعلیمی مناہج اور تعلیمی ادارے خاندان و دیگر کرداروں کے ساتھ مل کر صحیح اسلامی نسل پروان چڑھا سکیں گے۔

۶-معاشرہ

معاشرہ کا کردار دیگر کرداروں سے کسی بھی طرح کم اہمیت کا نہیں ہے، اس لئے کہ معاشرہ ہی میں یہ سرگرمیاں انجام دی جائیں گی، نیز اسی کے ذریعہ، اسی کے ساتھ اور اسی میں ان سرگرمیوں کو برتا جائے گا، معاشرہ ہی میں عورت آگے بڑھے گی، اس کی کاوشیں براہ راست یا بالواسطہ طور پر معاشرہ کے لئے مفید اور اس کی ترقی اور بہتری کا سامان ہوں گی۔

معاشرہ سے متعدد کام مطلوب ہیں:

۱-معاشرہ عورت کی سماجی و معاشی سرگرمیوں میں شرکت کی بابت کوئی فیصلہ ان جامد موروثی روایات کی بنیاد پر نہ کرے جو عورتوں پر ظلم کرتی ہیں، انہیں خیر کثیر سے محروم رکھتی ہیں نیز معاشرہ کو اس سے بھی زیادہ خیر سے محروم کرتی ہیں، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ معاشرہ عورت کے سلسلہ میں ہمارے اصول و مبادی سے بے پرواہ ہوکر مغربی نقطۂ نظر کو اختیار کرے، بلکہ اسے چاہئے کہ وہ عورت کے سلسلے میں مبارک اسلامی تعلیمات اور مختلف زمانوں کے معتبر علماء کے اقوال کے تحت اپنا نقطۂ نظر تشکیل دے۔

۲-وہ عورت کی مدد کرے اسے مناسب ماحول فراہم کرے تا کہ عورت اپنا کردار ادا کرسکے، اپنی شخصیت کا ارتقاء کرسکے اور اپنے معاشرہ کی خدمت کرسکے، شیخ ابوشقہ نے لکھا ہے: مسلم معاشرہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ معاشی سرگرمیاں رکھنے والی عورت کی خاندانی و پیشہ ورانہ ذمہ داریاں ادا کرنے میں مدد کرنے والے اسباب فراہم کرے۔............مثالی مسلم معاشرہ کے افراد، قومی اداروں اور اہل رائے ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اگر حالات عورت کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ گھر اور بچوں کی نگہبانی کے ساتھ معاشی سرگرمیاں بھی اختیار کرے تو ایسی صورت میں مسلم معاشرہ کے اہل خیر کو عورت کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے آپسی تعاون کے ساتھ مثبت

اقدامات کرنے چاہئیں، مثلاً

-بچوں کی تربیت کے ادارے۔

-گھریلو معاشی سرگرمیاں اختیار کرنے والی خواتین کی ہمت افزائی۔

-ان گھریلو پیشوں اور گھریلو کاموں کے دائرہ میں توسیع جو اجتماعی تربیت کے محتاج ہیں۔(۱۹۰)

۳-جو عورت اپنی وجہ سے، اپنے خاندان کی وجہ سے یا اپنے معاشرہ کی وجہ سے کمائے اسے شک کی نظروں سے نہ دیکھا جائے، یہ درحقیقت پہلے نمبر پر ذکر کی گئیں موروثی روایات کے نتیجہ میں ہوتا ہے جو انسانوں کی غور وفکر پر اثر انداز ہوتی ہیں، بلکہ یہ سمجھا جائے کہ وہ بھی ایک انسان ہے، اس کی بالکل مرد کی طرح اپنی ضرورتیں، آرزوئیں، محنتیں اور افادیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (**ولهنّ مثل الذي عليهن بالمعروف**)[بقرۃ:۲۲۸](اور جیسی ان پر ذمہ داریاں ہیں ویسے ہی ان کے حقوق ہیں معروف کے مطابق)

۷-شوہر

معاشی وسماجی سرگرمیوں میں شریک خاتون کے تمام مذکورہ بالا معاون کردار ایک طرف اور اکیلا شوہر کا کردار دوسری طرف، اس لئے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ خطاب شرعی متوازی ہو، تحریک اسلامی، خاندان، تعلیمی ادارے اور معاشرے میں سے ہر ایک اپنا کردار ادا کرے، اور شوہر معقول یا نامعقول اسباب کی بنیاد پر عورت کو روک دے، ایسی صورت میں مذکورہ بالا تمام معاونین بے سود ہو جائیں گے، اس لئے کہ عورت کے لئے ایسی سرگرمیوں میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر اجازت دے، یہ ایک شرعی ضابطہ اور شرط ہے۔

ڈاکٹر محمد بلتاجی کہتے ہیں: ''عورت اگر شادی شدہ ہو تو پھر یہ ضروری ہے کہ شوہر اسے کام کرنے (معاشی وسماجی سرگرمیاں اختیار کرنے) کی اجازت دے، شوہر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ عورت کے ذریعہ کیے جارہے کام کے مشروع ہونے کی صورت میں بھی اگر وہ یہ دیکھے کہ کام کی وجہ سے عورت اس (شوہر) اور خاندان کے تئیں اپنی ذمہ داریاں صحیح طریقہ پر ادا نہیں کر پارہی ہے......تو وہ عورت کو کسی پیشہ کے اختیار کرنے سے روک دے، اگر عورت اس کی بات نہ مانے گی تو نافرمان ہوگی اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہ رہے گا، اِلا یہ کہ اس نے نکاح کے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ وہ اپنی معاشی وسماجی سرگرمیاں جاری رکھے گی۔(۱۹۱)

شیخ فیصل مولوی کہتے ہیں: ''گھریلو ذمہ داریاں اور شوہر کی خدمت عورت کا بنیادی کام ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گھر سے باہر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، شوہر کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو دعوت اسلامی کی غرض سے باہر نہ نکلنے دے، لیکن اگر وہ ایسا کرے تو پھر عورت کے اوپر شوہر کی فرماں برداری لازم ہے اور شوہر اگر کسی معقول سبب کے بغیر اسے روکے گا تو گناہ گار ہوگا، اگر عورت گھر سے باہر کی سرگرمیاں اختیار کرتی ہے تو پھر اس کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ دونوں پہلوؤں کے درمیان توازن قائم رکھے۔''(۱۹۲)۔

شیخ ابوشقہ کی رائے تو یہ ہے کہ اگر عورت کی صلاحیتوں اور وقت کا اکثر حصہ منتخب معاشی عمل کی نذر ہو تو پھر شوہر کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اس کے گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹائے، اور اگر عورت کا معاشی عمل واجب ہو تو پھر عورت کا تعاون شوہر پر واجب ہوگا، رسول اللہ ﷺ اپنے اہل خانہ کے کاموں میں تعاون کرتے تھے، اپنی چپل خود ٹانک لیتے تھے، اپنے کپڑے پر خود پیوند لگا لیتے اور گھر میں جھاڑو بھی لگا دیا کرتے تھے۔

اپنے گھر کے تئیں شوہر کی حسن کارکردگی اور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کا تقاضہ یہ ہے کہ شوہر گھر کے کاموں اور بچوں کی نگہداشت میں اپنی بیوی کا تعاون کرے، یہ مدد اس وقت ضروری ہو جاتی ہے جب بیوی کے اوپر معاشی سرگرمیوں کا بوجھ زیادہ ہو، تا کہ گھر کے اندر اور باہر دونوں کی جانب کی جارہی کوششوں میں توازن پایا جائے اور باہمی محبت کا بھی یہی تقاضہ ہے۔ (۱۹۳)

ڈاکٹر حسین امین کہتے ہیں: ''جب عورت کو اپنے شوہر کی جانب سے نہایت محبت، حمایت، اور فکر کا احساس ہوتا ہے تو اس کی انسانی فطرت دنیا کی آخری درجہ کی لذت پاتی ہے، یہ احساسات ہر عورت کی فطرت میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ (۱۹۴)''

لیکن کیا اگر مرد اپنی بیوی کو معاشی وسماجی سرگرمیاں اختیار کرنے سے روک دے تو گناہ گار ہوگا؟

اس سوال کا جواب عورت کے ذریعہ کئے جارہے کام کی نوعیت پر موقوف ہے، یعنی وہ مشروع ہے یا نہیں، اور معاشرہ کو اس کی کس قدر ضرورت ہے مثلاً وہ فرض کفایہ تو نہیں ہے؟ یا عورت گھر کے اندر اور باہر کے کاموں میں توازن قائم رکھ پا رہی ہے یا نہیں، اس لئے کہ اگر چہ شوہر کو اس کی مدد کرنی چاہئے لیکن وہ گھر کے باہر کی ذمہ داری اختیار کرنے کی بنیاد پر گھریلو ذمہ داریوں میں کوتاہی نہیں کرے گی۔

ڈاکٹر نصر فرید واصل کہتے ہیں: ''اگر عورت معاشی وسماجی سرگرمی اختیار کرنے پر مجبور ہو تو شوہر سمیت کسی کو اس بات کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے ایسی سرگرمی اختیار کرنے سے روکے، ہاں اگر عورت کو اللہ اپنی نعمتوں سے نوازے تو اپنے گھر کی فکر کرنا اور اپنی اولاد کی تربیت نیز ان کے لئے تمام انتظامات کرنا عورت کا اہم ترین کام ہے۔'' (۱۹۵) اس لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ شوہر اپنی ''قوامیت'' کے استعمال میں حد سے تجاوز کرے، اس لئے کہ حد سے تجاوز کرنا ظلم ہے اور ظلم موجب گناہ تو ہوتا ہی ہے۔ (۱۹۶)

ہم اس موقعہ پر علامہ رشید رضا مصری کا ایک قول نقل کر رہے ہیں تا کہ قوامیت کی حقیقت اور شوہر کا مقام واضح ہو جائے، وہ فرماتے ہیں: ''شوہر کو بیوی کے مقابلہ میں اپنی زیادہ طاقت کے ذریعہ ظلم نہیں کرنا چاہئے، اور بیوی کو بھی شوہر کی فضیلت سے ناگواری نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی اسے اپنے لئے باعث عار سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ اگر مثلاً کسی شخص کا سر اس کے ہاتھ سے اور دل اس کے معدہ سے افضل ہے تو اس میں کوئی عار کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ مکمل بدن کی مصلحت کے ہی پیش نظر کسی ایک عضو کو دیگر اعضاء سے افضل بنا کر سربراہ کا منصب دیا جاتا ہے، اس میں کسی بھی عضو کا نقصان نہیں ہے بلکہ اس سے تمام اعضاء کو نفع پہنچتا ہے۔'' (۱۹۷)

اس اقتباس سے حقیقت بالکل منکشف ہو جاتی ہے، یہ شوہر کی قوامیت کی نوعیت اور شوہر و بیوی کے درمیان تعلق کی ایسی صحیح تشریح کرتا ہے جو خاندان کو اختلاف اور بکھرنے سے بچاتا ہے۔

ہماری تاریخ میں ایسی مسلم خواتین کی نہایت روشن مثالیں موجود ہیں، جنہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا، اسی طرح بیویوں کے ساتھ شوہروں کے تعاون کی مثالیں بھی ہمیں ملتی ہیں، یہاں ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں، یہ مثال ہے محترمہ زینب الغزالیؒ کی، مندرجہ ذیل اقتباس خود ان ہی کے قلم کا رہین منت ہے، میں نے اس طرح کی کوئی تحریر اتنی طاقتور اور زوردار نہیں پڑھی، ہم صرف یہ اقتباس نقل کر رہے ہیں، اس پر کسی طرح کا تبصرہ نہیں کریں گے۔

''ایک بار میرے محترم خاوند مرحوم محمد سالم کا یہ دیکھ کر ماتھا ٹھنکا کہ عبدالفتاح اسماعیل اور کچھ دوسرے نیک نہاد اور نیک خُو مسلم نوجوان بار بار میرے گھر پر آتے رہتے ہیں۔ میرے خاوند مجھ سے پوچھنے لگے: کیا اخوان المسلمون کی سرگرمیاں جاری ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، اس کے بعد ان کا دوسرا سوال یہ تھا کہ یہ سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اور کس حد تک ہیں؟ میں نے کہا: جماعت اخوان کی از سرنو تنظیم کی جارہی ہے، جب وہ میرے ساتھ زیادہ ہی بحث پر اتر آئے تو میں نے ان سے کہا: ''میرے محبوب خاوند! کیا آپ کو یاد ہے کہ جب ہم نے شادی کا فیصلہ کیا تھا تو کس بات پر اتفاق کیا تھا، کیا یاد ہے میں نے اس وقت آں محترم سے کیا عرض کیا تھا؟ کہنے لگے: 'ہاں، آپ نے ازدواجی زندگی کے بارے میں چند شرائط عائد کی تھیں، لیکن اب مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں آپ ظالموں اور جباروں

کی تیغ ستم کا نشانہ نہ بن جائیں۔ وہ یہ کہہ کر چپ سادھ گئے اور انہوں نے گریبان میں سر ڈال لیا، میں نے کہا: ''صاحب! مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے آپ سے کیا کہا تھا میں نے اوّل روز ہی آپ سے عرض کر دیا تھا کہ: ''میری زندگی کا ایک خاص پہلو ایسا ہے کہ آپ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ آپ مجھے عقدِ زوجیت میں لینے والے ہیں، اور اب چونکہ میں نے آپ سے شادی کرنے کی رضا مندی ظاہر کر دی ہے، اس لئے میں ضروری سمجھتی ہوں کہ اس پہلو سے آپ کو ابھی سے آگاہ کر دوں تا کہ آپ آئندہ مجھ سے اس کے متعلق کبھی نہ پوچھیں، اور اس پہلو سے متعلق جو شرائط پیش کر رہی ہوں میں ان سے ہرگز دستبردار نہ ہوں گی۔ میں سیدات مسلمات کی تنظیم کی صدر ہوں۔ میں نے ابھی تک تو کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا ہے جو مجھے اس عظیم ربانی اعزاز سے نواز دیتا، لیکن مجھے یقین ہے کہ میں ایک نہ ایک روز یہ اعزاز حاصل کر لوں گی، اسی تمنا میں میں جی رہی ہوں، اور ایسے ہی خوابوں میں بس رہی ہوں۔ کسی موقع پر اگر آپ کا ذاتی مفاد اور معاشی تقاضا میری اسلامی مساعی کے ساتھ متصادم ہو گیا اور خود میں نے محسوس کیا کہ میری ازدواجی زندگی دعوت حق اور مملکت اسلام کے قیام کے راستے کا روڑا بن رہی ہے تو میری اور آپ کی راہیں الگ ہو جائیں گی، جب میں آپ سے یہ باتیں کر رہی تھیں، آپ نے سر نیچے ڈال رکھا تھا، پھر آپ نے یکبارگی سر اوپر اٹھایا تھا، اس حال میں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہا چاہتے تھے، مگر آپ انہیں روک رہے تھے۔ آپ نے جواب میں فرمایا تھا: میں آپ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ مادی تقاضوں میں سے کونسا تقاضا آپ کو پسند ہے، اور آپ ہیں کہ مجھ سے مہر اور دیگر ازدواجی ضروریات کے بارے میں کوئی سوال کر رہی ہیں اور نہ مطالبہ، آپ مجھ پر یہ شرط عاید کر رہی ہیں کہ میں آپ کو دعوتِ اسلامی کے کام سے نہ روکوں، مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ آپکا استاذ حسن البناؒ سے کوئی تعلق ہے، میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ''سیدات مسلمات'' کو اخوان المسلمون کی تنظیم میں ضم کرنے کے بارے میں آپ کا استاذ حسن البناء سے اختلاف تھا۔

میں نے جواب دیا تھا کہ الحمدللہ ۱۹۴۸ء میں استاذ البنا کی شہادت سے پیشتر میرا اور استاذ محترم کا اختلاف ختم ہو گیا تھا بلکہ میں نے پھر یہ طے کر لیا تھا کہ زندگی بھر شادی نہ کروں گی اور دعوت کے لئے ہمہ وقتی فارغ ہو جاؤں گی۔ اس لئے آج میں آپ سے یہ تقاضا نہیں کرتی کہ آپ جہاد میں میرے

ہمدوش وہمقدم بن جائیں۔لیکن مجھے یہ توقع ہے کہ میں آپ پر یہ شرط عاید کردوں کہ آپ مجھے جہاد فی سبیل اللہ سے نہ روکیں گے، پس جس روز بھی میرا فرض مجھے مجاہدین کی صفوں میں لا کھڑا کرے گا آپ مجھ سے یہ سوال نہ کریں گے کہ میں کیا کر رہی ہوں۔میرے اور آپ کے درمیان باہم اعتماد رہنا چاہئے، یعنی اس مرد کو پھر اعتماد واطمینان سے کام لینا ہوگا جو ایک ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے جس نے اپنی ذات کو جہاد فی سبیل اللہ اور اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس نے ابھی اپنی عمر کی اٹھارویں بہار دیکھی ہے، اگر شادی اور دعوت دونوں کے حقوق میں تضاد پیدا ہو گیا تو پھر سمجھ لیجئے کہ رشتۂ زوجیت تو ٹوٹ سکتا ہے لیکن دعوت میرے جسم وجان کے ساتھ باقی اور قائم رہے گی۔......

کچھ دیر کے لئے میں چپ ہوگئی، اور پھر میں نے ان کی طرف نظریں اٹھا کر کہا: کیا یہ سب کہانی آپ کو یاد آ گئی،؟ کہنے لگے: ہاں، میں نے کہا: آج میرا آپ سے یہ مطالبہ ہے کہ اپنا وعدہ پورا کریں، میں اللہ تعالی سے دعا کروں گی کہ وہ اپنے فضل واحسان سے اگر میرا عمل قبول فرمالے تو اجر جہاد کو میرے اور آپ کے درمیان برابر تقسیم فرمادے، میں خوب سمجھتی ہوں کہ آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کے آگے سر تسلیم خم کردوں، لیکن جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری ذاتوں سے بالاتر اور اس کی خوشنودی ہماری ہستیوں سے گراں تر ہے۔اور آج ہم دعوت کے ایک نہایت نازک و پرخطر مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔میرے خاوند آخر میں کہنے لگے: مجھے معاف فرمایئے۔آپ بے جھجک اللہ کی برکت وتوفیق سے سرگرم عمل رہیں۔کاش میں زندہ رہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ اخوان کی دعوت کامیابی سے ہمکنار ہو چکی ہے اور اسلام کی مملکت برپا ہو چکی ہے۔کاش میں جوان ہوتا تو آپ کے قدم بہ قدم کاردعوت میں شامل ہوتا......''

ہمارا کام اور ہماری سرگرمیاں خوب بڑھ گئیں۔نوجوانوں کی ٹولیاں رات دن میرے گھر آنے لگیں، میرا مومن خاوند آدھی رات کو دروازے پر دستک کی آواز سنتا اور خواب راحت سے اٹھ کر زائرین شب کے لئے دروازہ کھولتا اور دفتر والے کمرے میں انہیں بٹھاتا، اور پھر کام کاج کرنے والی خاتون کو جا کر بیدار کرتا کہ وہ آنے والوں کے لئے کھانا اور چائے وغیرہ تیار کرے۔اور بعد میں میرے سرہانے آ کر مجھے ڈرتے ڈرتے اٹھاتا اور کہتا کہ آپ کے کچھ بچے دفتر میں بیٹھے ہیں، ان کے چہروں پر

سفر اور تکان کے آثار نمایاں ہیں، میں لباس زیب تن کرتی اور ان کے پاس چلی جاتی۔ میرا خاوند اپنے بستر پر یہ کہہ کر لیٹ جاتا کہ اگر کوئی تکلیف نہ ہو اور آپ لوگ اگر نماز فجر جماعت کے ساتھ پڑھیں تو مجھے بھی جگا دیں میں بھی آپ کے ساتھ نماز با جماعت پڑھ لوں گا۔ میں انشاءاللہ کہہ کہہ کر چلی جاتی۔

اگر فی الواقع ہمیں فجر ہو جاتی اور ہم نماز کے لئے تیار ہو جاتے تو میں موصوف کو اٹھا دیتی۔ وہ آتے اور نماز ادا کرتے اور پھر جو بچے موجود ہوتے انہیں پدرانہ شفقت ومحبت کے ساتھ سلام کر کے چلے جاتے۔" (۱۹۸)

ہم یہاں پر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ بیوی کو معاشی وسماجی سرگرمیاں اختیار کرانے میں اور اسلام ودعوت اسلامی سے آشنا کرنے میں شوہر کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے، خاص طور سے اس وقت جب کہ وہ یہ کام کرنا بھی چاہتی ہو۔

عصر حاضر میں ہمیں ایسے جوڑے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں دونوں ثقافت، علم اور دعوت اسلامی میں ایک مقام رکھتے ہیں، اور شوہر بیوی کی مدد کرتا ہے نیز نفسیاتی، مادی اور تربیتی طور پر اس کو تقویت پہنچاتا ہے، اور بیوی بھی یہ کام کرنے کے لئے پر جوش ہوتی ہے، مثلاً ڈاکٹر عبدالصبور شاہین اور ان کی اہلیہ اصلاح عبدالسلام رفاعی، ڈاکٹر جمال الہادی اور ان کی اہلیہ وفاء محمد رفعت، ڈاکٹر ابراہیم زعفرانی اور ان کی اہلیہ جیہان الحلفاوی، ڈاکٹر محمد شرف اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر مکارم الدیری، ڈاکٹر طارق السویدان اور ان کی اہلیہ ام محمد بثینہ الا براہیم، وغیرہ۔

آخر میں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام معاون کرداروں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا رویہ اختیار کرنا چاہئے، یہ بات کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے کہ کسی ایک معاون کردار کو تقویت پہنچائی جائے اور دوسرے کو منہدم کر دیا جائے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام معاون کردار ایک ساتھ کام کریں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایک دوسرے کے پیچھے رہ جائے، ورنہ جس قدر یہ تمام یا ان میں سے کوئی ایک معاون کردار پیچھے رہ جائے گا اتنا ہی عورت کی سماجی سرگرمیوں میں شرکت کے نتائج پر بھی اثر پڑے گا۔

خلاصہ

۱-سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں خاتون کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنی عملی، دعوتی، فکری اور ثقافتی صلاحیتوں نیز امکانات کو معاشرہ کی ترقی و بیداری کے سلسلے میں بروئے کار لائے، اس طور پر کہ ان سرگرمیوں اور دعوت کی مخصوص ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم رہے۔

۲-اللہ کی نگاہ میں مرد وزن یکساں ہیں، مقام، تکلیف شرعی، عمل، اجر اور حساب کے سلسلے میں یہ یکسانیت پائی جاتی ہے، جہاں تک ذمہ داریوں کی بات ہے تو ان کے اعتبار سے مرد وزن کے درمیان فرق ہے، لیکن یہ فرق نوعیت اور تعاون کا ہے، ایسا نہیں ہے جو آپس میں اختلاف اور جھگڑے کا باعث ہو، اس کا سبب دونوں کے درمیان پایا جانے والا بدن، نفسیات، جذبات، نوعیت اور ساخت کا فرق ہے۔

۳-ان سرگرمیوں، کاموں میں عورت کی شرکت کا حکم کام کی نوعیت، عورت اور معاشرہ کی ضرورت نیز شرعی اصولوں کی روشنی میں بدلتا رہتا ہے، تکلیفی احکام کی پانچوں قسمیں ان سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کا حکم بنتی ہیں، کبھی یہ حرام ہوتی ہے، کبھی واجب، کبھی جائز، کبھی مستحب اور کبھی مکروہ۔

۴-سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے شرعی اصول یہ ہیں: عورت کے ذریعہ انجام دیے جارہے عمل کی مشروعیت، گھر سے باہر نکلنے کے شرعی ضابطوں کی پابندی مثلاً یہ کہ لباس شرعی ہو، گفتگو ایسے انداز میں نہ کی جائے جس سے کسی مرد کے دل میں غلط قسم کی خواہشات سر اٹھائیں، صحیح طریقہ سے چلنا، صحیح طریقہ سے دوسروں سے ملنا، یہ سرگرمیاں اس کی گھریلو ذمہ داریوں سے معارض نہ ہوں۔ ان اصولوں سے عورت کی فطرت، عفت اور عزت محفوظ رہتی ہے، جب کہ ان کے بغیر اس طرح کی سرگرمیوں میں شرکت کرنے سے عورت، خاندان، معاشرہ اور امت کو زبردست خطرات ہیں۔

۵-عورت کے لئے مشروع اعمال کی فہرست میں وہ اعمال نہیں ہیں جو عورت کی بدنی او

رنفسیاتی ساخت کے منافی ہوں، یا جو مرد وزن دونوں کے لئے فی نفسہ حرام ہوں۔ شریعت نے عورت کے لئے جائز کاموں کی مشروعیت میں یہ خیال رکھا ہے کہ یہ کام عورت کی فطرت اور نسوانیت سے ہم آہنگ ہوں، عورت کے لئے اس نے وہی کام حرام قرار دیے ہیں، جو اس کی فطرت اور نسوانیت کو مسخ کر دیں یا انہیں نقصان پہنچائیں۔

۶-شرعی اصولوں کے ساتھ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے نہایت عظیم مقاصد ہیں خود عورت، اس کے خاندان، معاشرہ، دعوت اسلامی اور امت پر اس شرکت کے نہایت عظیم نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

۷-معاشی، سماجی، دعوتی اور جہادی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کی مثالیں ہمیں اسلام سے پہلے بھی ملتی ہیں، عہد نبوی میں بھی ملتی ہیں، اور اس کے بعد کے زمانوں میں بھی ملتی ہیں، ان مثالوں سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی طرح عورت نے بھی خاندان، دعوت، معاشرہ اور امت کی خدمت ہے نیز وہ شرعی اصولوں اور ہدایات کی بھی پابند رہی ہے۔

۸-عورت کی بابت شرعی نقطۂ نظر سے کئے جانے والے اعتراضات جو اس کی توہین کرتے ہیں، اس کو کم حیثیت بتاتے ہیں اور اس کی اہلیت پر انگلی اٹھاتے ہیں ان کی بنیاد یا تو کسی صحیح نص کا غلط فہم ہے، یا پھر موضوع، ضعیف اور منکر روایات، لہٰذا ان اعتراضات کی کوئی صحیح عقلی ونقلی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔

۹-عورت کو درپیش چیلنجس بکثرت اور گوناگوں ہیں، اس مطالعہ میں ان میں سے پانچ سے اعتنا کیا گیا ہے، یہ ہیں: عالمی چیلنج اور مغربی مہم، آباء واجداد کے زمانے سے چلی آرہیں روایات اور سماج میں موجود رواجوں کا چیلنج، شخصی ارتقاء اور حقوق وذمہ داریوں کا چیلنج، عورت کی مختلف ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم رکھنے کا چیلنج، عارضی سرگرمی پر اکتفا کرنے کے بجائے سرگرمی کو منظم اور مسلسل بنانے کا چیلنج۔

۱۰-جن میدانوں میں عورت معاشی وسماجی سرگرمیوں میں سرگرم رہ سکتی ہے، اور اپنی صلاحیتوں اور امکانات کو بروئے کار لاسکتی ہے وہ یہ ہیں: دعوت الی اللہ، میڈیا، رفاہی سرگرمیاں، سیاسی

سرگرمیاں، معاشی سرگرمیاں، سماجی سرگرمیاں، ادبی سرگرمیاں اورعلوم شرعیہ،عورت یا تو اپنے لخت جگر کی پرورش کرے گی، اپنی اولاد کی تربیت کرے گی، معروف کے سلسلہ میں اپنے شوہر کی اطاعت کرے گی، یا پھر معاشی، سماجی، سیاسی، اور شرعی میدانوں میں سرگرم نظر آئے گی، دشمن کے خلاف جنگ میں شریک ہوگی اور اس کے خلاف اپنے لوگوں کو بھڑکا رہی ہوگی، ہر وقت عورت کے لئے ایک مشروع عمل ہے جو عورت اختیار کرے گی اس سے بے پرواہ نہ رہے گی۔

۱۱-عورت کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں معاون اہم کرداروں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم اس کے مسائل کی بابت اپنی شرعی رائے کو متوازن اور معتدل بنائیں، افراط وتفریط میں مبتلا ہوئے بغیر ہم ایک درمیانی راہ اختیار کریں۔

۱۲-اس سلسلہ میں عورت کو تقویت پہنچانے اور اسے ان سرگرمیوں پر آمادہ کرنے میں میڈیا کا ایک اہم رول ہے، اس کے لئے میڈیا کو چاہئے کہ وہ ایسی سرگرمیوں میں شریک خاتون کے لئے ایک ایسا منضبط راہ عمل پیش کرے جس کے ذریعہ عورت اپنی ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم کرکے اپنے معاشرہ اور اپنے دین کی خدمت کرے، اس مقصد کے پیش نظر ایسے پروگرام پیش کئے جاسکتے ہیں جو ماضی اور حال کی شریعت کی پابند خواتین کے نمونے پیش کریں اور بے راہ روی کے نمونوں سے لوگوں کو باز رکھیں۔

۱۳-تحریک اسلامی میں خواتین کی صورت حال پر احکام شریعت کی روشنی میں غور کرنا چاہئے اس کے لئے عہد نبوی اور بعد کے ان عہدوں میں خواتین کی سماجی ومعاشی سرگرمیوں کے نمونوں سے استفادہ کرنا چاہئے جو عہد نبوی کے نقش قدم پر تھے۔

۱۴-تربیتی وتعلیمی مناہج اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ خواتین کی اعلیٰ درجہ کی تربیت اور ان کی فطرت کی حفاظت میں خاندان، معاشرہ نیز تعلیمی اداروں کا ناقابل انکار کردار ہے۔

۱۵-عورت کی اس راہ میں سب سے بڑا معاون کردار اس کے شوہر کا ہے، بیوی کی راہنمائی، اسے ایسے کاموں پر آمادہ کرنے، اس کی ہمت افزائی کرنے اور شرعی، سماجی سیاسی اور علمی طور پر بیوی کی ترقی کی ذمہ داری شوہر کے ہی کاندھوں پر ہے۔

اختتامیہ

اس مطالعہ سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ معاشی وسماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت شرعی طور پر جائز ہے، شرعی دلائل میں اس کی ممنوعیت نہیں پائی جاتی، بلکہ صحیح اور صریح نصوص یہ بتاتے ہیں کہ مقام ومرتبہ، تکلیف شرعی اور جزاء وثواب میں عورتیں مرد کے ہم پلہ ہیں، مختلف زمانوں میں (جن میں سرفہرست وہ عہد نبوی ہے جس میں وحی نازل ہوا کرتی تھی اور جس کو شریعت میں حجت کا درجہ حاصل ہے) بڑی تعداد میں ان سرگرمیوں میں شریک خواتین کے پائے جانے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اس مطالعہ سے ہم ہر قسم کی سماجی سرگرمیوں جیسے ثقافتی، شرعی، معاشی، سیاسی، دعوتی، اور اصلاحی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کے مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ اس سلسلے میں مستقل ترقی ہوتی جائے گی، اس لئے کہ عورت اور دیگر لوگوں کو بھی عورت کے کردار، نیز اس کی ذات، خاندان اور معاشرہ کے لئے اس کی سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی اہمیت کا خوب احساس ہو رہا ہے، شیخ محمد حسین کہتے ہیں: ''عصر حاضر کے سماجی حالات کے پیش نظر سماجی، سیاسی اور معاشی سرگرمیوں میں شریعت کے ابدی قوانین کی رعایت کے ساتھ خواتین کی شرکت واجب ہے۔(۱۹۹)

معاشرہ کو ترقی پذیر مسلم خواتین کی راہ میں آڑے نہیں آنا چاہئے، بلکہ اسے مغربی تہذیب اور آباء واجداد کے زمانے سے چلی آرہیں خلاف کتاب وسنت روایات سے دور رہتے ہوئے اسلامی ہدایات اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اس کا استقبال کرنا چاہئے۔

لیکن ایسا تبھی ہو پائے گا جب عورت کو اس مطالعہ میں ذکر کردہ معاونین کے ذریعہ مکمل تعاون ملے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے تعلیمی نظام میں، تحریک اسلامی کے نظام میں، اپنے گھروں میں اور معاشرہ کے تربیتی وتعلیمی اداروں میں اس نقطۂ نظر کو عام کردیں، اور اس کے لئے ہم مختلف عہدوں کی روشن مثالیں پیش کریں جن میں سرفہرست عہد نبوی ہے جو عہد وحی وتشریع ہے۔

حواشی:

۱۔مقالات الشیخ محمد الغزالي: ۱۰۵/۳، ترتیب: عبدالحمید حسانین حسن، مطبوعہ نهضة مصر، طبع چہارم ۲۰۰۵ء۔

۲۔کتاب: ''دور المرأة في خدمة الحديث في القرون الثلاثة الأولیٰ'' از: آمال قرداش بنت الحسین (سلسلۃ کتاب الأمۃ: ۷۰) کے مقدمہ سے ماخوذ۔

۳۔اس پوری کتاب میں صرف ایک حدیث صحیحین کے علاوہ کسی اور کتاب سے نقل کی گئی ہے، یہ حدیث ہے: ''المرأة عورة'' اس کو ہم نے کتاب کی چوتھی فصل میں ذکر کیا ہے جو کہ اعتراضات کے موضوع پر ہے، اس حدیث کو امام ترمذی نے ''حدیث حسن صحیح غریب'' کہا ہے، ہمارے نقل کردہ اکثر نصوص صحیح بخاری سے ماخوذ ہیں۔

۴۔لسان العرب: ۴۴۸/۱۰، دار صادر بیروت۔

۵۔مثلاً ملاحظہ ہو: المغنی في فقة الإمام أحمد بن حنبل از: ابن قدامۃ: ۳/۵۔ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، طبع اول ۱۴۰۵ھ۔

۶۔ملاحظہ ہو: تقرير التنمية الإنسانية العربية لعام ۲۰۰۳ء۔

۷۔پروگرام: ''الشريعة والحياة'' کی ۲۰۰۸/۶/۲۹ء کو نشر ہونے والی قسط بعنوان: ''التمييزيين المرأة والرجل في الميراث والشهادة والنفقة'' (ملخصا)

۸۔المرأة في القرآن: ۵، از عباس محمود العقاد، دار نهضة، مصر۔

۹۔ المرأة بين البيت والمجتمع: ۳۰۸، مکتبۃ دار العروبۃ، قاہرہ، طبع سوم، ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۵ء۔

۱۰۔ الإحكام في أصول الأحكام: ۳۴۱/۳۔ ۳۴۲، دار الحدیث، قاہرہ، طبع اول، ۱۴۰۴ھ۔

۱۱۔حقوق النساء في الإسلام: ۴۴، مطبوعہ المکتب الإسلامی، بیروت۔

۱۲۔ ملاحظہ ہو: المرأة والرجل وخصوم الإسلام: ۶۹۔ ۷۳، شیخ محمد متولی الشعراوی، دار الندوۃ، اسکندریہ۔

۱۳۔ مجموع فتاوی ومقالات الشيخ عبدالعزيز بن باز: ۳۱۶/۱۰۔ ۳۱۷، طبع دوم۔

۱۴۔جن میدانوں میں مرد وزن میں مساوات ہے اور جن میں نہیں ان کو جاننے کے لئے ملاحظہ ہو: عمل المرأة في ميزان الشريعة الإسلامية: ۳۹۔ ۵۶، از: ام حبیبہ البرکی، مقدمہ: ڈاکٹر عادل العزازی، مطبوعہ مکتبۃ أولاد الشیخ للتراث، قاہرہ، ۲۰۰۵ء (نہایت اختصار کے ساتھ) نیز ملاحظہ ہو: حقوق النساء في الإسلام از: محمد

رشید رضا، ۸۔۱۰،۱۹۔۲۰ اور ۲۶۔ مکانة المرأة بين الإسلام والقوانين العالمية از محترم سالم بھنساوی: ۴۲۔۵۴، دارالقلم، کویت، طبع دوم، ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء، الفقه الإسلامی فی طریق التجدید از: ڈاکٹر محمد سلیم العوا: ۱۴۸، سفیر الدولیۃ للنشر، قاہرہ، طبع سوم، ۱۴۲۷ھ۔۲۰۰۶ء۔

۱۵۔ ملاحظہ کتاب: المرأة بين البيت والمجتمع۔۲۸۶۔۲۹۸۔

۱۶۔ ملاحظہ ہو: صدیق محترم ڈاکٹر مثنی امین کردستانی کی کتاب: حرکات تحرير المرأة من المساواة إلىٰ الجندر: ۲۲۳۔۲۳۰، دارالقلم، کویت، طبع اول، ۱۴۳۵ھ۔۲۰۰۴ء، اس موقعہ پر موصوف نے اس قول کے قائلین اور ان کے نزدیک مساوات کے میدانوں پر گفتگو کی ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر ہے۔

۱۷۔ الإسلام وقضايا المرأة المعاصرة: ۲۶۲، دارالقلم، کویت، طبع چہارم، ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۴ء۔

۱۸۔ التحرير الإسلامي للمرأة: ۲۹، دارالشروق، طبع دوم، قاہرہ، ۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء۔

۱۹۔ مكانة المرأة في القرآن الكريم والسنة الصحيحة: ۲۴۳، طبع سوم (اضافہ شدہ) دارالسلام، قاہرہ، ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء، سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں شرکت کے عورت کے حق اور اس کے دلائل پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مکانۃ المرأۃ، از بھنساوی: ۶۷۔۸۰۔

۲۰۔ مجموع فتاوی ومقالات الشيخ عبدالعزيز بن باز: ۱/۳۱۲۔

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ فتاوی معاصرة: ۲/۳۰۴۔۳۰۵، دارالقلم، کویت، قاہرہ، طبع پنجم، ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء۔ نیز ملاحظہ ہو: مكانة المرأة از بھنساوی: ۸۴۔

۲۳۔ ملاحظہ ہو: المرأة والعمل السياسي، از ڈاکٹر محمد سلیم العوا، القبس الکویتیۃ، (۶/۸/۲۰۰۷ء) میں شائع ہوا مقالہ، نیز ملاحظہ ہو: الإسلاميون والمرأة، از: ڈاکٹر سلیم العوا، ۱۴۱، دارالوفاء قاہرہ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء۔

۲۴۔ قرارات المجلس الأوربى للإفتاء والبحوث ۱۸/۲/۱۴۲۶ھ۔ ۲۸/۳/۲۰۰۵ء۔ تجویز نمبر: ۵/۵۔

۲۵۔ مجلة البحوث الإسلامية: ۱۹/۱۶۰۔

۲۶۔ آگے کتاب کی چوتھی فصل: ’’چند اعتراضات اور ان کے جوابات‘‘ میں بعض ان حدیثوں پر مزید تفصیلی کلام کیا جائے گا جن سے کچھ لوگوں کو عورت کی معاشی وسماجی سرگرمیوں کی حرمت کا خیال ہوتا ہے۔ جیسے حدیث نبوی: ’’لن يفلح قوم ولو أمرهم امرأة‘‘ وغیرہ۔

۲۷۔ المرأة بين الفقه والقانون: ۱۵۶۔۱۵۷، المكتب الإسلامي، مؤسسة الرسالة، دمشق، بیروت،

طبع سوم، تاریخ طباعت مذکور نہیں، نیز ملاحظہ ہو: ص: ۱۶۱۔

۲۸۔ مکانة المرأة: ۱۱۴۔

۲۹۔ فتاوی معاصرة: ۲/ ۳۰۵۔ ۳۰۶، نیز ملاحظہ ہو: مکانة المرأة از بھنساوی: ۸۶۔ ۸۷،

۳۰ ملاحظہ ہو ڈاکٹر عصام البشیر کی غیر مطبوعہ کتاب: مشارکة المرأة سیاسیا، شبھات وردود، ان ضابطوں کے سلسلے میں مزید ملاحظہ ہو: مکانة المرأة ڈاکٹر محمد بلتاجی: ۲۴۶۔ ۲۴۹، ماذا عن المرأة، ڈاکٹر نورالدین عتر، ۱۶۶۔ ۱۶۷، الیمامة للطباعة والنشر، دمشق، گیارہواں ایڈیشن، ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء، عمل المرأة فی میزان الشریعة: ۱۱۲۔ ۱۱۸۔

۳۱۔ المرأة بین البیت والمجتمع: ۳۳۵۔ ۳۳۶ (نہایت معمولی تصرف کے ساتھ)

۳۲۔ مکانة المرأة بین الإسلام والقوانین العالمیة: ۳۹۔

۳۳۔ مکانة المرأة: ۱۲۱۔

۳۴۔ کتاب عشرة النساء، أبواب حقوق الزوجین، باب: لعن المخنثین وإخراجھم، حدیث نمبر ۱۱۲، ص: ۳۱۶، مکتبة السنة، قاہرہ، طبع سوم، ۱۴۰۸ھ۔ ۱۹۸۸ء۔

۳۵۔ اخبار الجمھوریة المصریة: ۹/ ۶/ ۱۹۶۲ء بحوالہ مکانة المرأة بین الإسلام والقوانین العلمیة: ۳۹، نیز ملاحظہ ہو: ص: ۸۷۔ ۸۸۔

۳۶۔ ملخصا مرکز المرأة فی الحیاة الإسلامیة: ۱۱۲۔ ۱۱۴۔ مؤسسة الرسالة، طبع اول، ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱ء۔ نیز ملاحظہ ہو: شیخ قرضاوی کی ہی ایک اور کتاب: ملامح المجتمع المسلم الذي ننشده: ۳۸۹۔ ۳۹۱۔ مکتبة وھبہ، قاہرہ، طبع اول ۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۳ء۔

۳۷۔ الإسلام وقضایا المرأة المعاصرة: ۲۵۳۔

۳۸۔ یہ کتاب دارالوفاء منصورہ نے چھاپی ہے، دیگر خراب نتائج کے لئے ملاحظہ ہو: مصطلح حریة المرأة بین کتابات الإسلامیین وتطبیقات الغربیین، از: ڈاکٹر محمد بن موسی الشریف: ۲۴، نیز بعد کے صفحات دارالأندلس الخضراء، جدہ، سعودی عرب، طبع دوم، ۱۴۲۸ھ۔ ۲۰۰۸ء۔

۳۹۔ ماذا عن المرأة: ۱۶۴۔ ۱۶۵۔

۴۰۔ اس حدیث کا حوالہ چوتھی فصل میں دیا جائے گا اور وہیں اس مسألہ پر مزید گفتگو بھی کی جائے گی۔

۴۱۔ التحریر الإسلامی للمرأة: ۳۷۔

۴۲۔ مکانة المرأة: ۴۰۵۔

۴۳۔ دور المرأة فی حمل الدعوة: ۱۲، شیخ محمد حسین عیسی، مقدمة: شیخ محمد عبداللہ الخطیب، دارالدعوة

،اسکندریہ،طبع دوم،۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۷ء۔

۴۴۔ملاحظہ ہو المرأة بين البيت والمجتمع:۳۰۵،اوراس کے بعد چند صفحات۔

۴۵۔ فتاوی المرأة المسلمة: ۳۷،ڈاکٹر یوسف القرضاوی،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،طبع اول، ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۱ء۔

۴۶۔ المرأة بين البيت والمجتمع:۳۰۱۔۳۰۲۔۳۰۷۔۳۱۳۔

۴۷۔اعلام النساء:۷۔علی محمد الدخیل،الدارالاسلامیۃ،طبع سوم،۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۲ء۔

۴۸۔صحیح بخاری: كتاب الإيمان ، باب علامة الإيمان حب الأنصار۔

۴۹۔ الإسلام والمرأة:۲۶۔۲۷،سعید الافغانی،تفصیلات درج نہیں۔

۵۰۔ صحيح البخاري: كتاب الاعتكاف، بات الاعتكاف في العشر الأواخر، والاعتكاف في المساجد كلها۔

۵۱۔صحيح البخاري: كتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ إلا من الغشى المثقل۔

۵۲۔صحيح البخاري: ابواب الصلاة في الثياب، باب في كم تصلى المرأة من الثياب۔

۵۴۔صحيح البخاري: كتاب النكاح ،باب الغيرة۔

۵۵۔صحيح البخاري: كتاب فضائل الصحابة، باب أيام الجاهلية۔

۵۶۔صحيح البخاري: كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء۔

۵۷۔صحيح البخاري: كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب، وكتابة الشروط۔

۵۸۔ صحيح البخاري: كتاب المغازي ، باب غزوة خيبر۔

۵۹۔صحيح مسلم: كتاب البر والصلة والآداب، باب النهى عن لعن الدواب وغيرها۔

۶۰۔صحيح البخاري: ابواب الجزية والموادعة، باب امان النساء وجوارهن۔

۶۱۔صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب الاستخلاف وتركه۔

۶۲۔ التحرير الإسلامي للمرأة:۴۶،آگے جو صحیح بخاری کے عناوین درج کئے جارہے ہیں وہ ہم نے اسی کتاب سے لئے ہیں، کچھ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

۶۳۔اس موقع پر یہ بات ذہن میں رہے کہ سماجی ومعاشی سرگرمیوں میں شریک ہر عورت مشہور نہیں ہوتی، اور تمام مشہور خواتین بھی تاریخ میں محفوظ نہیں ہوتی ہیں۔

۶۴۔أعلام نساء الأندلس: ۱۰، دارالوفاء، قاہرہ، طبع اول، ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء۔

۶۵۔المرأة فی مصر المملوکیة: ۱۳۱، ڈاکٹر احمد عبدالرازق، مطبوعہ الھیئة العامة المصریة للکتاب، ۱۹۹۹ء۔

۶۶۔میسان: ماضی میں عراض کا ایک بڑا شہر تھا۔

۶۷۔مرغاب: بصرہ کی ایک نہر، بعض لوگ کسی اور نہر کو بھی کہتے ہیں۔

۶۸۔یہ ''ونحن خلوف'' کا ترجمہ ہے۔

۶۹۔ملاحظہ ہو: أعلام النساء: ۱/۴۱۔ ۴۲، عمر رضا کحالہ، مؤسسة الرسالة، بیروت، طبع پنجم، ۱۴۰۴ھ۔ ۱۹۸۴ء۔

۷۰۔ملاحظہ ہو: نساء فاضلات، عبدالبدیع صفر: ۱۱۸۔ ۱۲۴، قاہرہ، دارالاعتصام، تاریخ طباعت درج نہیں، (معمولی تصرف کے ساتھ)

۷۱۔ملاحظہ ہو: محمد رجب البیومی کا مضمون السیدة لبیبة احمد: ۱۰۴۔ ۱۱۳، جو مجلة منبر الاسلام، قاہرہ، جلد: ۵۸، شمارہ: ۷، رجب ۱۴۲۰ھ۔ اکتوبر۔ نومبر، ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا (مع تلخیص و معمولی تصرف)

۷۲۔پچھلی چار شخصیتوں کا تذکرہ برید اویراج صمدی کی کتاب المسئولیة الفردیة للمرأة المسلمة: ۴۶۔ ۵۷ (مطبوعہ قطر الندی، قاہرہ، طبع سوم، ۱۴۲۸ھ۔ ۲۰۰۷ء) سے ماخوذ ہے، زینب الغزالی کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: خود ان کی کتاب: أیام من حیاتی۔

۷۳۔نساء خالدات علیٰ أرض الرباط از: استاذ احمد جابر، اس کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر محمد الشیخ محمود صیام نے لکھا ہے، مطبوعہ دارالوعد للنشر والتوزیع یمن، صنعاء۔

۷۴۔ملاحظہ ہو: أضواء علی نضال المرأة الفلسطینیة، مطبوعہ دار الکرمل للنشر والتوزیع، عمان، ۱۹۹۵ء۔

۷۵۔ملاحظہ ہو ہمارا مضمون: المرأة الفلسطینیة، تخلد نفسها فی التاریخ، جو کہ اخوان آن لائن پر ۲۰۰۶/۱۱/۷ء کو نشر کیا گیا۔

۷۶۔ام نضال کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لئے ملاحظہ ہو: ''نساء خالدات علیٰ أرض الرباط'' ۲۶۳۔ ۲۹۲، اور وہ انٹرویو جو ان سے صحافی میرفت عوف نے لیا اور جو ۲۵ر شعبان ۱۴۲۶ھ ۲۹ر ستمبر ۲۰۰۵ء کو مجلّہ ''لھا'' نے شائع کیا۔

۷۷۔صحیح البخاری: کتاب المغازی باب کتاب النبی ﷺ إلی کسری وقیصر۔

۷۸۔ السنة النبویة بین أهل الفقه وأهل الحدیث: ۴۸۔ ۵۱، دارالشروق، قاہرہ، طبع سوم،

۱۹۸۹ء۔

۷۹۔ مکانة المرأة:۲۵۳۔

۸۰۔ تحریر المرأة فی عصر الرسالة:۲/۳٦۹۔

۸۱۔ملاحظہ ہو: التحریر الإسلامی للمرأة:۱۰۳۔۱۱۰۔

۸۲۔ المرأة بین الفقه و القانون:۴۰۔

۸۳۔صحیح البخاری: کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم، یہ روایت مسلم نے نے عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے نقل کی ہے:صحیح مسلم: کتاب الإیمان ، باب بیان نقصان الإیمان بنقص الطاعات......

۸۴۔ تحریر المرأة فی عصر الرسالة:۱/۲۷۳۔۲۷۴۔

۸۵۔ دور المرأة فی العمل الإسلامی،شیخ فیصل مولوی کا ایک محاضرہ۔

۸٦۔ التغذیة النبویة، از: پروفیسر عبدالباسط محمد سید: ۱۳۸۔۱۳۹، الفا للنشر والتوزیع،طبع دوم، قاہرہ: ۱۴۲۵ھ۔۲۰۰۴ء۔

۸۷۔صحیح البخاری:کتاب الانبیاء، باب قول الله تعالیٰ: وإذ قال ربک للملائکة إنی جاعل فی الأرض خلیفة۔

۸۸۔المرأة فی القرآن:۱۱٦۔۱۱۷،مطبوعہ اخبار الیوم،قطاع الثقافة،قاہرہ۔

۸۹۔ مثلاً ملاحظہ ہو: حکم تولی المرأة والولایات العامة والاشتراک فی المجالس التشریعیة نائبة و ناخبة:٦،شیخ عبدالرحمان بن عبدالخالق،تفصیلات درج نہیں۔

۹۰۔مثلاً ملاحظہ ہو:مکانة المرأة، ڈاکٹر محمد بلتاجی:۲۵۵۔۲۵٦۔

۹۱۔سنن الترمذی: ابواب مختلفة فی النکاح، باب،ترمذی نے اسے ''حدیث حسن صحیح غریب'' کہا ہے۔

۹۲۔ تحفة الأحوذی: ۴/۲۸۳،دار الکتب العلمیة، بیروت۔

۹۳۔ حقوق النساء فی الإسلام:۳۹۔۴۰۔

۹۴۔ الأعمال الکاملة للإمام محمد عبده: ۴/٦۱۱،تحقیق،ڈاکٹر محمد عمارہ،مطبوعہ قاہرہ: ۱۹۹۳ء۔

۹۵۔دور المرأة فی حمل الدعوة:٦۷۔

۹٦۔محترمہ آمال قرداش بنت الحسین کی کتاب دور المرأة فی خدمة الحدیث فی القرون الثلاثة الأولیٰ (سلسلة کتاب الأمة:۷۰) پر استاذ عمر حسنہ کے مقدمہ سے ماخوذ۔

۹۷۔ صحیح البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب مایذکر من شؤم الفرس، نیز سنن النسائی: کتاب عشرة النساء، (حدیث نمبر: ۳۹۳) ص: ۳۲۹، نسائی کے الفاظ ہیں: ''الشؤم فی ثلاثة فی المسکن والفرس والمرأة''۔

۹۸۔ تأویل مختلف الحدیث: ۱۰۵، تحقیق محمد زہری النجار، دارالجیل، بیروت، ۱۳۹۳ھ۔ ۱۹۷۲ء۔

۹۹۔ ملامح المجتمع المسلم الذی ننشده: ۳۲۶۔

۱۰۰۔ میراث المرأة وقضیة المساواة، ڈاکٹر صلاح الدین سلطان، ۱۰۔ ۴۶، دارنهضه، مصر، قاہرہ، ۱۹۹۹ء، نیز ملاحظہ ہو: التحریر الإسلامی للمرأة: ۶۷۔ ۷۰۔

۱۰۱۔ محاسن الشریعه الإسلامیة فی فروع فقه الشافعیة: ۳۹، تحقیق ابوعبداللہ محمد علی سمک، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۲۸ھ۔ ۲۰۰۷ء۔

۱۰۲۔ الفقه الإسلامی فی طریق التجدید: ۱۵۰۔

۱۰۳۔ أرسطو والمرأة، ڈاکٹر امام عبدالفتاح امام: ۱۰۹، مکتبہ مدبولی طبع اول، ۱۹۹۶ء۔

۱۰۴۔ ملاحظہ ہو: مکانة المرأة، بھنساوی: ۱۱۷۔ ۱۱۸۔

۱۰۵۔ الفقه الإسلامي في طریق التجدید: ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ (معمولی تصرف کے ساتھ)

۱۰۶۔ إعلام الموقعین عن رب العالمین: ۱/۹۱، تحقیق: طہٰ عبدالرؤف سعد، دارالجیل، بیروت، ۱۹۷۳ء۔

۱۰۷۔ الإعلام: ۱/۹۶۔

۱۰۸۔ أیضاً۔

۱۰۹۔ الطرق الحکمیة في السیاسة الشرعیة: ۱۱۵، اوراس کے بعد کے چند صفحات، تحقیق: ڈاکٹر محمد جمیل غازی، مطبعة المدنی، قاہرہ۔

۱۱۰۔ المغنی: ۹/ ۵۳۲، دارالفکر بیروت، طبع اول، ۱۴۰۵ھ۔

۱۱۱۔ فلسفة العقوبة في الفقه الإسلامی: ۴۳۸، مطبوعہ معهد الدراسات العربیة العالیة۔

۱۱۲۔ استاذ محترم ڈاکٹر عبداللطیف عامر اور شیخ قرضاوی کی یہ کتابیں مکتبة وهبه، قاہرہ سے شائع ہوئی ہیں۔

۱۱۳۔ المغنی ابن قدامة: ۹/ ۳۷۸۔

۱۱۴۔ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب التبسم والضحک، حدیث نمبر ۵۷۳۵۔

۱۱۵۔ مثلاً اس معاہدہ کی دفعہ: ۱۱: پیشہ اختیار کرنے کی آزادی، دفعہ: ۱۶ جوشادی کرتے وقت ازدواجی زندگی میں اوراسے ختم کرتے وقت نیز ولایت، قوامیت اور بچوں کی بابت دونوں کے لئے یکساں حقوق اور ذمہ داریاں قرار

دے کر دونوں کے درمیان مکمل مساوات کی قائل ہے۔

۱۱۶۔ ملاحظہ ہو: **حركات تحرير المرأة من المساواة إلى الجندر: ۲۳۸**، اور اس کے بعد کے صفحات۔

۱۱۷۔ **مصطلح حرية المرأة بين كتابات الإسلاميين وتطبيقات الغربيين: ۶**۔

۱۱۸۔ **المرأة ماضيها وحاضرها: ۹۵**، شیخ منصور الرفاعی عبید، مطبوعہ اوراق شرقیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء۔

۱۱۹۔ آمال قرداش بنت الحسین کی کتاب **دور المرأة في خدمة الحديث في القرون الثلاثة الأولىٰ** شیخ عمر حسنہ کے مقدمہ سے ماخوذ۔

۱۲۰۔ **قضايا المرأة بين التقاليد الرائدة والوافدة: ۳۳**، شیخ محمد الغزالی، مطبوعہ دار الشروق، (تفصیلات درج نہیں)

۱۲۱۔ **مكانة المرأة**، بھنساوی: ۹۷۔

۱۲۲۔ **أفلاطون والمرأة: ۵**، ڈاکٹر امام عبد الفتاح امام، مکتبہ مدبولی، طبع دوم، ۱۹۹۶ء۔

۱۲۳۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو: **استعباد النساء**، جان اسٹیوورٹ مل: ۱۳۳۔ ۱۳۵، ترجمہ وحواشی: امام عبد الفتاح امام، مکتبہ مدبولی، ۱۹۹۸ء۔

۱۲۴۔ **مكانة المرأة: ۳۹**، نیز مصنف نے جو کچھ "**التوفيق بين البيت والمجتمع** (ص: ۱۱۵) کے زیر عنوان جو کچھ لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

۱۲۵۔ **صحيح البخاري: كتاب النفقات، باب حفظ المرأة زوجها فى ذات يده والنفقة**۔

۱۲۶۔ **فتح الباري: ۲/ ۱۲۹**، تحقیق، محبّ الدین الخطیب، دار المعرفۃ، بیروت۔

۱۲۷۔ **هذه الشجرة: ۸۹۔ ۹۰**، عباس محمود العقاد، دار نھضۃ مصر، قاہرہ، تفصیلات درج نہیں۔

۱۲۸۔ **صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل**۔

۱۲۹۔ **دور المرأة فى العمل الإسلامي**، شیخ فیصل مولوی کا ایک محاضرہ۔

۱۳۰۔ **حلية الأولياء: ۲/ ۶۶۔ ۶۷**۔ دار الکتاب العربی، بیروت، طبع چہارم، ۱۴۰۵ھ۔ نیز ملاحظہ ہو: **دور المرأة في حمل الدعوة: ۲۷۔ ۲۸**۔

۱۳۱۔ **السيرة النبوية دروس وعبر: ۷۹۔ ۸۰**، دار الوراق، بیروت، طبع پنجم، ۱۴۲۷ھ۔ ۲۰۰۶ء۔ اس کتاب میں عورت کی بابت ان کے بہت سے افادات ہیں جو کارگہ حیات کی بابت اس کے کردار نیز دعوت

اسلامی کے تئیں اس کی کاوشوں کی اہمیت بتاتے ہیں۔

۱۳۲۔ المنهج الحركي للسيرة النبوية:۱/ ۲۷،مکتبۃ المنار، اردن، طبع ششم، ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء۔ اس موضوع پر تفصیلی کلام کے لئے ملاحظہ ہو اس کتاب میں: ۱/ ۱۲۱۔ ۱۲۳۔

۱۳۳۔ملاحظہ ہو: دور المرأة الرسالية في دولة النبوة، ڈاکٹر سعید ہاشم، مطبوعہ مؤسسۃ الفجر، لندن،

۱۳۴۔مطبوعہ دار الوفاء منصورہ، مصر۔

۱۳۵۔مطبوعہ دار عالم الکتب، ریاض۔

۱۳۶۔مطبوعہ دار الوفاء منصورہ، مصر۔

۱۳۷۔مطبوعہ المرکز العالمی للکتاب الإسلامی، کویت۔

۱۳۸۔مطبوعہ دار الاندلس الخضراء، جدہ، سعودی عرب، طبع دوم، ۱۴۲۸ھ۔ ۲۰۰۸ء۔

۱۳۹۔صحيح البخاری: كتاب التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم، يكفيه من الماء۔

۱۴۰۔ الإسلاميون والمرأة:۴۷۔

۱۴۱۔مثلاً ملاحظہ ہو: سير أعلام النبلاء:۲/ ۲۱۷، تحقیق: شعیب الارناؤوط، ومحمد نعیم العرقسوسی، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع نہم، ۱۴۱۹ھ۔

۱۴۲۔ صحيح البخاری: كتاب الشروط،باب ما يجوز من الشروط في الإسلام والأحكام والمبايعة۔

۱۴۳۔صحيح البخاری: كتاب العيد، باب موعظة النساء يوم العيد۔

۱۴۴۔ تحرير المرأة في عصر الرسالة:۲/ ۴۲۵۔۴۲۶۔

۱۴۵۔ الفقه الإسلامي في طريق التجديد:۱۴۹۔

۱۴۶۔ المرأة والعمل السياسي رؤية إسلامية: ۹۲، ڈاکٹر ھبہ رؤوف عزت، المعہد العالمی للفکر الإسلامی، طبع اول، ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۵ء۔

۱۴۷۔المرأة بين الفقه والقانون:۱۵۵۔

۱۴۸۔ الحقوق السياسية للمرأة:۸۷۔۹۸، ۱۵۶، ۱۶۳، ڈاکٹر محمد فرید الصادق، کلیۃ الحقوق، جامعۃ القاہرہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے ۱۹۹۷ء میں لکھا گیا مقالہ۔

۱۴۹۔ المرأة في العصر الفاطمي:۸۔۱۰، ڈاکٹر نریمان عبد الکریم احمد، مطبوعہ الھیئۃ العامۃ المصریۃ للکتاب، ۱۹۹۲ء۔

۱۵۰۔ملاحظہ ہو: تحریر المرأة فی عصر الرسالة:۲/۴۰۴،(معمولی تصرف کے ساتھ)۔

۱۵۱۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدة البائن والمتوفی عنها زوجها فی النهار لحاجتها۔

۱۵۲۔ صحیح البخاری: کتاب البیوع، باب السهولة والسماحة فی الشراء والبیع......۔

۱۵۳۔ صحیح البخاری: ابواب المساجد، باب الخیمة فی المسجد للمرضی وغیرهم۔

۱۵۴۔ملاحظہ ہو: الطب ورائداته المسلمات: ۷۳۔ ۱۰۲، ڈاکٹر عبدالرزاق مسعود السعید، مطبوعہ مکتبۃ المنار، اردن، طبع اول، ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵ء۔

۱۵۵۔ دور المرأة فی حمل الدعوة:۶۶۔۶۸۔

۱۵۶۔ المرأة والعمل السیاسی:۱۰۲،ڈاکٹر ھبہ رؤوف۔

۱۵۷۔المرأة بین البیت والمجتمع:۳۵۵۔

۱۵۸۔ صحیح مسلم: کتاب الزهد والرقائق، باب فی حدیث الهجرة۔

۱۵۹۔ صحیح البخاری: کتاب العیدین، باب التکبیر أیام منی وإذا غدا إلی عرفة۔

۱۶۰۔ صحیح البخاری: کتاب العلم، باب هل یجعل للنساء یوم علی حدة فی العلم۔

۱۶۱۔صحیح البخاری: ابواب المساجد، باب کنس المسجد والتقاط الخرق والقذی والعیدان۔

۱۶۲۔صحیح البخاری: کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض۔

۱۶۳۔مسئولیة النساء فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر:۲۴،مکتبۃ المعارف، ریاض، طبع اول، ۱۴۱۵ھ۔

۱۶۴۔ مکانة المرأة:۹۷۔

۱۶۵۔ أدب النساء فی الجاهلیة والإسلام،ڈاکٹر محمد بدر معبدی،۱/۹،مکتبۃ الآداب،قاہرہ۔

۱۶۶۔ ایضاً:۱/۱۰۔۱۱، نیز ملاحظہ ہو:الرسول والمرأة:۱۲۰۔۱۲۷،سامیہ منیسی، المکتبۃ الأکادیمۃ، ۱۹۹۶ء قضایا المرأة شیخ محمد الغزالی:۹۳۔۹۴۔

۱۶۷۔ زینب ابوسنة وثلاث شاعرات ترکیات، فاروق شوشہ کا ایک مضمون جو جریدہ الأہرام (شمارہ:۴۴۴۵۶،مؤرخہ:۲۴/۸/۲۰۰۸ء) میں شائع ہوا۔

۱۶۸۔نفح الطیب من غصن الأندلس الرطیب:۴/۳۲۲،احمد بن مقری تلمسانی،تحقیق: احسان

عباس، دار صادر، بیرت، لبنان، طبع اول ۱۹۹۷ء۔ نغدلہ: اس نام کو عربی میں اس طرح سے بھی لکھتے ہیں، نغر الہ اور نغر یلہ بھی لکھا جاتا ہے۔

۱۶۹۔ ملاحظہ ہو: مقدمۂ کتاب، از: عمر عبید حسنہ۔

۱۷۰۔ **فقه المرأة بين فقها الرجال وفقيهات النساء**: ۵۔۶، ڈاکٹر محمد رواس قلعجی، مکتبۃ المنار الإسلامیۃ کویت، طبع اول، ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۴ء۔

۱۷۱۔ **فقه المرأة بين فقهاء الرجال وفقيهات النساء**: ۱۶۸۔۱۷۳۔

۱۷۲۔ اس کتاب کی پہلی فصل ''**دورالمرأة فی الحدیث، روایة**'' کا چوتھا مبحث ''دور المرأۃ فی روایات الکتب السنۃ'' ملاحظہ ہو۔

۱۷۳۔ **إنباء الغمر بأنباء العمر فی التاریخ**: ۳/ ۳۰۲، ابن حجر عسقلانی، تحقیق ڈاکٹر محمد عبد المعید خان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، طبع دوم، ۱۴۰۶ھ۔ ۱۹۸۶ء۔

۱۷۴۔ **السيرة النبوية دروس وعبر**: ۸۰۔

۱۷۵۔ **دور المرأة فی حمل الدعوة**: ۷۷۔

۱۷۶۔ آمال قرداش بنت الحسین کی کتاب **دور المرأة فی خدمة الحدیث فی القرون الثلاثة الأولیٰ** پر عمر حسنہ کے مقدمہ سے ماخوذ۔

۱۷۷۔ ان اوران جیسے دیگر خیالات کے لئے ملاحظہ ہو: **مكانة المرأة**: ۴۸۳۔۴۸۶، ڈاکٹر محمد بلتاجی۔

۱۷۸۔ **مقالات الشیخ الغزالی**: ۱/ ۱۰۱، ترتیب عبد الحمید حسنین حسن، مطبوعہ نھضۃ مصر، طبع چہارم۔ ۲۰۰۵ء۔

۱۷۹۔ آمال قرداش بنت الحسین کی کتاب **دور المرأة فی خدمة الحدیث فی القرون الثلاثة الأولیٰ** پر عمر حسنہ کے مقدمہ سے ماخوذ۔

۱۸۰۔ یہ شیخ غزالی کی تعبیر ہے، میری اپنی نہیں ہے۔

۱۸۱۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو: **المرأة بين البيت والمجتمع** بہی الخولی: ۳۱۲۔۳۱۳۔

۱۸۲۔ **قضايا المرأة بين التقاليد الراكدة والوافدة**: ۱۱۶۔۱۱۷، مطبوعہ دارالشروق،

۱۸۳۔ **مقالات الشیخ محمد الغزالی**: ۱/ ۲۲۰۔

۱۸۴۔ **فتاوی معاصرة**: ۲/ ۳۰۴۔۳۰۵، دارالقلم، کویت قاہرہ، طبع پنجم، ۱۴۲۶ھ۔ ۲۰۰۵ء۔

۱۸۵۔ **مجلة المختار**، مارچ، ۱۹۶۵ء۔ بحوالہ: **المرأة بين البيت والمجتمع**، بہی الخولی، ۳۰۶، ۳۱۱، موصوف کا ایک نہایت اہم کلام اسی کتاب میں '' **وجوب تقدير رسالة المرأة** '' کے زیر عنوان صفحات:

۳۴۸۔۳۵۱، پر ملاحظہ ہو۔

۱۸۶۔ المنهج الحر كی للسيرة النبوية:۱/ ۱۲۲۔

۱۸۷۔ السيرة النبوية دروس وعير:۷۹۔

۱۸۸۔ الأسرة المسلمة: أسس ومبادئ: ۱۵۷، ڈاکٹر عبدالحکیم الصعیدی، مطبوعہ الدر المصریۃ اللبنانیۃ۔

۱۸۹۔ تحرير المرأة فی عصر الرسالة:۲/ ۴۰۲۔۴۰۳۔

۱۹۰۔ ایضاً:۲/ ۳۶۶۔۳۶۷۔

۱۹۱۔ مكانة المرأة:۲۴۸۔۲۴۹۔

۱۹۲۔ دور المرأة فی العمل الإسلامی، شیخ فیصل مولوی کا ایک محاضرہ۔

۱۹۳۔ تحرير المرأة :۲/ ۳۶۴۔۳۶۵، ۴۰۳۔

۱۹۴۔ المرأة بين الشارع والبيت: ۸۲، ڈاکٹر حسین امین مطبوعہ دار الشروق، طبع اول ۱۴۲۰ھ۔ ۱۹۹۹ء۔

۱۹۵۔ فتاوی المرأة ۹۹ سؤالا وجوابا:۴۶، ڈاکٹر نصر فرید واصل، ترتیب: الفت الخشاب، مطبوعہ دار مایو الوطنیہ للنشر۔

۱۹۶۔ قوامیت کے معنی کے ملاحظہ ہو: قضايا المرأة ، غزالی، ۱۵۴، اور اس کے بعد کے صفحات۔

۱۹۷۔ حقوق النساء فی الإسلام:۷۴۔

۱۹۸۔ أيام من حياتي:۱۹۔۲۰۔

۱۹۹۔ دور المرأة في حمل الدعوة:۱۲

فہرست مصادر

۱۔أحکام المرأة في القصاص و الدیة،از ڈاکٹر عبداللطیف عامر،مطبوعہ مکتبۃ وھبۃ قاہرہ، ۱۹۹۴ء۔

۲۔الإحکام في أصول الأحکام ، از علی بن أحمد حزم الأندلسی، دار الحدیث،قاہرہ ، پہلا ایڈیشن، ۱۴۰۴ھ۔

۳۔أدب النساء فی الجاھلیة و الإسلام،از ڈاکٹر محمد بدر معبدي،مکتبۃ الآداب،قاہرہ۔

۴۔أرسطو و المرأة،ڈاکٹر اِمام عبدالفتاح اِمام،مکتبۃ مدبولی،طبع اوّل ۱۹۹۶ء۔

۵۔الإسلام وقضایا المرأة المعاصرة، البهي الخولي، دار القلم، کویت، طبع چہارم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۶۔الإسلامیون و المرأة،ڈاکٹر محمد سلیم العواء،دارالوفاء،قاہرہ،طبع اول ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۷۔أضواء علی نضال المرأة الفلسطینیة،از: نضال محمد الھندی،مطبوعہ دارالکرمل للنشر والتوزیع، عمان،۱۹۹۵ء۔

۸۔إعلام الموقعین عن رب العالمین،ابن قیم الجوزیۃ،تحقیق طہ عبدالرؤوف سعد،دارالجیل بیروت، ۱۹۷۳ء۔

۹۔أعلام النساء،عمر رضا کحالۃ ،بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ،طبع پنجم: ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۰۔أعلام النساء:علی محمد الدخیل،الدارالإ سلامیۃ،طبع سوم ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۱۱۔أعلام نساء الأندلس،ابن الأ بار،دارالوفاء قاھرہ،طبع اوّل ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء۔

۱۲۔ الإسلام و المرأة،سعید الأ فغانی،تفصیلات درج نہیں۔

۱۳۔ الأعمال الکاملة للإمام محمد عبده: تجزیہ وتحقیق: ڈاکٹر محمد عمارۃ،مطبوعہ قاہرۃ، ۱۹۹۳ء۔

۱۴۔إنباء الغمر بأبناء العمر في التاریخ، از ابن حجر العسقلانی،تحقیق ڈاکٹر محمد عبد المعید خان، دار الکتب العلمیۃ ،بیروت/لبنان،طبع دوم،۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۱۵۔ التحریر الإسلامی للمرأة، الرد علی شبهات الغلاة،ڈاکٹر محمد عمارۃ،دارالشروق،قاہرہ،طبع دوم ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۴ء۔

۱۶۔ التغذیة النبویة، از: پروفیسر عبدالباسط محمد سید، ألفا للنشر والتوزیع،طبع دوم،قاہرہ،

۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء،

۱۷۔ التمييز بين المرأة والرجل في الميراث والشهادة والنفقة، نامی پروگرام جس میں ڈاکٹر صلاح سلطان شریک ہوئے۔

۱۸۔ الجامع الصحيح ، اِمام محمد بن اسماعیل البخاری۔

۱۹۔الحقوق السياسية للمرأة ، ڈاکٹر محمد فرید الصادق، ڈاکٹر یٹ کا مقالہ کلیۃ الحقوق، جامعۃ قاہرہ، ۱۹۹۷ء۔

۲۰۔ الرسول والمرأة، سامیۃ منیسی، المکتبۃ الأکادیمیۃ، ۱۹۹۶ء۔

۲۱۔ السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث، شیخ محمد الغزالی، دار الشروق، قاہرہ، طبع سوم ۱۹۸۹ء۔

۲۲۔ السيدة لبيبة أحمد، ڈاکٹر محمد رجب البیومی، مجلّہ منبر الإسلام، قاہرہ(جلد:۵۸، شمارہ: ۷ بابت رجب، ۱۴۲۰ھ، اُکتوبر، نومبر ۱۹۹۹ء) میں شائع مضمون۔

۲۳۔ السيرة النبوية دروس وعبر ،ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، دار الوراق بیروت، طبع پنجم، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء۔

۲۴۔ الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية، ابن قیم الجوزیۃ تحقیق ڈاکٹر محمد جمیل غازی، مطبعۃ المدنی، قاہرہ۔

۲۵۔المرأة الفلسطينية تخلد نفسها فى التاريخ، وصفی عاشور اَبوزید، اِخوان آن لائن پر ۷/۱۱/۲۰۰۶ء کوشائع ہونے والا مضمون۔

۲۶۔ الفقه الإسلامى فى طريق التجديد، ڈاکٹر محمد سلیم العوا، سفیر الدولیۃ للنشر، قاہرہ طبع سوم ۱۴۲۷ھ/ ۱۹۶۵ء۔

۲۷۔ المرأة بين البيت والمجتمع، بھی الخولی، مکتبۃ دار العروبۃ، قاہرہ، طبع سوم، ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء۔

۲۸۔ المرأة بين الفقه والقانون، ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، المکتب الإسلامی، مؤسسۃ الرسالۃ، دمشق، بیروت، طبع سوم، تاریخ طباعت مذکور نہیں۔

۲۹۔المرأة الداعية معالم وعقبات ومحاذير، ڈاکٹر محمد بن موسیٰ الشریف، دار الأندلس الخضراء، جدہ، سعودی عرب، طبع سوم، ۱۴۲۸ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۰۔ المرأة فى العصر الفاطمى، ڈاکٹر نریمان عبدالکریم اَحمد، مطبوعہ الھیئۃ العامۃ المصریۃ للکتاب،

۱۹۹۲ء۔
۳۱۔ المرأة فی القرآن، شیخ محمد متولی الشعراوی، مطبوعہ أخبار الیوم، قطاع الثقافة، قاہرہ۔
۳۲۔ المرأة فی القرآن عباس محمود العقاد، دار نھضة مصر۔
۳۳۔ المرأة فی مصر المملوکیة، ڈاکٹر أحمد عبدالرزاق، مطبوعہ الھیئة العامة المصریة للکتاب، ۱۹۹۹ء۔
۳۴۔ المرأة والرجل وخصوم الإسلام، شیخ محمد متولی الشعراوی، دار الندوة، اسکندریة۔
۳۵۔ المرأة والعمل السیاسی، القبس الکویتیة (بابت: ۲۰۰۷/۶/۸ء) میں ڈاکٹر محمد سلیم العوا مقالہ۔
۳۶۔ المرأة والعمل السیاسی، رؤیة إسلامیة، ڈاکٹر ھبة رؤوف عزت، المعھد العالمی للفکر الإسلامی، طبع اول، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔
۳۷۔ المسئولیة الفردیة للمرأة المسلمة، بریدا ویراج صمدی، قطر الندی، قاہرہ، طبع سوم، ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء۔
۳۸۔ المغنی فی فقه الإمام أحمد بن حبیل از: ابن قدامة المقدسی، دار الفکر، بیروت، طبع اول، ۱۴۰۵ھ۔
۳۹۔ المنھج الحرکی للسیرة النبویة، منیر محمد الغضبان، مکتبة المنار، اردن، طبع ششم، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔
۴۰۔ أیام من حیاتی، زینب الغزالی، الجبیلی، تفصیلات درج نہیں۔
۴۱۔ تأویل مختلف الحدیث، ابن قتیبة الدینوری، تحقیق: محمد زھری النجار، دار الجیل، بیروت، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۲ء۔
۴۲۔ تحریر المرأة فی عصر الرسالة، محمد عبدالحلیم أبوشقة، دار القلم، طبع ششم، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء۔
۴۳۔ تحفة الأحوذی بشرح سنن الترمذی، دار الکتب العلمیة، بیروت۔
۴۴۔ تقریر التنمیة الإنسانیة العربیة ۲۰۰۳ء۔
۴۵۔ حرکات تحریر المرأة من المساواة إلی الجندر، وؤیة إسلامیة، ڈاکٹر مثنی أمین الکردستانی، مطبوعہ دار القلم، الکویت، طبع اول ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء۔
۴۶۔ حقوق النساء فی الإسلام وحظھن من الإصلاح المحمدی العام (نداء للجنس اللطیف)، محمد رشید رضا، تعلیق محمد ناصر الدین الألبانی، طبعة المکتب الإسلامی، بیروت۔

۴۷۔ حکم تولی المرأة الولایات العامة والاشتراک فی المجالس التشریعیة نائبة وناخبة،شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق،تفصیلات درج نہیں۔

۴۸۔حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ابونعیم الأصفہانی، دار الکتاب العربی، بیروت،طبع چہارم، ۱۴۰۵ھ۔

۴۹۔ دور المرأة الرسالیة فی دولة النبوة،ڈاکٹر سعید ھاشم،مطبوعہ مؤسسۃ الفجر،لندن۔

۵۰۔دور المرأة فی حمل الدعوة ،محمد حسین عیسی، مقدمہ شیخ محمد عبداللہ الخطیب، دار الدعوة، اسکندریہ،طبع دوم،۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء۔

۵۱۔ دور المرأة فی خدمة الحدیث فی القرون الثلاثة الأولیٰ،از: آمال قرداش بنت الحسین، مقدمہ عمر عبید حسنۃ، کتاب الأمۃ: ۷۰۔

۵۲۔دور المرأة فی العمل الإسلامی،شیخ فیصل مولوی کا محاضرہ۔

۵۳۔دیة المرأة فی الشریعة الإسلامیة ،ڈاکٹر یوسف القرضاوی،مطبوعہ مکتبۃ وھبۃ،قاہرہ۔

۵۴۔زینب أبو سنة وثلاث شاعرات ترکیات، جریدۃ الأھرام کے شمارہ ۴۴۴۵۶، مؤرخہ: ۲۴/۸/۲۰۰۸ءکوشائع ہونے والا مقالہ۔

۵۵۔سنن الترمذی،از: امام ابوعیسی الترمذی۔

۵۶۔سیر أعلام النبلاء، امام ذہبی،تحقیق شعیب الأرناؤوط، ومحمد نعیم العرقسوسی،مؤسسۃ الرسالۃ،طبع نہم،۱۴۱۹ھ۔

۵۷۔صحیح مسلم،امام مسلم بن الحجاج القشیری۔

۵۸۔عمل المرأة فی میزان الشریعة الإسلامیة،اُم حبیبۃ البریکی،مقدمہ ڈاکٹر عادل العزازی، مطبوعہ مکتبۃ أولاد الشیخ للتراث،قاہرہ،۲۰۰۵ء۔

۵۹۔ فتاوی المرأة المسلمة، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، طبع اول، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

۶۰۔فتاوی معاصرة،ڈاکٹر یوسف القرضاوی، دار القلم،کویت،قاہرہ،طبع پنجم،۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء۔

۶۱۔فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ابن حجر العسقلانی،تحقیق محبّ الدین الخطیب، دار المعرفۃ، بیروت۔

۶۲۔فقه المرأة بین فقهاء الرجال وفقیهات النساء،ڈاکٹر محمد رواس قلعجی،مکتبۃ المنار الإسلامیۃ، کویت،طبع اول، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء۔

۶۳۔ فلسفة العقوبة فی الفقه الإسلامی القسم الثانی،محمد ابو زہرۃ ،مطبوعہ معہد الدراسات العربیۃ العالیۃ ،۱۹۶۶ء۔

۶۴۔قرارات المجلس الأوروبی للإفتاء والبحوث۱۸/۲/۱۴۲۶ھ۲۸/۰۳/۲۰۰۵ء۔

۶۵۔ قضایا المرأة بین التقالید الراکدة والوافدة،شیخ محمد الغزالی،مطبوعہ دار الشروق،تفصیلات درج نہیں۔

۶۶۔کتاب عشرة النساء، امام أبوعبدالرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی،مکتبۃ السنۃ،قاہرہ،طبع سوم، ۱۴۱۸ھ/۱۹۸۸ء۔

۶۷۔ لسان العرب ابن منظور،دارصادر،بیروت۔

۶۸۔ ماذا عن المرأة ڈاکٹر نورالدین عتر، الیمامۃ للطباعۃ والنشر ، دمشق، گیارہواں ایڈیشن، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۶۹۔ مجلة البحوث الإسلامية۔

۷۰۔مجموع فتاوی ومقالات الشیخ عبدالعزیز بن باز،طبع دوم۔

۷۱۔محاسن الشریعة الإسلامیة فی فروع فقه الشافعیة،ابوبکر محمد بن علی بن اسماعیل بن الشاشی معروف بہ قفال الکبیر،تحقیق ابوعبداللہ محمد علی سمک،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،لبنان،طبع اول ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء۔

۷۲۔ مرکز المرأة فی الحیاة الإسلامیة ڈاکٹر یوسف القرضاوی،مؤسسۃ الرسالۃ،طبع اول ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

۷۳۔ مساوئ تحرر المرأة فی العصر الحدیث، زکی علی السید أبو عضۃ، مطبوعہ دارالوفاء لمنصورۃ،

۷۴۔ مسئولیة النساء فی الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر،ڈاکٹرفضل إلٰهي،ریاض،طبع اول،۱۴۱۵ھ۔

۷۵۔مشارکة المرأة سیاسیا، شبهات وردود،ڈاکٹرعصام أحمدالبشیر کاغیرشائع شدہ مقالہ۔

۷۶۔ مصطلح حریة المرأة بین کتابات الإسلامیین وتطبیقات الغربیین،ڈاکٹر محمد بن موسی الشریف،دارالأندلس الخضراء،جدۃ،سعودی عرب،طبع دوم،۱۴۲۸ھ/۲۰۰۸ء۔

۷۷۔مکانة المرأةبین الإسلام والقوانین العالمیة،سالم البہنساوی،دارالقلم،الکویت،طبع دوم ۱۴۰۶ھ/۱۹۶۸ء۔

۷۸۔مکانة المرأة فی القرآن الکریم والسنة الصحیحة،ڈاکٹرمحمد بلتاجی حسن،اضافہ شدہ تیسرا

ایڈیشن ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۷۹۔ ملامح المجتمع المسلم الذي ننشده، ڈاکٹر یوسف القرضاوي، مکتبة وهبة، قاہرہ، طبع اول، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۸۰۔ من مقالات الشیخ محمد الغزالي، ترتیب عبدالحمید حسانین حسن، مطبوعہ نهضة مصر، طبع چہارم، ۲۰۰۵ء۔

۸۱۔ میراث المرأة وقضیة المساواة، ڈاکٹر صلاح الدین سلطان، دارنهضة مصر، قاہرہ، ۱۹۹۹ء۔

۸۲۔ نساء خالدات علی أرض الرباط، أحمد جابر، مقدمہ: ڈاکٹر محمد الشیخ محمود صیام، دار الوعد للنشر والتوزیع، الیمن، صنعاء۔

۸۳۔ نساء فاضلات، عبدالبدیع صقر، قاہرہ، دارالاعتصام۔

۸۴۔ نفح الطیب من غصن الأندلس الرطیب، أحمد بن المقري التلمساني، تحقیق: إحسان عباس، دارصادر، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۹۹۷ء۔

مؤلف کا مختصر تعارف

نام: وصفي عاشور علي أبوزيد۔

تاریخ پیدائش: محافظۃ کفر الشیخ۔۱۱/جمادی الثاني ۱۳۹۵ھ/:۲۰/۶/۱۹۷۵ء۔

ای میل:wasfy75@yahoo.com

تعلیمی لیاقت اور مشغولیات:

- ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے ''المقاصد الجزئية وأثرها فى الاستدلال الفقهى'' کے عنوان پر دسمبر ۲۰۰۵ء میں کلیۃ دار العلوم، جامعۃ القاہرۃ میں مقالہ پیش کیا۔
- ''نظرية الجبر فى الفقه الإسلامى دراسة تأصيلية تطبيقيه'' کے عنوان پر مقالہ لکھ کر مارچ ۲۰۰۵ء میں مذکورہ بالا کلیہ و جامعہ سے فقہ واصول فقہ میں ایم اے کیا۔
- اسی کلیہ اور جامعہ سے عربی زبان واسلامی علوم میں ۱۹۹۷ء میں بی اے کیا۔
- مصر۔قطر، مراکش، اور الجزائر کی متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی۔
- مجمع الفقہ الإسلامی جدہ کے تحت معلمة القواعد الفقهية کی تیاری میں شریک رہے۔
- الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کے رکن،
- اسلام آن لائن ڈاٹ نٹ کے ایمانی ودعوتی مشیر۔
- الإسلام الیوم (ویب سائٹ) کے ایمانی ودعوتی مشیر۔

۲۰۰۵ء سے الجمعیۃ الفلسفیۃ المصریۃ کے رکن۔

۲۰۰۶ء سے المرکز العالمی للوسطیۃ، کویت میں شرعی اسکالر۔

- پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں فقہ، اصول فقہ، فکر، دعوت، تربیت اور خاندانی موضوعات پر سیکڑوں مقالات ومضامین شائع ہو چکے ہیں۔

تآليفات:

١ ـ نظرية الجبر في الفقه الإسلامي، دراسة تأصيلية تطبيقية.

٢ ـ في ظلال سيد قطب، لمحات من حياته وأعماله ومنهجه التفسيري.

٣ـ الحرية الدينية ومقاصدها في الإسلام.

٤ـ محفوظ نحناح رمز الإسلام المعتدل في الجزائر.

٥ ـ مشاركة المرأة في العمل العام. زيرنظر كتاب

٦ ـ المحاولات التجديدية المعاصرة في أصول الفقه، دراسة تحليلية.

٧ـ رعاية المقاصد في منهج القرضاوي.

٨ـ التكوين الفقهي للدعاة.

٩ ـ يوسف القرضاوي مجالات التأليف وخصائص المنهج العلمي.

١٠ ـ منهج الشيخ محمد الغزالي في تناول مسائل العقيدة.

١١ ـ حفظ الأسرة في الإسلام، قراء ة في ضوء نصوص الشريعة ومقاصدها.

١٢ ـ أهمية القرآن في حياة المسلم.

١٣ ـ أسس التعامل مع القرآن الكريم.

١٤ ـ الجهاد في سبيل الله......مقاصد وآثار.

١٥ ـ معايير الوسطية في الوقاية من العنف والتطرف.